فتح افریقہ
صادق حسین صدیقی

ولولہ انگیز اسلامی تاریخی ناول

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

تاریخ اشاعت ۲۰۰۰ء

سرورق عبیداللہ

اہتمام محمد نذیر' طاہر نذیر

کمپوزنگ الاشراق کمپوزنگ سنٹر لاہور

مطبع رضا پرنٹرز لاہور

قیمت 100 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ' اقرا سنٹر' اردو بازار لاہور

سعد پبلیکیشنز' فرسٹ فلور میاں مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

میاں ندیم' مین بازار' جہلم

کشمیر بک ڈپو' تلہ گنگ روڈ' چکوال

نفیس اکیڈمی' اردو بازار' کراچی

مسلم بک لینڈ' بینک روڈ' مظفر آباد

کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور' کالج روڈ' بورے والا

ضیاء القرآن پبلشرز' اردو بازار' کراچی

ویلکم بک پورٹ' اردو بازار' کراچی

کتاب گھر- مین بازار' وہاڑی

یونیورسٹی بک ایجنسی' خیبر بازار' پشاور

رحمان بک ہاؤس' اردو بازار' کراچی

اسلامی کتب خانہ' فضل الٰہی مارکیٹ' اردو بازار لاہور

مکتبہ العلم' ۱۷- اردو بازار لاہور

چوہدری بک ڈپو' مین بازار' جہلم

مکتبہ رشیدیہ' نیو جنرل' چکوال

اسلامک بک سنٹر' اردو بازار' کراچی

دارالادب' تلمبہ روڈ' میاں چنوں

ضیاء القرآن پبلشرز' گنج بخش روڈ' لاہور

اشرف بک ایجنسی' کمیٹی چوک' راولپنڈی

فرید پبلشرز' نزد مقدس مسجد' اردو بازار' کراچی

شمع بک ایجنسی' فیصل آباد

کتاب گھر' علامہ اقبال روڈ' راولپنڈی

ہاشمی برادرز' مشن چوک' کوئٹہ

پیش لفظ

زمانۂ قدیم میں داستان گوئی کو بے حد پسند کیا جاتا تھا، جیسے جیسے زمانہ ارتقائی منزلیں طے کرتا گیا اور ترقی ہوئی تو اسی لحاظ سے داستان گوئی کے انداز بھی بدلتے چلے گئے۔ داستانوں کی جگہ ناولوں نے لے لی۔

ہمارے اس تاریخی ناول کا تعلق حضرت عثمان غنیؓ کے دور سے ہے۔ اس تاریخی ناول کو جناب صادق حسین صدیقی نے ضبط تحریر کیا تھا۔ متذکرہ ناول میں موصوف نے تاریخی حقائق کو شاندار پیرائے میں پیش کیا ہے۔ مسلمان جنگجو باطل کے خلاف جنگ کرتے تھے اور حق کی فتح یابی سے ہمکنار ہوتے تھے۔

یہ ازمیہ واقعات سے بھرپور ناول ہمارے ماضی کا آئینہ دار ہے اور اس میں ہم پوری قوم کے خدوخال دیکھ کر آگے بڑھ سکتے ہیں اور ان کوتاہیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ جو ہم سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے باطل کے خلاف جنگ جاری رکھ کر اسلام کا نام سربلند کیا ہے اور حق کے لیے جانیں قربان کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام زندہ و جاوید ہے اور ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ باطل اپنی گھناؤنی سازشوں کا جال پھیلا کر اسلام کو ختم نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ نتائج سے بے خبر ہو کر حق کی آواز پر لبیک کہا ہے اور شاندار کارنامے سرانجام دیے ہیں جو آج تک روشن ہیں اور تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ حق کی ضیاء لیے پھیلے رہیں گے اور قوم کو جگاتے رہیں گے۔

جناب صادق حسین صدیقی صاحب نے اپنی زندگی کو اسلامی تاریخی ناولوں کو ضبط تحریر کرنے کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ اور موصوف نے اس میدان میں کافی طبع آزمائی کی ہے یہ وہ دور تھا جب مسلمان تاریخ سے زیادہ سے زیادہ آگاہ ہونے کے لیے بیتاب و بے چین رہتے تھے۔ اس میدان میں اتر کر صادق حسین صدیقی صاحب مسلمانوں کے شعور کو تاریخی

طور پر بیدار کیا اور انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور مسلمانوں میں اسلام کے لیے ایک نیا جذبہ پیدا کرنے کی بدرجۂ اتم کوشش کی اور اس کوشش میں بے حد کامیاب ہوئے۔

موصوف کے تاریخی ناولوں کی مانگ میں اضافہ ہوا اور انہیں بے حد شہرت ملی۔ جو آج تک برقرار ہے۔ اسی شہرت کی بنا پر ہم نے اپنے ادارے سے ان کا ناول "فتح افریقہ" شائع کیا ہے۔ امید ہے قارئین اسے بے حد پسند فرمائیں گے اور ہم گاہے بگاہے جناب صادق حسین صاحب کے ناول شائع کرتے رہیں گے۔

اکثر ناول نگار تاریخی حقائق اور اس کے درست پس منظر کو بیان کرتے ہوئے کتراتے ہیں۔ وہ تاریخ سے روگردانی کرنے کا موجب بنتے ہیں اور تلخ تاریخی حقیقتوں فرار حاصل کرکے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی تحریروں کو بے ربط، بے فائدہ اور بے جان بنا دیتے ہیں۔ موصوف نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ ہمیشہ تاریخ کو اپنی تمام تر سچائیوں اور حقیقتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تاکہ پوری قوم اپنی کوتاہیوں سے آگاہ ہو کر سچائیوں کے راستے پر گامزن ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف اپنی اس کوشش میں بے حد کامیاب ہیں اور تاریخی ناولوں کی دنیا میں ان کا نام آج بھی باوقار انداز میں روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا۔

"ناشر"

5

باب

خلیفہ سوم کا دربار

دیار رسول صلعم یعنی مدینہ منورہ کے باشندے جوق در جوق مسجد نبوی کی طرف جا رہے تھے ہر شخص پیکرِ اسلام تھا۔ مئے توحید کا متوالہ ملک و قوم کا فدائی۔ خلاف معمول اس وقت ہر شخص کے چہرہ سے جوش و غضب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

صبح کا وقت تھا، آفتاب طلوع ہو رہا تھا سنہری کرنیں دھوپ میدانوں، درختوں اور پہاڑوں پر پھیل گئی تھیں۔ اگرچہ یہ وقت نماز کا نہ تھا۔ مگر پھر بھی مسلمان مسجد کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے۔

بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں جس طرح سے دنیا کی حکومتوں نے ارکین حکومت کے اجلاس کے لیے دیوان مخصوص کر رکھے ہیں۔ اس زمانہ میں جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اسلامی گورنمنٹ کا دارالمشورہ مسجد نبوی تھا۔ ہر خلیفہ اور خود رسولِ خدا صلعم مسجد ہی میں اجلاس کیا کرتے تھے۔

ہم سنہ ۲۶ ہجری کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دنیا جمہوریت کے نام سے واقف نہ تھی۔ کرۂ ارض پر شخصی سلطنتیں تھیں۔ ہر بادشاہ خدائے سلطنت سمجھا جاتا تھا۔ رعایا کا فرض تھا کہ وہ اپنے حکمران کو سجدہ کرے یا اس کے سامنے جھکے۔ بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ خدائی فرمان کا حکم رکھتا تھا۔ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

لیکن جب نیّر اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تو پروردگار عالم نے شخصی لعنت دور کرنے کا حکم دیا، ارشاد ہوا۔

وشاورھم فی الامر یعنی اور ان سے (مسلمانوں سے) امورات میں مشورہ کرو۔ پارہ لن تنالو سورۃ آل عمران ع ۱۷ چنانچہ مسلمانوں نے اسی وقت سے جمہوریت قائم کرلی۔

شخصی حکومت کی بدعت کو دور کرکے جمہوریت کا شرف اولین اسلام ہی کو حاصل ہے آج جو قومیں اور ممالک جمہوریت سے لذت کش ہیں۔ وہ مسلمانوں ہی کی رہین منت ہیں۔

غرض مسلمانوں کے گروہ مسجد میں آ آکر جمع ہو رہے تھے، مسجد کی درمیانی محراب میں بہت سے معزز صورت اعرابی بیٹھے تھے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت، میانہ قد اور ضعیف العمر تھے ان کے چہرے سے حلم و مروت اور ذکاوت اور ذہانت کے آثار ظاہر تھے۔ ان کا نام حضرت عثمان غنی تھا۔ اس وقت آپ ہی شہنشاہِ عرب و عجم امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تھے سلسلۂ خلافت راشدہ میں آپ کا تیسرا نمبر تھا۔ اور آپ خلیفہ سوم کہلاتے تھے۔

مسلمانوں کی تاریخی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ وہ شیرانِ اسلام کے کارنامے تو کیا نام تک بھی نہیں جانتے تھے۔ بہت کم ایسے مسلمان ہوں گے جو حضرت عثمان غنی کے حالات و واقعات سے باخبر ہوں گے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کچھ حالات مجملاً بیان کر دیئے جائیں۔ آپ کا نام نامی عثمان تھا آپ عفان کے بیٹے تھے۔ آپ کی نانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن تھیں۔ جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں۔ اس طرح آپ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔

آنحضور صلعم نے اپنی بیٹی رقیہؓ کی شادی قبل از وقت عثمانؓ سے کر دی تھی۔ جو جنگ بدر کے روز فوت ہو گئی تھیں۔ تب آنحضرت صلعم نے اپنی دوسری بیٹی اُم کلثوم کی شادی آپ سے کر دی اس لیے آپ ذوالنورین کے خطاب سے مشہور ہیں۔ دنیا بھر میں یہ شرف صرف حضرت عثمان ہی کو حاصل ہوا کہ آپ کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں آئیں۔ آپ کانِ حیا تھے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا تھا کہ آپ سے زیادہ باحیا کوئی بشر نہیں ہے۔ آپ کی بڑھی ہوئی حیا کی وجہ سے فرشتے تک آپ سے حیا کرتے ہیں حضرت حسنؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ حضرت عثمان کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی میں نہاتے وقت دروازہ بند کر کے کپڑے اتارنے میں بھی آپ کو شرم دامن گیر ہوتی تھی اور اس قدر شرماتے تھے کہ تن کر کھڑے نہ ہوتے تھے۔

آپ ذوالہجرتین تھے۔ یعنی آپ نے دو مرتبہ ہجرت کی تھی ایک مرتبہ حبش کی اور دوسری مدینہ منورہ کی۔ آپ بڑے مالدار تھے۔ اسی لیے "غنی" کے خطاب سے بھی مشہور تھے۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ جب مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو وہاں

پانی کی سخت تکلیف تھی۔ ایک یہودی کا کنواں تھا۔ وہ پانی فروخت کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کو گراں قیمت پر دیتا تھا۔ آپ نے اس یہودی سے یہ کنواں پینتیس ہزار درہم پر خرید کر وقف کر دیا تھا۔

ایک سال جب مدینہ منورہ میں قحط پڑا تو آپ نے ہزاروں روپیہ کا غلہ خرید کر غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ جنگِ تبوک کے موقع پر آپ نے ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس گھوڑے خرید کر مجاہدین کو دیئے تھے۔

آنحضور صلعم اور اہل بیت نبوی کے ساتھ سلوک ہوتے رہتے تھے۔ آنحضرت صلعم آپ کیلئے دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ۔ یعنی "اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا"۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم یہ دعا شام[1] سے صبح تک مانگتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق اکبر کے زمانۂ خلافت میں ایک بار قحط پڑا لوگ بھوکے مرنے لگے کسی قیمت پر بھی غلہ میسر نہ آتا تھا مسلمانوں کو بڑی تکلیف تھی۔ بچے بھوکے بلک رہے تھے۔ اس وقت ایک روز یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت عثمان کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے ہیں۔ اور یہ غلہ تجارت کے لیے آپ نے منگایا ہے۔ چنانچہ غلہ کے سوداگر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ڈیوڑھے نفع پر اس کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی یعنی سو روپے کا غلہ ڈیڑھ سو روپے میں لینا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان کے لیے یہ بات بڑے شرم کی ہوگی کہ تمام مسلمان بھوکے مریں، اور میں نفع کا لالچ کروں تم سب گواہ رہو کہ میں نے یہ تمام غلہ مدینہ منورہ کے فقراء اور مساکین کو دے دیا!

آپ کی یہ سخاوت دیکھ کر لوگ عش عش کر رہے تھے کہ اسی رات کو حضرت عبداللہ بن عباس نے خواب[2] میں دیکھا کہ آنحضور صلعم ایک گھوڑے پر سوار حلۂ نوری پہنے نہایت تیزی سے جا رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں دوڑ کر آگے بڑھا اور عرض کیا "یارسول اللہ! مجھے تو آپ کی زیارت

---

[1]: از ابن اثیر

[2]: خواب کا یہ تمام واقعہ تاریخ اسلام جلد اول مصنف مولانا اکبر شاہ خاں کے صفحہ ۲۹۲ پر درج ہے۔ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو اسی طرح لکھا ہے۔

کا بے حد اشتیاق تھا۔ ذرا ٹھہریئے حضور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں ؟"

رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ اے ابن عباس! عثمان غنی نے آج ایک ہزار اونٹ صدقہ کیا ہے اور خدائے تعالےٰ نے ان کے اس صدقہ کو قبول فرما کر جنت میں ان کے لیے ایک عالی شان دیوان مخصوص کر دیا ہے۔ اور ایک عروس کے ساتھ ان کے عقد کا انتظام ہو رہا ہے۔ فرشتے انتظام و انصرام میں مصروف ہیں۔ جنت اور آسمان میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ میں بھی عقد میں شریک ہونے کیلئے جا رہا ہوں!

ایک مرتبہ آپ اپنے غلام سے ناخوش ہو گئے، اور آپ نے اس کا کان پکڑ لیا۔ مگر فوراً ہی یہ خیال آیا کہ یہ بڑی غلطی ہے۔ ممکن ہے خدا مجھ سے ناخوش ہو جائے۔ آپ نے فوراً غلام سے کہا "بھائی میں نے تیرا کان پکڑ کر تیرے دل کو اذیت دی ہے تو بھی میرا کان پکڑ لے تاکہ آخرت کی جوابدہی میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے" غلام ہچکچایا۔ آپ نے کہا "مت ہچکچاؤ، میرا کان پکڑو" غلام نے آپ کا کان پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا "بھائی میرا کان زور سے پکڑو۔ دنیا کا قصاص آخرت کے بدلے سے نہایت آسان ہے"

ہم نے طوالت کے خوف سے معدودے چند واقعات لکھے ہیں، جو حضرات زیادہ حالات معلوم کرنا چاہیں وہ تاریخ کا مطالعہ کریں۔

حضرت عثمانِ غنی مسجد کے محراب میں بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس اس وقت نوجوانوں کا طبقہ بیٹھا تھا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر، حضرت حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین بن حضرت علی تھے۔ اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر موجود تھے۔

جب مسلمان آ کر اطمینان اور خاموشی سے بیٹھ گئے، تو حضرت عثمان غنی کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ مسلمانو! عیسائی اسلام دشمنی

"مسلمانو! عیسائی اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ وہ نہ تو چین سے بیٹھتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ ممالکِ شام، مصر، بصرہ اور آرمینہ وغیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد عیسائی مسلمانوں سے چھیڑ خوانی بند کر دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اب

افریقہ[سلہ] کے عیسائی مسلمانوں سے ٹکرانا چاہتے ہیں۔ وہ مصر کے مسلمانوں کو ستاتے رہتے ہیں۔ ان کا بادشاہ جس کا نام جرجیر ہے مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم کر لیا ہے اور عنقریب حملہ آور ہونے والا ہے۔ آج کل مصر میں عبداللہ بن سعد گورنر ہیں۔ انہوں نے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ میں نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، تو سب کی یہی رائے ہوئی کہ اس کانٹے کو بھی نکال ڈالنا چاہیے۔ یعنی عیسائیوں کے اعلانِ جنگ کو قبول کر کے خدا کے بھروسے پر افریقہ پر چڑھائی کر دینی چاہیے۔ میں نے عبداللہ بن سعد کے پاس آج قاصد روانہ کرنے کا قصد کر لیا ہے اور انھیں خط بھی لکھ دیا ہے کہ وہ افریقہ پر چڑھائی کر دیں۔ لیکن جنگ شروع کرنے سے پہلے جرجیر کو سمجھائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اگر وہ مسلمان ہونا پسند نہ کرے۔ تو ادائے جزیہ کی ترغیب دیں جب وہ ان دونوں باتوں کو نہ مانے تو لڑائی شروع کر دیں۔

لیکن مجھے معلوم ہے کہ عبداللہ بن سعد کے پاس لشکر کم ہے۔ اس لیے ان کی مدد کے لیے مدینہ سے مزید فوجیں بھیجی جائیں گی۔ جو اصحاب جہاد پر جانا چاہتے ہوں وہ منیٰ کے مقام پر جا کر جمع ہو جائیں۔ منیٰ مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر مختصر سی بستی تھی۔ جتنے لشکر مدینہ منورہ سے عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے وہ سب اسی مقام پر پہلے جمع ہوتے تھے۔

یہ مختصر تقریر کرنے کے بعد حضرتِ عثمان غنی نے ایک نوجوان اعرابی کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر خلیفہ سوئم کے پاس پہنچا۔ خلیفہ نے کہا "سرور میں تمہیں قاصد بنا کر مصر بھیجنا چاہتا ہوں، کیا تم تیار ہو؟"

سلہ حال کے جغرافیہ میں افریقہ اس براعظم کا نام ہے۔ جس میں حبش، مصر، مراکو اور سوڈان وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن مسلمان مورخ افریقہ اسے کہتے تھے جو اسکندریا کے عرب میں واقع ہے۔ طرابلس اور طنجہ کے درمیان میں افریقہ نام کی ایک ریاست بھی ہے حقیقت یہ ہے کہ افریقہ ایک عظیم الشان براعظم ہے جو یورپ سے تین گنا اور ہندوستان سے چار گنا بڑا ہے اس کی صورت مثلث کی سی ہے۔ یہ خط استوا کے دونوں طرف برابر پھیلا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نصف حصہ میں جب گرمی پڑتی ہے تو نصف حصہ میں سردی۔ اس ملک میں خشک ریگستان بھی ہے اور خطرناک جنگلات بھی ہیں۔ گنجان جنگلوں میں ہاتھی بندر، لنگور، شیر، چیتے اور گوریلا جانور جو انسانوں سے مشابہت رکھتے ہیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دریاؤں میں دریائی گھوڑے بھی ہوتے ہیں۔

کا بے حد اشتیاق تھا۔ ذرا ٹھہریئے حضور کہاں تشریف لے جارہے ہیں ؟"

رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ اے ابن عباس! عثمان غنی نے آج ایک ہزار اونٹ صدقہ کیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے ان کے اس صدقہ کو قبول فرماکر جنت میں ان کے لیے ایک عالی شان دیوان مخصوص کر دیا ہے۔ اور ایک عروس کے ساتھ ان کے عقد کا انتظام ہو رہا ہے۔ فرشتے انتظام و انصرام میں مصروف ہیں۔ جنت اور آسمان میں خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ میں بھی عقد میں شریک ہونے کیلئے جارہا ہوں "

ایک مرتبہ آپ اپنے غلام سے ناخوش ہوگئے، اور آپ نے اس کا کان پکڑ لیا۔ مگر فوراً ہی یہ خیال آیا کہ یہ بڑی غلطی ہے۔ ممکن ہے خدا مجھ سے ناخوش ہو جائے۔ آپ نے فوراً غلام سے کہا "بھائی میں نے تیرا کان پکڑ کر تیرے دل کو اذیت دی ہے تو بھی میرا کان پکڑ لے تاکہ آخرت کی جوابدہی میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے" غلام ہچکچایا۔ آپ نے کہا "مت ہچکچاؤ، میرا کان پکڑو" غلام نے آپ کا کان پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا "بھائی میرا کان زور سے پکڑو۔ دنیا کا قصاص آخرت کے بدلے سے نہایت آسان ہے"

ہم نے طوالت کے خوف سے معدودے چند واقعات لکھے ہیں، جو حضرات زیادہ حالات معلوم کرنا چاہیں وہ تاریخ کا مطالعہ کریں۔

حضرت عثمانِ غنی مسجد کے محراب میں بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس اس وقت نوجوانوں کا طبقہ بیٹھا تھا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر، حضرت حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسین بن حضرت علی تھے۔ اور صحابۂ کرام میں سے حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر موجود تھے۔

جب مسلمان آکر اطمینان اور خاموشی سے بیٹھ گئے، تو حضرت عثمان غنی کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ مسلمانو! عیسائی اسلام دشمنی

"مسلمانو! عیسائی اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ وہ نہ تو چین سے بیٹھتے ہیں اور نہ مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ ممالکِ شام، مصر، بصرہ اور آرمینہ وغیرہ کے فتح ہو جانے کے بعد عیسائی مسلمانوں سے چھیڑ خوانی بند کر دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اب

افریقہ[1] کے عیسائی مسلمانوں سے ٹکرانا چاہتے ہیں۔ وہ مصر کے مسلمانوں کو ستاتے رہتے ہیں۔ ان کا بادشاہ جس کا نام جرجیر ہے مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم کر لیا ہے اور عنقریب حملہ آور ہونے والا ہے۔ آج کل مصر میں عبداللہ بن سعد گورنر ہیں۔ انہوں نے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ میں نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، تو سب کی یہی رائے ہوئی کہ اس کانٹے کو بھی نکال ڈالنا چاہیے۔ یعنی عیسائیوں کے اعلانِ جنگ کو قبول کر کے خدا کے بھروسے پر افریقہ پر چڑھائی کر دینی چاہیے۔ میں نے عبداللہ بن سعد کے پاس آج قاصد روانہ کرنے کا قصد کر لیا ہے اور انہیں خط بھی لکھ دیا ہے کہ وہ افریقہ پر چڑھائی کر دیں۔ لیکن جنگ شروع کرنے سے پہلے جرجیر کو سمجھائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اگر وہ مسلمان ہونا پسند نہ کرے۔ تو ادائے جزیہ کی ترغیب دیں جب وہ ان دونوں باتوں کو نہ مانے تو لڑائی شروع کر دیں۔

لیکن مجھے معلوم ہے کہ عبداللہ بن سعد کے پاس لشکر کم ہے۔ اس لیے ان کی مدد کے لیے مدینہ سے مزید فوجیں بھیجی جائیں گی۔ جو اصحاب جہاد پر جانا چاہتے ہوں وہ منیٰ کے مقام پر جاکر جمع ہو جائیں منیٰ مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر مختصر سی بستی تھی۔ جتنے لشکر مدینہ منورہ سے عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے وہ سب اسی مقام پر پہلے جمع ہوتے تھے۔

یہ مختصر تقریر کرنے کے بعد حضرت عثمان غنی نے ایک نوجوان اعرابی کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر خلیفہ سوئم کے پاس پہنچا۔ خلیفہ نے کہا "سرور میں تمہیں قاصد بنا کر مصر بھیجنا چاہتا ہوں، کیا تم تیار ہو؟"

---

[1] حال کے جغرافیہ میں افریقہ اس براعظم کا نام ہے۔ جس میں حبش، مصر، مراکو اور سوڈان وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن مسلمان مورخ افریقہ اسے کہتے تھے جو اسکندریا کے عرب میں واقع ہے۔ طرابلس اور طنجہ کے درمیان میں افریقہ نام کی ایک ریاست تھی ہے حقیقت یہ ہے کہ افریقہ ایک عظیم الشان براعظم ہے جو یورپ سے تین گنا اور ہندوستان سے چار گنا بڑا ہے اس کی صورت مثلث کی سی ہے۔ یہ خط استوا کے دونوں طرف برابر پھیلا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے نصف حصہ میں جب گرمی پڑتی ہے تو نصف حصہ میں سردی۔ اس ملک میں خشک ریگستان بھی ہے اور خطرناک جنگلات بھی ہیں۔ گنجان جنگلوں میں ہاتھی بندر، لنگور، شیر، چیتے اور گوریلا جانور جو انسانوں سے مشابہت رکھتے ہیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دریاؤں میں دریائی گھوڑے بھی ہوتے ہیں۔

سرور نہایت شکیل اور قابل دیدار نوجوان تھے۔ ان کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عقد کی تاریخ ایک ہی دو دن میں مقرر ہونے والی تھی۔ لیکن انہوں نے اس بات کا مطلق خیال نہ کیا۔ فوراً کہا میں بڑی خوشی سے اس خدمت کو انجام دینے کے لیے تیار ہوں، اور یہ بھی اجازت چاہتا ہوں کہ افریقہ کی جنگ میں بھی شریک رہوں۔

حضرت عثمان۔ میری طرف سے اجازت ہے، لو تم یہ مراسلہ لو اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے عبداللہ بن سعد کے پاس پہنچا دو۔

سرور نے مراسلہ لے کر کہا۔ میں انشاءاللہ کل صبح نماز پڑھتے ہی روانہ ہو جاؤں گا۔

حضرت عثمان۔ اچھا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے اور مدد کرے۔

مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ امیرالمؤمنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی نے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت دی ہے۔ مسلمان اس نوید روح پرور کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ ان میں سے ہزاروں پرجوش مسلمانوں نے چاہا کہ اسی وقت اپنے نام جہاد پر جانے کے لیے پیش کر دیں۔ لیکن چونکہ خلیفہ نے حکم دیا تھا کہ مجاہدین منے کے مقام پر جاکر جمع ہو جائیں اس لیے یہ لوگ خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد دربار خلافت برخاست ہوگیا اور لوگ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔

باب ۲

مکار جاسوس

سرور امیرالمؤمنین کا مراسلہ لے کر روانہ ہوگئے تھے۔ چونکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ مراسلہ عبداللہ بن سعد مصر کے گورنر کے پاس پہنچا دیں۔ اس لیے وہ بڑی تیزی سے منزلیں طے کر رہے تھے۔ انہوں نے حدود عرب کو عبور کر کے مصر میں بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں اسلامی گورنر فسطاط میں رہتے تھے۔

فسطاط کو مسلمانوں نے ہی آباد کیا تھا۔ اس کے آباد کرنے کی ضروریات یا وجہ یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں نے مصر اور اسکندریہ فتح کر لیے تو امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم خلیفۂ دوم نے ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ مصر حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا تھا۔ شہر بسانے کے لیے فاروقی فرمان ان کے نام ہی صادر ہوا، اس فرمان میں یہ ہدایت تھی کہ شہر ایسی جگہ بسایا جائے جہاں سے مدینہ منورہ تک کوئی دریا راستہ میں نہ آئے۔ فاروق اعظم نہیں چاہتے تھے کہ عرب اور اسلامی لشکر کے درمیان کوئی دریا وغیرہ حائل ہو۔

جس وقت حضرت عمرو بن العاص نے اسکندریہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت وہ مع لشکر کے قصر الشمع پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ جگہ اس وقت ایک کف دست میدان تھا۔ جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان واقع ہے۔

جب عمرو بن العاص کا خیمہ اکھاڑا جانے لگا، تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے خیمہ میں کبوتر نے گھونسلا بنایا ہے۔ انھیں مناسب معلوم نہ ہوا کہ پرندہ کو تکلیف دیں جو ان کے خیمہ میں آکر مہمان ہوا تھا۔ آپ نے خیمہ وہیں چھوڑ دیا۔ اور جب اسکندریہ فتح کر کے واپس آئے اور دربار خلافت سے شہر آباد کرنے کا حکم آیا تو انہوں نے شہر بسانے کے لیے وہی جگہ پسند کی جہاں خیمہ چھوڑ گئے تھے چنانچہ شہر آباد کرنا شروع کیا۔ مکانات اور مسجدیں تعمیر ہوتے لگیں۔ سڑکیں بننے لگیں اور

ہر علم و فن کے آدمی آآ کر آباد ہونے لگے۔

حضرت فاروق اعظم نے حکم دیا تھا، کہ مکان یک منزلہ بنائے جائیں۔ سڑکیں ساٹھ ساٹھ فٹ چوڑی اور گلیاں گیارہ گیارہ فٹ چوڑی سے کم نہ ہوں۔ شہر کے بیچ میں ایک جامع مسجد بنائی جائے۔ چنانچہ ان کے احکام کی تعمیل حرف بحرف کی گئی تھی۔ مسجد سو فٹ چوڑی اور ڈیڑھ سو فٹ لمبی بنائی گئی۔ تینوں طرف عالیشان دروازے بنائے گئے تھے۔ مورخ قضاعی نے لکھا ہے کہ اسّی صحابہ نے مل کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی تھی۔ یہ مشہور شہر سنہ ۲۱ھ میں آباد کیا گیا تھا۔ مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شہر نہایت وسیع ہو گیا تھا۔ اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس میں آٹھ ہزار سڑکیں، گیارہ سو ستر حمام اور چھتیس بڑی مسجدیں بن گئی تھیں۔ چونکہ یہ شہر اس جگہ آباد کیا گیا تھا جہاں خیمہ رہ گیا تھا۔ اور عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اس لیے اس مشہور شہر کا نام بھی فسطاط ہی پڑ گیا۔

شہر فسطاط ہی میں اسلامی گورنر رہتا تھا۔ سرور فسطاط ہی کی طرف سفر کر رہے تھے۔ ایک روز انہیں چار عیسائی ملے، جو گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ عیسائی سرور کو دیکھ کر ان کے پاس آئے۔ اور پوچھا "کیا تم مدینے سے آ رہے ہو؟"

سرور نے جواب دیا "ہاں"

عیسائی۔ "اور تم قاصد ہو"

اس زمانہ میں مسلمان مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولتے تھے انہوں نے کہا۔ "ہاں میں قاصد ہوں"

عیسائی "شاید خلیفہ سوم نے افریقہ پر لشکر کشی کی اجازت دے دی ہے"

سرور۔ "مجبور ہو کر اجازت دی ہے انہوں نے۔ تم کون لوگ ہو"

عیسائی۔ "ہم عیسائی ہیں اور افریقہ کے رہنے والے ہیں"

سرور "غالباً تم جاسوس ہو"

عیسائی یہ سن کر گھبرا گئے۔ اگرچہ سرور تنہا تھے اور عیسائی چار تھے۔ لیکن مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری تھی کہ ایک ایک کو دس دس غیر مسلم دیکھ کر خائف ہو جاتے تھے۔

عیسائی نے کہا "نہیں ہم جاسوس نہیں ہیں"

سرور "اور کون ہو"

عیسائی "ہم شہزادی ہیلن کے ساتھ ہیں"

سرور "ہیلن کون ہے"

عیسائی "افریقہ کے عیسائی بادشاہ جرجیر کی حسین بیٹی ہے۔ عربی برادر آج دنیا میں ہیلن جیسی خوبصورت لڑکی کوئی نہیں ہے۔ جو اسے ایک نظر دیکھ لیتا ہے۔ وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس قدر حسین ہونے پر بہادر بھی ہے۔ اور ایسی بہادر کہ بڑے بڑے دلیر آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے"

سرور حیرت و استعجاب سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا "میں یہ بات تو ضرور مان لوں گا کہ شہزادی ہیلن نہایت خوبصورت ہے لیکن اس بات کو نہیں مان سکتا کہ اس قدر بہادر ہے کہ شجاع مرد اس کا مقابلہ کرتے گھبراتے ہیں"

عیسائی "لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ اگر آپ اس پیکر حسن و جمال کو دیکھنا چاہتے ہیں جس کی خوبصورتی کی شہرت تمام عیسائی دنیا میں ہے اور جس گل اندام سے شادی کرنے کے لیے بیسیوں شہزادے بیتاب ہیں اور جسے اپنے حسن کے ساتھ بہادری پر بھی ناز ہے تو ہمارے ساتھ چلیے۔ اس بہادر نازنین کو دیکھیے۔ آپ خود ہی ان باتوں کے قائل ہو جائیں"

سرور "لیکن شہزادی آج کل ہے کہاں"

عیسائی "اسے مصر کے عجائبات دیکھنے کا شوق ہے۔ اتفاق سے وہ آج کل مصر آئی ہوئی ہے۔ ولوک پولیس میں ٹھہری ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے صدیوں پہلے یہ شہر مصر کا دار السلطنت تھا اس کا نام قدیم مصری زبان میں افطیت تھا۔ افطیت کے معنی سر کے ہیں۔ گویا یہ شہر دوسرے تمام مصری شہروں کا سرتاج تھا۔ مگر قبطی اسے طابہ یا طیبہ کہتے تھے جسے بگاڑ کر یونانیوں نے تھیبس بنا لیا تھا۔ مگر مصری اسے ولوس پولیس کہتے تھے جس کے معنی ہیں "دیوتاؤں کا شہر"۔ اس کا ایک اور نام ہا آمن بھی تھا جس کے معنی ہیں خداوند ہامان کا گھر"

سرور۔ "لیکن کیا اسے یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اس کے باپ جرجیر نے مسلمانوں کو اعلان جنگ

؎ یہ شہر بحرہ روم سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب دریائے نیل کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ سنہ ۲۸ھ میں ایرانیوں نے اس خوبصورت شہر پر حملہ کر کے اسے برباد کر ڈالا تھا۔ دیکھو تاریخ ایران۔

دے دیا ہے اور مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ ایسے وقت میں اس کا مصر میں آنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا نہیں ہے؟"

عیسائی: "میں نے کہا نہیں آپ سے کہ وہ نہایت نڈر اور بڑی دلیر لڑکی ہے۔ اسے کسی سے بھی خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

سرور: "جب تو میں اسے ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عیسائی: "اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو ہمارے ساتھ چلیے" سرور کچھ سوچنے لگے۔ عیسائی نے کہا: "آپ تذبذب نہ کریں۔ شہزادی کے ساتھ اس وقت پندرہ بیس سوار ہی ہیں۔ کچھ زیادہ لاؤ لشکر نہیں ہے۔ وہ خفیہ طریقہ پر محض سیاحت اور آثار الصنادید کو دیکھنے کے لیے آئی ہیں۔"

سرور: "میں یہ خیال نہیں کر رہا ہوں کہ شہزادی کے ساتھ لشکر ہو گا بلکہ یہ سوچ رہا تھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو۔"

"دھوکا!" چاروں عیسائیوں کی زبان سے نکلا اور انہوں نے حیرت و خوف بھری نظروں سے سرور کو دیکھا۔ سرور نے اطمینان کے لہجہ میں کہا: "ہاں دھوکا! سنو میں اس دیوس پولیس کے تمام کھنڈرات دیکھ چکا ہوں۔ اسی مشہور شہر میں وہ فرعون رہتا تھا۔ جس نے انا ربکم الاعلیٰ یعنی میں سب سے بڑا رب ہوں" کا دعویٰ کر کے اہل مصر کو اپنے بت یا مجسمہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس نے مصری قبطیوں پر انتہائی سفاکیاں کی تھیں۔ جس نے جنگی قیدیوں اور مظلوم قبطیوں سے پہاڑ تر شوا کر عظیم الشان عمارتیں اور اہرام مصری جو آج دنیا میں مشہور ہیں۔ تعمیر کرائے تھے۔ جو قبطیوں کے لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتا کر اپنے ملک کے تمام جادوگروں کو اکٹھا کر کے ان سے مقابلہ کیا اور جسے خدائے جبار و قہار نے دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا۔ میں نے وہ مقبرے بھی دیکھے ہیں۔ جن میں فراعنہ مصر سیتی۔ مینفتاح۔ تھوتمیس چہارم ملکہ ماتیسو کی لاشیں ممی کی ہوئی رکھی ہیں۔ میں نے وہ ہال بھی دیکھا ہے۔ جسے ایوان ذات العماد (ستونوں والا کمرہ) کہتے ہیں۔ جس میں بادشاہ مصر کا بت اس طرح کھڑا ہے۔ جیسے وہ دیوتا کی پوجا کر رہا ہے۔ اس مشہور شہر کے کھنڈرات اور زمین دوز مقبروں میں سوائے بتوں کے اور کیا ہے؟"

ایک عیسائی نے کہا: "مگر آپ نے دیکھا کہ کس قدر بڑے قوی ہیکل اور ہیبت ناک بت ہیں۔ خدا جانے انہیں کس نے اور کس طرح بنایا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔"

سرور: "مشرکوں اور بت پرستوں نے اپنی بت تراشی کی صنعت کو ان پر ختم کر دیا ہے۔ لیکن مواحد اور خدا پرست ان بتوں اور ان کے بنانے والوں سے بیزار ہیں۔"

عیسائی: "لیکن شہزادی ہیلن کو ان صنادید سے بڑی دلچسپی ہے اور وہ اس وقت بھی جب کہ ان کے باپ جرجیر نے مسلمانوں کو اعلان جنگ دے دیا ہے، اسلامی ممالک میں انہیں دیکھنے آئی ہے۔"

سرور: "تم غلط کہہ رہے ہو۔ شہزادی ہیلن ایسی بیوقوف نہیں ہو سکتی، کہ مصر میں آ جاتی۔ نہ جرجیر ہی ایسا احمق تھا کہ اسے یہاں بھیج دیتا۔ تم مجھے فریب دے کر گرفتار کرنا چاہتے ہو۔ چالاک بدمعاشو! تلواریں نکالو، تمہاری موت تمہارے سروں پر منڈلانے لگی ہے۔" یہ کہتے ہی انہوں نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ عیسائی ان کی تلوار کی برق پاش چمک دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ مگر فوراً ہی انہوں نے اپنی حیرت دور کی۔ اور ان میں سے ایک سوار گھوڑا دوڑا کر تیزی سے بھاگ نکلا۔ اور تین عیسائیوں نے اپنی تلواریں کھینچ کر سرور پر حملہ کر دیا۔ سرور نے بہت جلدی سے ڈھال سامنے کر کے ان کے وار روکے، اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر خود بھی حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے ہی انہوں نے ایک عیسائی کا سر اڑا دیا۔ باقی دو عیسائیوں نے ان پر یورش کی اور بڑے جوش سے حملہ آور ہوئے۔

تو سرور نے بھی تجربہ کاروں کی طرح ان کا یہ دوسرا حملہ بھی روکا اور جلدی سے وار کر کے ایک اور عیسائی کو قتل کر ڈالا، اب صرف ایک عیسائی باقی رہ گیا۔ وہ گھبرا گیا، اس نے جلدی سے تلوار پھینک دی اور "امان امان" چلانے لگا۔

سرور نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کے تمام ہتھیار اپنے قبضہ میں کر کے پوچھا: "سچ بتاؤ کیا تم جاسوس ہو؟"

عیسائی نے کہا: "ہاں ہم جاسوس ہیں۔"

سرور: "تم یہاں کس لیے آئے تھے؟"

عیسائی: "مسلمانوں کی تیاریاں دیکھنے اور خبریں معلوم کرنے۔"

سرور: "مگر تم مجھے دھوکا دے کر شہر دیوس پولیس کے کھنڈرات میں کیوں لے جانا چاہتے تھے؟"

عیسائی: "ہمیں معلوم ہوا تھا کہ مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے دربار خلافت سے افریقہ پر

لشکر کشی کی اجازت طلب کر لی ہے۔ ہم اس قاصد کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھے جو اذنِ جنگ لے کر آئے"

سرور "اس سے تمہارا کیا مطلب تھا"

عیسائی "ہمارے بادشاہ جرجیر کا حکم تھا کہ قاصد کو یا تو قتل کر ڈالا جائے یا گرفتار کر کے افریقہ پہنچا دیا جائے۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ دربارِ خلافت کا جواب اسلامی گورنر کے پاس نہ پہنچے۔ اور مسلمان جواب کے انتظار میں مصر ہی میں مقیم رہیں۔ اس عرصہ میں عیسائی تیاریاں کر کے مصر پر حملہ کر دیں"

سرور "تو جرجیر مصر پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے"

عیسائی "اگر آپ میری جان بخشی کریں تو میں کل حالات بتا دوں گا"

سرور "مجھے جان بخشی کا اختیار نہیں ہے تم میرے ساتھ فسطاط چلو۔ تمہیں امیر سفر امان دے سکتے ہیں"

مسلمان اپنے گورنروں اور فوجی سپہ سالاروں کو امیر کہا کرتے تھے۔ عیسائی نے کہا "چلیے تو مجھے امیر ہی کی خدمت میں لے چلیے"

سرور "چلو"

چنانچہ سرور اس عیسائی جاسوس کو ساتھ لے کر فسطاط کی طرف روانہ ہو گئے۔

والیٔ مصر

سرور عیسائی جاسوس کو ساتھ لے کر فسطاط کی جانب چل پڑے تھے چونکہ انہیں افریقی کی زبانی یہ بات معلوم ہو چکی تھی۔ کہ عیسائی بادشاہ مسلمانوں پر جلد سے جلد حملہ کرنے کی فکر میں ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمان غافل رہیں اور وہ اچانک مصر پر حملہ کر دے۔ اس لیے انہوں نے تیزی سے چلنا اور عجلت سے منزلیں طے کرنا شروع کر دی تھیں۔

آخر مراحل طے کرنے کے بعد وہ فسطاط میں داخل ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عیسائی جاسوس نے اس اسلامی شہر کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ شہر کے یک منزلہ مکان، کشادہ سڑکیں اور اونچی اونچی مساجد دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ عیسائی بستیوں میں کئی کئی منزلوں کے مکان ہوتے تھے۔ سڑکیں تنگ اور آبادی گنجان ہوتی تھی۔

اس جاسوس کا خیال تھا کہ مسلمان گورنر بھی اسی شان و شوکت سے رہتا ہو گا۔ کہ جس کر و فر سے عیسائی گورنر یا باجگزار حکمران رہتے تھے۔ ان کا عالی شان قصر ہو گا۔ قصر پر پہرہ لگا ہو گا۔ پہرہ داروں کے ذریعہ سے اطلاع کرائی ہو گی۔

لیکن جب سرور اُسے ایک معمولی مکان پر لے کر پہنچے جو نہ عالی شان تھا۔ نہ اس میں ڈیوڑھی تھی۔ نہ دروازہ پر کوئی پہرہ دار تھا، تو اُسے نہایت حیرت ہوئی۔ اس نے رفعِ استعجاب کے لیے دریافت کیا۔ کیا تمہارے گورنر کا یہی مکان ہے"

سرور نے جواب دیا "ہاں"

جاسوس "کوئی پہرہ دار نہیں رہتا؟"

سرور "نہیں، ہمارے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم کا یہی

حکم ہے کہ کسی گورنر یا افسر کے نہ عالی شان محلات ہوں، اور نہ مکانوں پر پہرہ ہو۔ تاکہ فریاد رسول کو ان کے پاس پہنچنے میں دقت نہ ہو۔ ہر شخص ہر وقت ان سے مل سکے۔ یہ ہی دستور فاروقِ اعظم حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے زمانہ میں تھا۔

جاسوس "تم لوگوں کی سادہ معاشرت قابلِ رشک ہے"

اب سرور نے گورنرِ اسلام کے مکان پر کھڑے ہو کر اس طرح آواز دی جیسے کوئی عام آدمی بلاتا ہے۔ انہوں نے کہا "یا امیر"۔

فوراً ہی عبداللہ بن سعد جو مصر کے گورنر تھے، مکان سے باہر آئے اور آتے ہی سرور سے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا۔

سرور نے سلام کا جواب دیا۔ عبداللہ نے دریافت کیا "کیا تم مدینہ منورہ سے آرہے ہو"

سرور نے جواب دیا "ہاں"۔

عبداللہ "ایک ذرا توقف کرو"

وہ فوراً اندر گئے۔ اور ایک کمبل لاکر مکان کے سامنے چبوترے پر بچھا دیا۔ اور سرور اور عیسائی کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

عیسائی یہ سمجھا، کہ شاید وہ اسلامی گورنر کے کوئی غلام ہیں۔ وہ اور سرور دونوں بیٹھ گئے۔ ان کے پاس ہی عبداللہ بھی بیٹھ گئے۔ ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ ان کا غلام آگیا۔ حضرت عبداللہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "یا مولا (اے غلام) اعلان کر آؤ، کہ لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں۔ غلام یہ سن کر چلا گیا۔ اب عبداللہ نے دریافت کیا یہ عیسائی کون ہے؟ سرور نے جواب دیا "یہ افریقہ کے بادشاہ جرجیر کا ایک جاسوس ہے"

عبداللہ "تم نے اسے کہاں گرفتار کیا"

سرور نے وہ تمام واقعہ کہہ سنایا۔ جو ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔ عبداللہ نے افسوس کرتے ہوئے کہا "افسوس ہے کہ عیسائی جاسوس مصر میں گئے اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی یقیناً جرجیر ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے"

سرور "ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"

اب عیسائی نے سمجھ لیا کہ جس ہستی کو وہ غلام سمجھے ہوئے تھا۔ وہ ہی اسلامی گورنر تھے۔ وہ انہیں سادہ لباس میں معمولی آدمیوں کی طرح کام کرتے دیکھ کر نہایت حیران ہوا۔

سچ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں جہاں اور خصوصیتیں تھیں وہاں یہ بات بھی تھی کہ وہ عام آدمیوں کی طرح نہایت سادگی سے رہتے تھے اور کسی کام کو خود کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔ جب سے مسلمانوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی تکلف اختیار کیا۔ شان سے رہنے لگے۔ اسی وقت سے ان میں کاہلی اور عیش پرستی کی خو بو پیدا ہو گئی اور جوہر شجاعت جاتا رہا۔ جفاکشی مفقود ہو گئی۔ اور دنیا طلبی نے انہیں مذہب سے دور جا پھینکا۔

آج بھی جب مسلمانوں کی اقتصادی حالت انتہائی پستی کو پہنچ گئی ہے۔ افلاس و فلاکت نے ان کا کچومر نکال دیا ہے۔ وہ شاہانہ ٹھاٹ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ گھر میں چاہے چوہے قلابازیاں کھا رہے ہوں۔ اپنے اور بچوں کے لیے کھانے کو ایک دانہ نہ ہو۔ لیکن محنت مزدوری کرنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ قرض لے لے کر اچھے اچھے کپڑے بناتے ہیں اور جب قرض ادا نہیں ہوتا، تو قرض خواہ کی سختیاں، ذلت اور شرمناک دھمکیاں برداشت کرتے ہیں۔ آخر میں دیوانی کے جیل خانہ میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کی غیبت سے ان کے بچے بھوک سے بلک بلک کر مر جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اور وہ سادہ معاشرت اختیار نہیں کرتے جو ان کی قوم کا طرۂ امتیاز تھا کاش! مسلمان تکلف کی منحوس عادت کو چھوڑ کر سادگی اختیار کر لیں۔ جیسے موٹے کپڑے خلفائے راشدین اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے خود بھی پہننے لگیں اور جیسے وہ جفاکش تھے، ایسے خود بھی ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو تو ان کی بہت سی تکالیف دور ہو جائیں۔

غرض عیسائی جاسوس مسلمان گورنر کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اب مسلمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ معززین شہر جوق در جوق آ آ کر سلام کر کے بیٹھتے جاتے تھے۔ جتنے مسلمان بھی آئے۔ نہایت سادہ مگر سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ مسلمان آ آ کر نہایت خاموشی سے بیٹھتے جاتے تھے۔ جب قریب قریب وہ سب لوگ آگئے۔ جنہیں بلانا مقصود تھا تو عبداللہ نے عیسائی جاسوس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"عیسائی برادر تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے ایک مسلمان پر اس لیے حملہ کیا، کہ تم اُسے

مار ڈالو یا گرفتار کر کے افریقہ لے جاؤ۔ تمہارے اس جرم کی سزا نہایت سنگین ہے۔ لیکن میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ بشرطیکہ تم میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دو گے۔"

جاسوس نے کہا، "جو بات مجھے معلوم ہو گی حضور کو ضرور بتا دوں گا۔"

عبداللہ "دیکھو! حضور، عالیجاہ، ذرہ نواز اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ خوشامدانہ ہیں۔ ہم مسلمان نہ ان الفاظ کو بولتے ہیں۔ نہ اچھا سمجھتے ہیں۔ نہ چاہتے ہیں کہ خوددار انسان انہیں استعمال کرے اس لیے کہ وہ شخص ان الفاظ کو بولتا ہے۔ اس کا جذبۂ خودداری اور اس کے ضمیر کی آواز دونوں معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس کا دل کمزور ہو جاتا ہے اور وہ ملک فروشی کرنے لگتا ہے۔ ایسے الفاظ میرے سامنے نہ بولو۔"

جاسوس "بہت اچھا۔"

عبداللہ "کیا تمہارا بادشاہ جرجیر مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے؟"

جاسوس "جی ہاں۔ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر بھی فراہم کر لیا ہے۔"

عبداللہ "اور افریقہ کے تمام باجگزار بھی اس کے ساتھ ہیں۔"

جاسوس "جی ہاں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جرجیر کی ایک بیٹی ہے۔ نہایت خوبرو اور بڑی حسین ہے۔ اس کا نام شہزادی ہیلن ہے۔ قریب قریب تمام شہزادے اور حکمران اس پر مفتوں ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہ ہی چاہتا ہے کہ بادشاہ کے مقربوں میں داخل ہو کر اس کو خوش کر کے شہزادی ہیلن سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جائے۔"

عبداللہ "عجب بات ہے یہ۔ گویا شہزادی بہت زیادہ خوبصورت ہے۔"

جاسوس "وہ چاند کا ٹکڑا ہے، آسمان کی پری ہے، جنت کی حور ہے، حسن کی ملکہ ہے، قدرت نے اسے اس قدر دلکش چہرہ عطا فرمایا ہے کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ حسن و جمال کے ساتھ ساتھ وہ بہادر بھی ہے۔ وہ جب میدان جنگ میں اترتی ہے تو اچھے اچھے بہادروں کے حوصلے پست کر دیتی ہے۔"

عبداللہ "شاید جرجیر کو اپنی پری جمال، بہادر بیٹی پر ناز ہے۔"

جاسوس "بہت بڑا ناز، ہیلن جس شخص کو جو حکم دیتی ہے۔ فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔"

عبداللہ "افریقہ کے سرحدی باجگزاروں نے بھی لڑائی کی تیاریاں مکمل کر لی ہوں گی؟"

جاسوس "ہر قلعہ دار نے قلعہ کو مضبوط کر لیا ہے۔ فوجیں بڑھالی ہیں اور کیل کانٹے سے لیس ہو گیا ہے تجویز یہ ہے کہ جب جرجیر کی فوجیں مصر کی طرف بڑھیں۔ اس طرف کے تمام قلعہ دار اس کے ساتھ ہو کر حملہ آور ہوں۔"

عبداللہ "میں خوش ہوا کہ تم نے مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ اس صلہ میں تمہیں امن دیا جاتا ہے لیکن چند روز تک تم ہمارے مہمان رہو گے۔ تمہاری تواضع تمہاری شان کے مطابق کی جائے گی۔"

جاسوس کو سوائے مان لینے کے چارہ ہی کیا تھا اس نے اسی بات کو غنیمت سمجھا، کہ اس کی جاں بخشی کر دی گئی۔ ورنہ جاسوسوں کو ہر ملک میں سزائے موت دی جاتی تھی۔ اس نے کہا "مجھے بخوشی منظور ہے۔"

عبداللہ نے اسے ایک اعرابی کے سپرد کر دیا اور وہ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ اب اسلامی گورنر نے کہا آپ سب اصحاب نے سن لیا کہ افریقہ کے بادشاہ جرجیر کے کیا ارادے ہیں۔"

سب نے کہا "جی ہاں سن لیا۔"

عبداللہ نے سرور سے مخاطب ہو کر کہا، "اب آپ فرمائیے کہ دربار خلافت سے کیا حکم صادر ہوا ہے۔"

سرور نے کہا "امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم نے افریقہ پر لشکر کشی کی اجازت دے دی ہے۔"

یہ بات سن کر تمام مسلمان خوش ہو گئے اور انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

سرور نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، "دارالخلافہ سے عنقریب عظیم الشان لشکر آپ کی مدد کے لیے روانہ ہونے والا ہے۔ امیرالمومنین کا منشا یہ ہے کہ افریقہ کو تسخیر کر کے افریقیوں کے حملے کے اندیشہ کو مٹا دیا جائے۔"

عبداللہ، "انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔ مسلمانوں امدادی لشکر آنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس لشکر کے آنے سے پہلے ہی افریقہ پر چڑھائی کر دی جائے۔"

سب نے کہا، "ہم بھی یہ ہی چاہتے ہیں۔"

عبداللہ، "اچھا تو تیاری کرو۔ انشاءاللہ کل صبح کی نماز پڑھ کر طنجہ اور طرابلس کی طرف کوچ

کیا جائے گا۔

چونکہ گورنر کے اس حکم سے ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ اجلاس برخاست کرنا چاہتے ہیں اس لیے سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

تمام فسطاط میں یہ خبر مشہور ہوگئی۔ مجاہدوں نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی افریقہ کی طرف کوچ کر دیا۔

حورش ہیلن کی سواری

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سرور کو چار عیسائی ملے تھے اور وہ چاروں افریقہ کے عیسائی بادشاہ جرجیر کے جاسوس تھے۔ سرور کو ان پر شبہ ہوگیا۔ انہوں نے ان کے دو آدمی مار ڈالے ایک گرفتار کر لیا۔ اور ایک بھاگ گیا۔ یہ چوتھا شخص بھاگ کر برقہ پہنچا اور وہاں سے طرابلس اور طنجہ کی درمیانی سڑک کو عبور کر کے شہر سبیطلہ کی طرف چل پڑا۔ اس زمانہ میں افریقہ کا دارالسلطنت شہر سبیطلہ ہی تھا۔ جرجیر کا جو افریقہ کا شہنشاہ تھا اور اسی شہر میں رہتا تھا۔ یہ جاسوس شب و روز مسافت طے کر کے پایہ تخت میں داخل ہوا۔

شہر سبیطلہ نہایت وسیع اور عظیم الشان قلعہ تھا۔ اس کی فصیل نہایت بلند اور بڑی مضبوط تھی چاروں طرف عالیشان دروازے تھے۔ یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ اس شہر یا قلعہ کو نہ کوئی فتح کر سکا ہے۔ نہ فتح کر سکتا ہے۔ اس شہر کے لوگ نہایت مرفح حال تھے۔ تجارت اور زراعت نے انہیں دولت مند بنا رکھا تھا۔ جو لوگ غریب کہلاتے تھے وہ بھی رئیسانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔

جاسوس نے شہر میں داخل ہو کر قصر شاہی کی طرف بڑھنا شروع کیا جس راستہ پر وہ چل رہا تھا وہ کشادہ تھا۔ اس کے دونوں طرف شہر کے امراء کے مکانات تھے۔

آج اس راستہ کے دونوں طرف عوام کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ بالا خانوں پر بچے اور عورتیں کثرت سے چڑھے ہوئے تھے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ اژدھام کس وجہ سے ہے تو اسے بتایا گیا کہ آج شہزادی ہیلن شکار سے واپس آ رہی ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے مشتاقانِ دید کا ہجوم ہو رہا ہے۔

اگرچہ یہ جاسوس اسی شہر کا رہنے والا تھا لیکن اس نے آج تک بھی شہزادی ہیلن کو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ اس کے حسن و جمال کی شہرت سن کر اسے دیکھنے کی اس کے دل میں آرزو مدت

سے تھی۔

وہ خوش ہو گیا کہ آج اس کی تمنا بر آئے گی اور وہ اس ماہ پیکر کو دیکھ سکے گا۔ جس کے جمال جہاں آرا کا غلغلہ ساری عیسائی دنیا میں ہے۔ تمام لوگ اچھے اچھے کپڑے پہن کر اس کی زیارت کرنے آئے تھے خصوصاً عورتیں بیش قیمت ریشمیں لباس اور چاندی، سونے اور جواہرات کے زیورات پہن کر آئی تھیں ان میں سینکڑوں اس قدر حسین اور آہو چشم تھیں کہ ان کی منور صورتیں چاند کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اور ان مہ پاروں کو لوگ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ جاسوس بھی ان نوخیز پری جمالوں کو دیکھتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ کچھ دور چل کر فوجی سواروں کے دستے دو رویہ کھڑے ہوئے ملے۔ ان فوجی سواروں نے راستہ روک کر کھا اور کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس جاسوس کو بھی روک دیا اور وہ بھی وہیں ایک طرف کھڑا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں باجوں کی دلکش آوازیں آنے لگیں۔ ساتھ ہی نعرہ ہائے مسرت بلند ہونے لگے۔ ہتھیلیاں بجنے لگیں۔ سب سمجھ گئے کہ ملکہ حسن کی سواری آ رہی ہے۔

چونکہ شہزادی ہیلن شکار کھیل کر واپس آ رہی تھی۔ اس لیے جس طرف سے جاسوس آیا تھا۔ اس طرف سے اس کا جلوس آ رہا تھا۔ جاسوس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس سے بہت فاصلہ پر باجہ والے گھوڑوں پر سوار باجہ بجاتے آ رہے تھے۔ ان باجہ والوں کی وردیاں نیلگوں تھیں۔ جن کے حاشیوں پر کشیدہ کاری ہو رہی تھی۔ نہایت سامعہ نواز لے میں باجہ بجا رہے تھے۔ جاسوس اور اس کے قریب کھڑے ہوئے تمام لوگ سنبھل کر غور سے باجہ والوں کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے باجہ والے بالکل ان کے سامنے آ گئے۔ جاسوس نے دیکھا ان کی وردیاں نہایت فرق البھڑک تھیں اور وہ باجہ نہایت سُریلے انداز میں بجا رہے تھے۔ تماشائی باجہ کی روح پرور آواز سے مسحور ہو رہے تھے۔ جب باجے والے آگے بڑھ گئے تو شہزادی کے رسالۂ خاص کے دستے آنے اور بڑھنے لگے۔ ان سواروں کی وردیاں سرخ رنگ کی تھیں۔ نہایت بڑھیا کپڑے کی اور ان کے حاشیوں پر سونے کے باریک تاروں کے بیل بوٹے نکلے ہوئے تھے۔

تمام سوار وردیوں کے نیچے زرہ بکتر پہنے اور پانچوں ہتھیار لگائے ڈھالیں پشت پر لٹکائے بڑی شان سے آ رہے تھے۔

جاسوس نے دیکھا کہ ان سواروں سے بہت دور فاصلہ پر بالا خانوں کے اوپر سے پھول

برسائے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ناز آفریں شہزادی پر پھولوں کی بارش کی جا رہی ہے۔

اس عرصہ میں رسالۂ خاص کے سوار آگے بڑھ گئے۔ اور اب ایک حسین عورتوں کا رسالہ آگے بڑھنے لگا۔ یہ تمام عورتیں جوان العمر اور شکیل تھیں۔ ان کی وردیاں چست اور فاختی رنگ کی تھیں۔ جن کے کناروں پر روپہلی لیس ٹکی ہوئی تھی۔ ان کے پرتلوں پر تلواریں پڑی تھیں۔ پشت پر ڈھالیں اور ڈھالوں پر ترکش تھے شانوں پر کمانیں تھیں اور چھوٹے چھوٹے نیزے ہاتھوں میں لیے حسن و شباب کی نمائش کرتی آ رہی تھیں۔ لوگ انہیں تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جاسوس بھی حریصانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

جب یہ رسالہ بھی آگے بڑھ گیا۔ تب ایک اور رسالہ آیا۔ اس رسالہ میں پہلے سے کم عمر والی حسین لڑکیاں تھیں۔ ان کا لباس دھانی رنگ کا تھا اور اس پر روپہلی لیس ٹکی ہوئی تھی۔ یہ لڑکیاں بھی ہتھیار لگائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے بائیں ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں اور کمانیں سنبھالی ہوئی تھیں اور داہنے ہاتھوں میں ایک ایک تیر لیے ہوئے تھیں۔ اس وقت آفتاب اس قدر اونچا ہو گیا تھا کہ اس کی ترچھی شعاعیں سیدھی ہو کر پڑنے لگی تھیں۔ سفید شعاعوں نے ان زہرہ جبینوں کے چہروں کو جگمگا رکھا تھا۔ اور وہ حسین لڑکیاں کچھ تو اپنے حسن کے زعم میں اور کچھ شہرہ آفاق شہزادی کی کنیزیں خاص ہونے کے فخر سے سینے ابھارے تنتی چلی آ رہی تھیں۔ لوگ انہیں بھی گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔

یہ رسالہ بھی بڑھ گیا اور اس کے بعد ایک اور رسالہ آیا۔ یہ رسالہ بھی ناز آفریں لڑکیوں ہی کا تھا۔ اس رسالہ کی ہر لڑکی مستِ شباب تھی۔ خوبصورت تھی۔ ان لڑکیوں کا لباس سفید ریشم کا تھا جس کے کناروں پر سنہری لیس لگی ہوئی تھی۔ ان کے سروں پر سیاہ رومال پڑے تھے۔ ان رومالوں پر سنہرا کام ہو رہا تھا ان کی منور صورتیں بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھیں۔ جیسے سیاہ بالوں کے حلقہ میں چودھویں رات کا چاند۔

ان لڑکیوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ جن پر زرد رنگ کے پھریرے تھے۔ اور جنہیں وہ بیرقوں کی طرح اٹھائے ہوئے تھیں۔ اب شور قریب تر سنائی دینے لگا تھا جس سے جاسوس نے سمجھ لیا کہ شہزادی ہیلن کی سواری بالکل ہی قریب آ گئی ہے۔

چونکہ وہ حسن کے اس منور چاند کو دیکھنے کی آرزو ایک عرصہ سے رکھتا تھا۔ اس لیے ہمہ تن متوجہ ہو کر پیچھے کی طرف دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ اب بھی پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سفید لباس والی پری زاد لڑکیاں بھی آگے بڑھ گئیں اور اب ایک اور

کمسن مہ جمال لڑکیوں کا رسالہ آیا۔ ان لڑکیوں کا لباس کیلئی رنگ کا تھا جس کے نہ صرف حاشیوں بلکہ ساری آستینوں اور تمام سینہ پر سنہرا کام ہو رہا تھا جو اس قدر جگمگا رہا تھا کہ ان کی طرف دیکھنے والوں کی طرف دیکھنے والوں کی نظریں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ یہ تمام لڑکیاں نہایت درجہ حسین تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام افریقیہ میں سے خوبصورت خوبصورت لڑکیاں منتخب کر کے بھرتی کی گئی تھیں۔ وہ اپنے نازک ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی تلواریں لیے بڑی شان سے بڑھی چلی آ رہی تھیں۔ ان مہ جمالوں کو دیکھ کر دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

چونکہ یہ لڑکیاں کم عمر تھیں۔ اس لیے سب شوخ اور چنچل تھیں۔ ان کے گداز جسم پارہ کی طرح متحرک تھے۔ رشک غزال چپی آنکھیں تیروں کی طرح باڑھیں مار رہی تھیں مگر انہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ان کے بڑھتے ہوئے حسن کی دولت کیا ستم رانی کر رہی ہے۔

ان مہ جمالوں کے بڑھتے ہی شہزادی کی سواری قریب آ گئی۔ اور وہ سب لوگ جو وہاں موجود تھے ہمہ تن نظر بن کر ہزار ہزار نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جاسوس نے بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کر دیا۔ شہزادی ایک پالکی نما گاڑی پر سوار تھی۔ جس میں سولہ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گاڑی خالص چاندی کی تھی۔ اس کے صرف پہیے لوہے کے تھے۔ نہایت خوبصورت تھی۔ گاڑی کے گھوڑوں پر نوخیز اور شیریں ادا کمسن لڑکیاں سوار تھیں جو بہترین لباس اور بیش قیمت زیورات پہنے تھیں۔ ان کی صورت و شان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ امیروں یا وزیروں کی ماہوش لڑکیاں ہیں۔ وہ اس قدر خوب صورت تھیں۔ کہ ان کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں ان کے آتشیں رخساروں میں بجلیاں بھر رہی تھیں اور ان کی آنکھیں دیکھنے والوں پر جادو کر رہی تھیں۔

شہزادی نے زرنگار لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا لباس اور جواہرات کے زیورات جگ مگ جگمگ کر رہے تھے۔ نہ لباس پر نگاہ ٹھہرتی تھی اور نہ زیورات پر۔

اس کی گاڑی ان پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔ جنہیں عورتوں، بچوں اور منچلے نوجوانوں نے اس پر برسائے تھے۔ گاڑی کے اوپر تمازت آفتاب سے بچنے کے لیے زربفت کا سائبان تھا۔ شہزادی کے خوبصورت سر پہ نیم دائرہ کا تاج تھا۔ لیکن اس وقت وہ دبیز نقاب اپنے چہرۂ انور پہ ڈالے ہوئے تھی۔ اس لیے مشتاقانِ دید کی آرزو پوری نہ ہوئی۔ جاسوس کی ہوس دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ اسے

اپنی بدقسمتی پر بڑا افسوس ہوا۔

شہزادی کی گاڑی بڑھتی چلی گئی۔ اس کے بعد ایک اور رسالہ پری جمال لڑکیوں کا آیا۔ اور اس رسالہ کے بعد مردوں کا ایک آہن پوش رسالہ آ کر بڑھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں شہزادی کی سواری کا جلوس اس راستہ سے گزر گیا۔ چنانچہ فوجی پہرہ ہٹا دیا گیا۔ آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اور جاسوس شاہی ایوان کی طرف روانہ ہو گیا۔

باب ۳

افریقہ کا شہنشاہ

شہزادی ہیلن سے شہر سبیطلہ کے زن و مرد ہی نہیں بچے تک محبت رکھتے تھے۔ اور نہ صرف اس شہر ہی کے بلکہ تمام افریقہ کے لوگ اس سے غائبانہ محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب تو روش شہزادی کہیں جاتی یا واپس آتی تو اس کا جلوس اس طرح نکلتا جس طرح آج نکلا تھا۔ اور اس پر پھولوں کی بارش اس طرح ہوتی جس طرح آج ہوئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ شہزادی ہیلن تھی۔ نیک طینت وہ جس قدر حسین تھی۔ اس قدر بھولی بھی تھی اور اس قدر حسن ظن رکھتی تھی کہ ابوالہوسوں کی گرم نگاہوں کو ان کی خوش عقیدگی پر محمول کرتی تھی۔ وہ اپنے حسن کی محشر خرامیوں سے بالکل بھی آگاہ نہ تھی۔ یہ ہی سمجھتی تھی کہ جیسی اور لڑکیاں ہیں ایسی ہی وہ بھی ہے۔ اسے بالکل بھی علم نہ تھا کہ اس کا حسن، اس کی بھولی صورت، اس کی مست اور رسیلی آنکھیں اس کی لمبی لمبی پلکیں دیکھنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں۔

لیکن جب وہ کبھی کہیں جاتی تھی، یا کہیں سے واپس آتی تھی۔ تو اپنے روئے منور پر نقاب نہیں ڈالا کرتی تھی۔ مگر آج نہ معلوم کیوں اس نے رخ انور پر نقاب ڈال لیا تھا۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں لوالہوس تشنۂ دیدہ رہ کر مایوس ہوئے تھے۔ ان مایوسان نظارہ میں وہ جاسوس بھی تھا۔ وہ اپنی بدبختی کو کوستا ہوا چلا۔ اور شاہی قصر پر جا کر ٹھٹھکا۔ پہرہ داروں نے اس سے دریافت کیا کہ "وہ کون ہے اور کیوں آیا ہے"۔ جب اس نے بتایا کہ وہ جاسوس ہے اور مصر سے آ رہا ہے۔ شہنشاہ جرجیر کی خدمت میں باریاب ہونا چاہتا ہے۔ تو فوراً اس کی اطلاع افریقہ کے شہنشاہ کو کرائی گئی۔

بادشاہ نے اسے اپنے کمرہ خاص میں طلب کر لیا۔ جب جاسوس زنان خانہ میں داخل ہو کر

لونڈیوں کی رہبری میں کمرۂ خاص میں پہنچا تو اس کی سجاوٹ اور زیبائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کمرہ عروس نو کی طرح خوب سجا ہوا تھا۔ بس سمجھ لیجیے کہ ایک عیسائی فرماں بردار کا کمرہ تھا۔ اس کی آرائش میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا تھا۔

دبیز رومی قالینوں کا فرش تھا۔ دیواروں پر دیبائے روم منڈھا ہوا تھا۔ دروازوں پر ریشمی پردے پڑے تھے۔ چھت گیری اطلس نما کپڑے کی تھی۔ متعدد جھاڑ، فانوس لٹک رہے تھے۔ کئی آبنوس کی کرسیاں تھیں، جن میں ہاتھی دانت سے پچی کاری کی گئی تھی۔ تین چار کوچیں تھیں۔ جو کسی دھات کی تھیں۔ ان پر چاندی ملمع کاری تھی۔ کرسیوں اور کوچوں پر ریشمی گدے تھے۔ گل دانوں میں گلدستے تھے۔ اور خوشبودار پھولوں کی مہین بو تمام کمرہ میں بسی ہوئی تھی۔

جرجیر ایک کوچ پر بیٹھا تھا۔ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ داڑھی اور سر کے بال کھچڑی ہو رہے تھے رنگ سرخ و سفید تھا۔ اور قویٰ ابھی مضبوط تھے۔ اگرچہ جوانی رخصت ہو رہی تھی اور ضعیفی اپنی جھلک دکھانے لگی تھی لیکن وہ ابھی تک اپنے آپ کو جوان ہی نہیں بلکہ نوجوان سمجھتا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک میز پر شراب ارغوانی کے کنٹر رکھے تھے۔ اور کئی مہ جمال نوخیز لڑکیاں ادائے دلربایانہ کے ساتھ میز کے دوسری طرف کھڑی تھیں۔ ایک مہ وش چاندی کے پیالہ میں شراب الٹ رہی تھی۔ جاسوس نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی سجدہ میں گر کر بادشاہ کو سلام کیا۔

اس عرصہ میں نوخیز حسینہ نے جام شراب لبریز کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے جاسوس کی طرف دیکھ کر کہا "اٹھو میرے وفادار خادم"۔ جاسوس اٹھ کھڑا ہوا۔ جرجیر نے شراب اپنے حلق میں انڈیل کر خالی پیالہ حسین لڑکی کی طرف بڑھا کر ریشمی رومال سے اپنا منہ صاف کیا اور کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم مصر سے آ رہے ہو"۔

جاسوس نے ادب سے جھک کر جواب دیا "غریب پرور میں مصر سے ہی آ رہا ہوں"۔

جرجیر "تمہارے اور ساتھی کہاں ہیں"؟

جاسوس "میں نہیں جانتا۔ غالباً وہ مار ڈالے گئے"۔

"مار ڈالے گئے"؟ جرجیر نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ اور گھور کر جاسوس کو دیکھا۔ رعب شاہی سے جاسوس کا دم خشک ہو گیا۔ اس نے لرزاں لہجہ میں کہا "عالی جاہ! میرا یہ ہی خیال ہے"۔

جرجیر "کیا وہ تم سے علیحدہ ہو گئے تھے"۔

جاسوس "نہیں ذرہ نواز۔ ہم چاروں ساتھ تھے۔ ساتھ ہی رہے لیکن ...."

جرجیر "مسلمانوں نے تمہیں شناخت کر لیا"۔

جاسوس "یہ بھی نہیں ہوا حضور۔ ہم مدت تک مصر ہی رہے مسلمانوں سے ملے۔ کوئی بھی ہمیں شناخت نہ کر سکا"۔

جرجیر "عجیب آدمی ہو تم۔ جب کسی نے تمہیں شناخت بھی نہیں کیا تم علیحدہ بھی نہیں ہوئے اور کہتے ہو شاید تین آدمی مار ڈالے گئے۔ اس سے تمہارا مطلب کیا ہے"۔

جاسوس "وہی تو عرض کر رہا ہوں میں حضور"۔

جرجیر "تم کچھ بھی نہیں عرض کر رہے ہو۔ تمہاری گفتگو سے الجھن پیدا ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں جو واقعہ پیش آیا ہو، جلدی سے کہہ ڈالو"۔

جاسوس "اور میں اس واقعہ ہی کو عرض کر رہا ہوں"۔

جرجیر "تو جلدی کہہ چکو"۔

جاسوس "سرکار کو یاد ہوگا کہ ہم چاروں جاسوسوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہم مسلمانوں کی بابت معلوم کریں کہ ان کو ہماری یورش کی اطلاع تو نہیں ہو گئی اور اگر ہو گئی ہے۔ تو ان کے کیا ارادے ہیں انہوں نے اپنے خلیفہ کو تو اس سے مطلع نہیں کیا۔

جرجیر "ہاں ہاں ہمیں سب باتیں یاد ہیں"۔

جاسوس "جہاں پناہ جب ہم مصر میں داخل ہوئے تو ہمیں فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کو یہ اطلاع ہو چکی ہے کہ شہنشاہِ افریقہ مصر پر حملہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دینے والے ہیں"۔

جرجیر نے متعجب ہو کر کہا "مگر یہ بات تو صیغہ راز میں تھی کس طرح معلوم ہو گئی"۔

جاسوس "یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ حضور قیاس یہ ہے کہ شاید سرحدی عیسائیوں نے جوشِ مسرت سے بے خود ہو کر اس راز کو ظاہر کر دیا"۔

جرجیر "یہ خیال ٹھیک ہو سکتا ہے۔ میں نے مقدس باپ تھیوڈوس سے کہا تھا کہ وہ ابھی سرحدی قلعہ داروں کو اطلاع نہ دیں۔ کہ میرا ارادہ مصر پر لشکر کشی کرنے کا ہے۔ لیکن

انہوں نے نہ مانا۔ اور انہیں اطلاع بھیجدی۔ یقیناً ان میں ہی کسی سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ کہ اس نے جوش و خروش میں آکر اس راز کو طشت از بام کر دیا"۔

تھیوڈوس شہر سبیطلہ کے بڑے پادری یعنی اسقف اعظم کا نام تھا۔ اس کی دینداری کی بڑی شہرت تھی۔ عام عیسائیوں کے علاوہ شاہی خاندان اور خود شہنشاہ اس کی بڑی عزت کرتا اور اس کی ہر بات مانتا تھا۔

جاسوس "میں نے بھی یہی قیاس کیا ہے حضور"۔

جرجیر "تمہارا قیاس غلط نہیں تھا۔ اچھا تو مسلمانوں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں"۔

جاسوس "نہایت زور و شور سے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ مصر کے اسلامی گورنر نے اپنے خلیفہ کو بھی اطلاع دے دی ہے۔ جو قاصد حجاز سے آیا تھا۔ اتفاق سے وہ ہمیں راستہ ہی میں مل گیا تھا۔ ہم نے اس سے تمام باتیں معلوم کر لیں۔ ہم نے یہ کوشش کی کہ اس قاصد کو موقعہ پا کر مار ڈالیں۔ لیکن حضور مسلمان شاید جادوگر ہوتے ہیں۔ اس نے ہمارا ارادہ بھانپ لیا اور خود ہی یہ کہہ کر کہ تم جاسوس ہو، ہم پر حملہ کر دیا۔ اتفاق سے میرا گھوڑا بھاگ نکلا اور میں بچ گیا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے تینوں ساتھیوں کو مار ڈالا ہوگا"۔ جرجیر کے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے کہا۔

"تف ہے تم پر، کہ تم چار ہو کر ایک مسلمان کو زیر نہ کر سکے"۔

جاسوس "عالی جاہ! ایک مسلمان سو عیسائیوں کے قابو میں بھی نہیں آتا ہے۔ چار کی اس کے سامنے کیا حقیقت تھی"۔

جرجیر "تم بزدل ہو، اچھا تو تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ مسلمان خود افریقہ پر حملہ کرنے والے ہیں"؟

جاسوس "جی ہاں"۔

جرجیر "میں اس کا موقعہ ہی نہ آنے دوں گا۔ کل ہی دربار کر کے لشکر مصر کی طرف روانہ کر دوں گا۔ اچھا اب تم جاؤ"۔ جاسوس سلام کر کے چلا گیا۔ جرجیر نے اسی وقت دوسرے روز دربار کرنے کے احکام صادر کیے۔ اور مے نوشی مشغول ہو گیا۔

اسقفِ اعظم

جرجیر چونکہ باعظمت وشان بادشاہ تھا موجودہ براعظم افریقہ کا شمالی حصہ جو برقہ، طرابلس اور اسکندریہ کے درمیان تھا۔ اور جانب جنوب صحرائے اعظم تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کے زیرنگین تھا اس لیے اس کی عیسائی دنیا میں شہرت وعزت تھی۔

کافی وسیع ملک اس کے قلمرو تھا۔ ملک کے زرخیز حصہ سے مالگزاری اور دوسرے ٹیکسوں کے نام سے سالانہ اس قدر دولت فراہم ہو جاتی تھی کہ باوجود بڑی بے دردی سے خرچ کرنے کے بھی اس کا کچھ نہ کچھ حصہ بچ رہتا تھا۔ چونکہ جرجیر کا خزانہ خالی نہ تھا بلکہ لبریز تھا۔ اور فوج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ اس لیے اس نے دولت ولشکر کے زعم پر یہ ارادہ کر لیا تھا کہ مصر کو مسلمانوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لے۔ تاکہ ایک اور زرخیز ملک کا اس کی سلطنت میں اضافہ ہو جائے اور وہ اپنی طاقت بڑھا کر ملک شام سے مسلمانوں کو بے دخل کر دے۔

ملک شام اور مصر مسلمانوں نے عیسائی فرماں رواؤں کو شکست دے کر فتح کیے تھے۔ جرجیر ان مفتوحہ ممالک کو واپس لینے کی فکر میں تھا۔ اس لیے اس نے خفیہ طور پر تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اور سرحد مصر کے قلعہ داروں کو کہلا بھیجا تھا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں تاکہ مصر پر لشکر کشی کے وقت ساتھ رہ سکیں۔

جرجیر کو اس لشکر کشی کی جرأت دو وجوہات سے ہوئی تھی۔ ایک تو یہ کہ مصر کو عمرو بن العاص نے فتح کیا تھا اور وہی اس ملک کے گورنر مقرر ہوئے تھے لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی نے انہیں معزول کر کے حضرت عبداللہ بن سعد کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔ جرجیر نے خیال کیا تھا کہ عبداللہ اس قدر مدبر اور بہادر نہیں ہیں۔ جس قدر عمرو بن العاص تھے۔

حضرت عبداللہ بن سعد حضرت عثمان غنی کے رضاعی بھائی تھے۔ نہایت نیک، دیندار اور پرہیزگار تھے۔ اگرچہ وہ بھی بڑے بہادر، شہ سوار اور جنگجو تھے لیکن حلم ومروت ان میں زیادہ

ٹ انگریزی اور دوسرے مسیحی مورخوں نے اس بادشاہ کا نام گریگری لکھا ہے لیکن تمام عربی مورخ اس کا نام جرجیر لکھتے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ عربی میں گ نہیں ہے۔ اس لیے عرب مورخوں نے جرجیر لکھا ہے۔

تھی۔ اس لیے نرم طبیعت تھے۔ ان کی نرمی کو عیسائیوں نے اس بات پر محمول کیا کہ وہ زیادہ بہادر نہیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ دنیا بھر میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم کے تدبر وسیاست دانی کی شہرت تھی۔ دنیا جہان کے بادشاہ آپ کے رعب سے ڈرتے اور تھراتے تھے۔ آپ ہی کے زمانہ میں ہرقل اعظم جو عیسائی شہنشاہ تھا اور جس کی حکومت یورپ والیشیا میں تھی۔ ملک شام سے شکست کھا کر فرار ہوا تھا۔ مجاہدین اسلام نے تخت قیصری کو الٹ دیا تھا۔ اس کا دارالسلطنت انطاکیہ فتح کر لیا تھا۔ اور مصر اور آرمینیا سے بھی عیسائیوں کو نکال دیا تھا۔ اور عراق عرب، ایران اور عراقِ عجم فتح کر کے ایران کے بادشاہ کو شکست دے دی تھی۔ اور ہزار ہا سالہ ساسانی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں بھی دو سلطنتیں عظیم المرتبت اور باشان وشکوہ تھیں اور ان دونوں ہی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

مگر حضرت عمر فاروق کی وفات ہو گئی تھی اور حضرت عثمان غنی خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی حد درجہ رحم دل اور نرم طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ وہ خون ریزی کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے۔ حالت مجبوری میں لشکر کشی کی اجازت دیتے ہیں۔ ان دونوں باتوں سے جرجیر نے یہ سمجھا کہ وہ مصر اور شام مسلمانوں سے ضرور چھین لے گا۔ اور اس کی سلطنت قیصر وکسریٰ سے بھی زیادہ وسیع اور مضبوط ومستحکم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اور وہ فتح ونصرت کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

اس نے نہایت شاندار طریقہ سے دربار منعقد کیا۔ جس میں تمام اراکین سلطنت، مشیران حکومت اور شہر کے معززین آئے۔ درباری ہال ان لوگوں سے بھر گیا۔ جرجیر نے کہا، افریقی جاں بازو! تمہیں معلوم ہے کہ میں اس فکر میں ہوں کہ ممالک مصر وشام فتح کر کے اپنی حکومت وسیع کر لوں۔ یہ دونوں ملک عیسائیوں کے تھے جنہیں وحشی مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ نہایت آسانی سے ان ممالک کو فتح کر لوں گا۔ اس لیے کہ جس اسلامی جرنیل نے مصر فتح کیا تھا وہ بہادر اور مدبر تھا۔ مگر اب وہ معزول ہو گیا ہے۔ اور اس کی جگہ ایک معمولی گورنر آیا ہے۔ جو افریقیوں کی لشکر کشی کا حال سن کر گھبرایا جا رہا ہے۔ میرے وفادارو اگر تم نے ذرا بھی جوش وجرأت سے کام لیا

تو مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے انہیں عیسائی ممالک سے نکال دو گے۔ جس وقت دنیا کو یہ معلوم ہو گا کہ تم نے وحشی مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیا ہے۔ تو تمہاری شہرت و عظمت کے جھنڈے گڑ جائیں گے۔ عیسائی دنیا تمہاری شکر گزار ہو گی۔ میں اس بات کا مشورہ کرنا تو مناسب نہیں سمجھتا کہ مصر پر لشکر کشی مناسب ہے یا نہیں۔ کیوں کہ میں یہ طے کر چکا ہوں کہ یورش ضرور کروں گا۔ البتہ حملہ کس طرح کیا جائے۔ یہ بات آپ کو طے کرنی چاہیے۔

جر جیر خاموش ہو گیا۔ بادشاہ کے تخت کے قریب ایک کرسی پر ایک ضعیف العمر شخص بیٹھا بیٹھا تھا۔ اس کی داڑھی ناف تک لمبی تھی۔ وہ ایک سفید فرغل یا عبا پہنے تھا جو ٹخنوں تک لمبی تھی۔ سیاہ ڈورے سے کمر باندھے تھا۔ اور اس ڈور میں ہزار دانہ کی تسبیح اڑس رکھی تھی سینے پر سرخ رنگ کے کپڑے کی صلیب ٹکی ہوئی تھی۔ سر پر اونچی اونی ٹوپی اوڑھے تھا۔ اور ایک آبنوسی صلیب جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے ہاتھ میں لیے تھا

یہ ہی شہر سبیطلہ کا اسقف اعظم تھا۔ اسی کا نام تھیوڈوس تھا، وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مسیحی جانبازو! مجھے بڑا ہی رنج و قلق ہے کہ ممالک شام اور مصر سے عیسائی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور وحشی ولا مذہب عرب جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ قابض و متصرف ہو گئے۔ ہم عیسائیوں کے لیے یہ بات بڑے ہی شرم کی ہے کہ ہمارے بھائیوں پر مسلمان حکومت کر رہے ہیں گویا عیسائی مسلمانوں کے غلام بن گئے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان جب اور جس گرجا میں چاہتے ہیں گھس جاتے ہیں۔ گویا گرجا بھی پناہ گاہ نہیں رہے۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے اس سے ہر سچے عیسائی کو بڑی اذیت پہنچی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا شکر و احسان ہے کہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ افریقہ جر جیر کو ان باتوں کا خیال آیا اور آپ نے شام و مصر فتح کرنے کا عزم مصمم کر لیا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ لوگ بھی اپنے دلوں میں وہی جوش و جذبہ پیدا کریں جو آپ

ے پہلی صدی ہجری اور اس سے پہلے عیسائیوں میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص خواہ اس نے کیسا ہی جرم کیا ہو کسی گرجے میں جا چھپتا تو وہ امن میں چلا جاتا تھا۔ کسی بڑے سے بڑے فرماں روا کی بھی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اسے گرجے میں سے نکال سکے۔

کے ہر دل عزیز بادشاہ کے میں ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ مسلمان نہ صرف شام و مصر سے ہی بے دخل کر دیے جائیں۔ بلکہ ان کے دارالسلطنت مدینہ منورہ پر حملہ کر کے انہیں بالکل پیس ڈالا جائے اور ان میں اتنی سکت بھی نہ باقی چھوڑی جائے کہ وہ مدت دراز تک بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور عورتوں کو کنیزیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے بتاؤ۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟

ہر طرف سے آوازیں آئیں "تیار ہیں"

تھیوڈوس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں تم عیسائی ہو۔ بہادری تمہاری گھٹی میں پڑی ہے۔ شام و مصر کے عیسائیوں کی طرح تم بزدل نہیں ہو۔ جنہوں نے مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا کر انہیں اپنے وطن پر قابض کرا دیا۔ عیسائیت کو اسلام سے بڑا خطرہ ہے، جوں جوں اسلام پھیلتا جائے گا عیسائیت سمٹتی اور مٹتی جائے گی۔ اس خطرہ کو ہمیشہ کے لیے دور کرنا چاہتے ہو۔ تو حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لے کر سینہ سپر ہو جاؤ اور یہ تہیہ کر لو کہ مسلمانوں کو فنا کر کے اسلام کا نام و نشان مٹا دو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خدا، خدا کا بیٹا اور روح القدس تم سے خوش ہو جائیں گے"

اب ایک درباری کھڑا ہوا اور اس نے کہا "ہمارے لیے یہ بات بڑے فخر و مسرت کی ہے کہ ہمارے شہنشاہ نے وحشی مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہم پورے جوش اور پوری طاقت سے لڑیں گے۔ مسلمان جو اپنے آپ کو بہادر کہتے ہیں۔ ہم سے مقابلہ کر کے ہماری دلیری کے قائل ہو جائیں گے ہم نے بھی یہ ہی قصد کر لیا ہے کہ مصر و شام سے مسلمانوں کو نکال کر عرب پر حملہ کریں گے اور جب تک انہیں مٹا نہ دیں گے لڑائی سے واپس نہ ہوں گے"

جر جیر یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا "شاباش! میرے شیرو! شاباش! تمہارے دلوں میں یہ ہی جوش و جذبہ ہونا چاہیے"

ایک دوسرا درباری اٹھا۔ اس نے کہا "آپ برقہ کے سرحدی قلعہ داروں کو لکھ دیں کہ وہ بھی تیار ہو جائیں اور فوراً لشکر لے کر مصر کی طرف بڑھیں۔ یقین ہے کہ ہم بلا کسی شدید جنگ کے مصر فتح کر لیں گے"

جر جیر "مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو ہمارے ارادوں کی خبر ہو گئی ہے اور مصر کے گورنر

نے اپنے خلیفہ سے افریقہ پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی ہے۔"

تیسرا مصاحب، "کرنے دیجیے۔ ہم یہ ہی چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی پوری طاقت سے ہمارے مقابلہ پر آئیں۔ ہم ان سے ڈرنے والے نہیں۔"

تھیوڈوس، "بلاوجہ بزدل عیسائیوں نے مسلمانوں کو ہوا بنا رکھا ہے۔ ورنہ وہ بھی ہماری طرح انسان ہی ہیں اگر تم نے ذرا بھی جرأت سے کام لیا تو وہ یقیناً شکست کھا کر فرار ہو جائیں گے۔"

دوسرا مصاحب، "ہمارا بھی یہ ہی خیال ہے۔ ہماری دلیری کا امتحان میدانِ جنگ میں ہو جائے گا۔"

جرجیر، "بس تو آپ بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں عنقریب کوچ کے احکام صادر کروں گا۔"

تھیوڈوس، "مجھے ایک بات آپ سے کہنی ہے۔"

جرجیر، "فرمائیے۔"

تھیوڈوس، "میں چاہتا ہوں کہ آپ شہزادی ہیلن کو بھی لشکر کے ساتھ لے چلیں۔"

جرجیر، "مگر وہ نازک مزاج زیادہ ہے..... "

تھیوڈوس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، "میں جانتا ہوں۔ شہزادی جس قدر نازک مزاج سمجھی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ دلیر اور بہادر ہیں۔ ان کا میدانِ جنگ میں موجود ہونا۔ اس لیے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ ان کی موجودگی میں عیسائی کٹ کٹ کر مر جائیں گے۔ لیکن شکست کھا کر بھاگنے کی ذلت گوارا نہ کریں گے۔"

ایک درباری نے کہا، "مقدس باپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔"

تھیوڈوس، "میں صاف ہی کیوں نہ کہوں شہزادی ہیلن اس قدر خوب صورت اور ماہرو ہے۔ کہ ہر نوجوان خواہ کسی طبقہ سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ ان کی نگاہ کرم کا امیدوار رہتا ہے۔ ان کی موجودگی سے ہر عیسائی بڑی جانبازی سے لڑے گا؟"

دوسرا درباری، "یہ ہی بات ہے جب سپاہیوں کو معلوم ہو گا کہ حور طلعت شہزادی بھی لشکر کے ہمراہ ہے۔ تو ہر سپاہی کا جوش چہار چند بڑھ جائے گا اور شہزادی کو اپنی جانبازی اور بہادری کا یقین دلانے کے لیے اس شدت سے جنگ کرے گا کہ مسلمانوں

کا مقابلہ میں کھڑا ہونا بھی دشوار ہو جائے گا۔"

تھیوڈوس، "اس خیال سے میں نے یہ تجویز پیش کی ہے گویا میدانِ جنگ میں شہزادی کی موجودگی فتح کی ضامن ہو گی۔"

جرجیر، "جب تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ میری پری زاد بیٹی ضرور میرے ساتھ چلے گی۔"

تھیوڈوس، "تب سمجھ لیجیے کہ فتح یقیناً آپ کی ہو گی۔"

جرجیر، "حضرت مسیح ہی ایسا کریں۔ اچھا آپ آج ہی سے تیاری شروع کر دیں۔ میں جلد تر یورش کرنا چاہتا ہوں۔"

سب نے کہا، "ہم بہت جلد تیار ہو جائیں گے۔"

اب دربار برخاست ہو گیا۔ شہنشاہ اٹھ کر چلا گیا۔ اور درباری بھی غول غول روانہ ہونے لگے۔

باب ۴

سپہ سالار کا بیٹا

دربار برخاست ہوتے ہی تھیوڈوس گرجے کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ وہ شاہی گرجے کا اسقفِ اعظم تھا۔ اس لیے عوام الناس اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جس طرف سے وہ گزرتا تھا۔ لوگ اس کے سامنے جھکتے، اس کے دامنوں کو بوسہ دیتے اور اس کے ہاتھوں کو چومتے چلے جاتے تھے خصوصاً ماہ پیکر عورتیں اس کے دامنوں کو چومتیں۔ اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کے سامنے دوزانو ہو جاتیں۔

جس کسی شخص کی طرف وہ اپنا ہاتھ اٹھا دیتا وہ اپنی خوش بختی پر نازاں ہو جاتا۔ اور سمجھتا کہ اس کی قسمت کا دروازہ کھل گیا ہے۔ حضرت مسیح اور خود خدا اس سے خوش ہو گئے۔

جس عورت کو وہ کہہ دیتا تھا کہ "تیری گود بھری رہے گی" وہ سمجھ لیتی کہ اس کے اولاد ضرور ہوگی۔ اور وہ اولاد زندہ رہے گی۔ خواہ وہ عورت بانجھ ہی کیوں نہ ہوتی۔

غرض ہر طبقہ کے عیسائی مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس سے بڑی عقیدت تھی۔ خود بادشاہ جرجیر بھی اس کی عظمت و دینداری کا قائل تھا۔ اکثر سیاسی امورات میں وہ اس سے مشورہ لیا کرتا تھا اور اسی کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔

تھیوڈوس درباری ہال سے نکل کر شاہی گرجا کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اپنا تقدس جتانے کے لیے نیچی نظریں کر کے چلتا تھا۔ جس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسے دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے کوئی رغبت و انسیت نہیں ہے۔ چونکہ لوگوں کو معلوم تھا کہ تھیوڈوس دربار میں گیا ہے اور وہاں سے واپس اسی راستہ سے گزرے گا۔ اس لیے کہ معتقدین کا انبوہ کثیر راستہ کے دونوں طرف آ لگا تھا۔ جوں ہی ان لوگوں نے دیکھا کہ تھیوڈوس آ رہا ہے وہ اس کی طرف جھپٹے اور

اس کے دامنوں اور ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔

تھیوڈوس نے لوگوں کی طرف نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، وہ برابر سر جھکائے نظریں نیچی کیے چلتا رہا یہاں تک کہ شاہی گرجا کے عالی شان دروازہ پر جا پہنچا، اب وہ سیڑھیوں پر چڑھا اور سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑا ہو کر مجمع کی طرف گھوما۔

لوگ نہایت خاموشی سے سیڑھیوں سے نیچے کھڑے ہو گئے۔ تھیوڈوس نے کہا "میرے بچو! بادشاہ نے طے کر دیا ہے کہ ممالک شام و مصر پر حملہ کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا جائے تم سب دعا کرو کہ خداوند خداوند (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بادشاہ کی مدد کریں اور فتح عطا فرمائیں۔ یہ بات بڑی خوشی کی ہے کہ ماہ پیکر رشک قمر، حور طلعت شہزادی ہیلن بھی لشکر کے ساتھ جائے گی۔ جاؤ، میرے بچو اب آرام کرو۔"

لوگوں نے "عیسائیوں کی فتح" "شہزادی ہیلن کی عمر دراز، شاہ جرجیر زندہ باد" کے پُرشور نعرے لگائے اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔

تھیوڈوس گرجا کے اندر داخل ہوا۔ یہ گرجا کئی فرلانگ کے احاطہ میں تھا۔ دروازہ سے گھستے ہی ایک نہایت فرحت بخش باغیچہ تھا جس میں تالابوں کی تختہ بندی نہایت سلیقہ سے کی گئی تھی۔ باغیچہ کے دوسری طرف عالی شان گرجا تھا۔ اور دونوں طرف اِدھر اُدھر متعدد کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں میں اذیت کش پادری رہتے تھے اور گرجا کے پشت کی طرف جو کمرے تھے۔ ان میں سے ایک میں تھیوڈوس رہتا تھا۔ باقی میں اس کے خدمت گزار رہا کرتے تھے۔ تھیوڈوس باغیچہ عبور کر کے گرجا کے برابر سے ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا وہاں اسے ایک نوجوان بیٹھا ملا۔ تھیوڈوس کے گرجا میں داخل ہوتے ہی نوجوان اٹھا اور بڑھ کر اس کے سامنے دوزانو ہو کر اس کے جبہ کے دامن کو بوسہ دیا۔ تھیوڈوس نے کہا "سلوانوس! تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

اس نوجوان کا نام سلوانوس تھا۔ یہ افریقہ کے شہنشاہ جرجیر کے سپہ سالار (جرنیل) مارقوس کا بیٹا تھا۔ اس نے کہا "مقدس باپ آپ کے انتظار میں بیٹھا تھا" تھیوڈوس بڑھ کر قالینوں پر جا بیٹھا۔ اس نے کہا۔

"آؤ بیٹھو سلوانوس۔"

سلوانوس اس کے قریب آ گیا۔ اس نے اپنی عبا میں سے ایک تھیلی نکال کر پیش کرتے

ہوئے کہا، "یہ نذرانۂ عقیدت قبول فرمائیے۔"

تھیوڈوس نے تھیلی کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا، "اس میں کیا ہے؟"

سلوانوس، "کچھ زرِ سرخ ہیں۔"

عیسائی اشرفیوں کو زرِ سرخ کہا کرتے تھے۔ تھیوڈوس نے کہا، "کیوں؟"

سلوانوس، "میرا فرض ہے کہ میں حضور کی خدمت کرتا رہوں۔" یہ سن کر تھیوڈوس کی تیوریاں چڑھ گئیں اس نے کہا، "میری خدمت .... گویا میں حریص زر ہوں۔"

سلوانوس گھبرا گیا۔ اس نے نہایت عاجزی سے کہا، "اس سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں یہ حقیر تحفہ آپ کو دے رہا ہوں۔ میں اور میں ہی کیا ہر عیسائی جانتا ہے کہ آپ کو دولتِ دنیا سے نفرت ہے آپ کو سیم و زر کی کیا حاجت۔ یہ نذرانہ تو ان محتاجوں کے لیے ہے۔ جن کی آپ پرورش کرتے ہیں۔"

تھیوڈوس خوش ہو گیا۔ اس نے کہا، "جب تو ٹھیک ہے۔ اچھا تم یہ تھیلی اس کے سامنے والی الماری میں رکھ دو۔ میں اپنے غلام کو بتا دوں کہ انہیں ضرورت مندوں پر خرچ کر دے گا۔ تمہیں اس کا بڑا ثواب ملے گا۔ بیٹا! جو لوگ میرے ذریعہ سے خیرات کرتے ہیں۔ انہیں ثوابِ عظیم ملتا ہے۔"

سلوانوس، "اس لیے جب میں خیرات کرنا چاہتا ہوں تو حضور ہی کی خدمت میں لا کر پیش کر دیتا ہوں۔"

تھیوڈوس، "میں ایسے لوگوں کو بہت پسند کرتا ہوں۔"

اب سلوانوس اٹھا اور اشرفیوں کی تھیلی اس الماری میں رکھ آیا۔ جس کی طرف اسقفِ اعظم نے اشارہ کیا تھا۔

جب وہ آ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تب تھیوڈوس نے دریافت کیا آپ اس وقت اپنے آنے کی غرض و غایت بھی بیان کر دو۔

سلوانوس نے مجسم عجز و نیاز ہو کر کہا، "مقدس باپ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں کس کرب و اذیت میں مبتلا ہوں۔"

تھیوڈوس نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "کیا تمہارے دل سے ابھی تک بھی حورش ہیلن کا خیال نہیں نکلا؟"

سلوانوس، "نہ نکلا ہے اور نہ نکل سکتا ہے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اسے بھول جاؤں مگر نہ بھول سکا۔"

تھیوڈوس، "اگر تم ماہ پارہ لڑکیوں کو جمع کر کے ان سے دل بہلاتے تو ممکن تھا کہ اس عربدہ جو کو بھول جاتے۔"

سلوانوس، "میں نے کئی پری جمال لڑکیوں کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ رہا۔ دن اور رات انہیں اپنے پاس رکھا۔ مگر مقدس باپ! شہزادی ہیلن کی یاد دل سے نہ گئی۔"

تھیوڈوس، "لیکن تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ شہزادی ہیلن سے تمہاری شادی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ وہ ایک اعلیٰ قدر شہزادی ہے۔ اور تم ایک عام عیسائی ہو۔"

ہم سنہ ۲۶ء کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائی بادشاہوں کو اس قدر خاندانی فخر اور نسلی امتیاز تھا کہ شاہزادوں اور شہزادیوں کی شادی سوائے شاہی خاندان کے دوسری جگہ نہ کرتے تھے آج بھی عیسائی بادشاہوں میں یہ بات موجود ہے۔ سب سے زیادہ واقعہ پرنس آف ویلز یا شہنشاہ برطانیہ ونڈسر کا ہے۔ جو ایک عام عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ملوکیت نے کسی طرح اس کی اجازت نہ دی۔ اور آخر انہیں تخت و تاج سے دستبردار ہو کر اپنی پسند کی عورت سے شادی کرنی پڑی۔

اس کے مقابلہ میں اسلام اور مسلمانوں میں کوئی نسلی امتیاز اور خاندانی فخر و اعزاز کا سوال نہیں ہے کیوں کہ دنیا بھر کے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ بھائی کو بھائی کے یہاں شادی کرنے میں کیا عار۔ چنانچہ فاروق شاہِ مصر نے ایک معمولی جج کی لڑکی سے شادی کی اور کسی کو بھی اعتراض نہ ہوا۔ جو مذہب خاندانی نجابت و شرافت اور نسلی امتیاز کو جائز و روا رکھتا ہے۔ وہ خدائی مذہب نہیں ہو سکتا۔ مذہب تو وہی ہے جو ادنیٰ و اعلیٰ بادشاہ اور فقیر سب کو ایک سمجھنے کی تلقین کرتا ہو۔

سلوانوس نے کہا، "میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ شہزادی ہیلن سے شادی کا خیال حماقت و نادانی ہے مگر دل پر تو میرا اختیار نہیں ہے۔ اس کی محبت میں دن رات جل رہا ہوں آتشِ عشق نے میری رگ رگ میں آگ لگا دی ہے .... مقدس باپ! مجھے اس آگ میں جلنے سے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔"

تھیوڈوس، "مجھے تم پر رحم آتا ہے مگر سوچو تو کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

سلوانوس: بادشاہ پر آپ کا اس قدر اثر و رسوخ ہے کہ وہ آپ کی بات ٹال نہیں سکتے۔ اگر آپ ذرا بھی اس معاملہ میں تحریک کریں تو میری قسمت کا ستارہ چمک سکتا ہے۔"

تھیوڈوس: ناممکن ہے۔ اگر میں ذرا بھی اس معاملہ میں لب کشائی کروں تو شہنشاہ مجھ سے بھی بدظن ہو جائے گا۔

سلوانوس نے ناامیدی لہجہ میں کہا، "تو کیا میں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤں یا خودکشی کر لوں؟"

تھیوڈوس: "میں ابھی اس کا بھی مشورہ نہیں دے سکتا، لیکن ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ عجب نہیں کہ تم اپنی آرزو میں کامیاب ہو جاؤ۔"

سلوانوس کو ڈھارس بندھی۔ اس نے دریافت کیا، "وہ کیا بات ہے؟"

تھیوڈوس: "ابھی میں اسے بیان نہ کروں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ کیا تم جہاد پر جانا پسند کرو گے؟"

سلوانوس: "اگر گوہر مقصود جہاد پر جانے سے حاصل ہو سکے تو ضرور جاؤں گا۔"

تھیوڈوس: اگر تم نے دادِ شجاعت دے کر ناموری حاصل کر لی۔ وہ ناموری جس کو میں چاہتا ہوں تو اطمینان رکھو کہ شہزادی ہیلن تمہاری ہو گی۔"

سلوانوس: "میں اس کے لیے سر کی بازی لگا دوں گا۔"

تھیوڈوس: اور اسی وقت تم ناموری بھی حاصل کر سکو گے۔ سنو بہت ممکن ہے کہ شہزادی ہیلن نیلام پر چڑھا دی جائے۔"

سلوانوس یہ بات سن کر کمال متحیر ہوا۔ اس نے کہا، نیلام پر چڑھا دی جائے۔ کیا شہنشاہ جبر اپنی اکلوتی بیٹی کو سیم و زر کے عوض فروخت کرنا منظور کر لیں گے۔"

تھیوڈوس نے اطمینان کے لہجہ میں کہا "نہیں، وہ دولت کے عوض سے کسی حالت میں فروخت نہ کریں گے۔ مگر جس نیلام کا میں نے ذکر کیا ہے وہ سروں کی قیمت کے عوض ہو گا۔"

سلوانوس: میں سر کی بازی لگا دوں گا۔

تھیوڈوس: تب تو تمہیں کامیابی کی ضرور امید رکھنی چاہیے۔"

سلوانوس: اچھا تو میرے لیے کیا حکم ہے؟"

تھیوڈوس: تم جہاد کی تیاری کرو اور لشکر کے ساتھ چلو۔ شہزادی ہیلن بھی جنگ میں جائے گی۔ اگر تمہاری قسمت

نے یاوری کی تو وہ تمہاری ہو گی۔"

سلوانوس: "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

اب سلوانوس اُٹھا، پادری کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی پادری کی بیوی آئی اور اس نے کہا، "میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ اشرفیوں کے لینے سے انکار نہ کر دیں۔"

تھیوڈوس نے ہنس کر کہا، "مقدس کو قائم رکھنے کے لیے اس قسم کی گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے۔ جاؤ تھیلی کو خزانہ میں جمع کر دو۔" اس کی بیوی گئی، تھیلی نکالی اور اسے اچھالتی اور خوش ہوتی ہوئی چلی گئی۔

بے نفس نوجوان

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی نے اعلان کر دیا تھا کہ افریقہ پر اسلامی لشکر روانہ ہو گا۔ جو لوگ جانا چاہیں وہ منیٰ کے میدان میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ جہاد کے دلدادہ اور شہادت کے تمنائی وہاں جا جا کر جمع ہونے لگے۔ اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں تقریباً بیس ہزار سرفروش مجاہدین جمع ہو گئے۔

اس لشکر میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اور صحابہ کرام کے پرجوش فرزندوں نے افریقہ جانے کا قصد کیا تھا۔ ان میں قابلِ ذکر ہستیاں یہ تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن حضرت عمر فاروقؓ، حضرت حسنؓ بن علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسینؓ بن علیؓ، حضرت ابن جعفر، حضرت عبداللہ بن حضرت عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر۔

ظاہر ہے یہ سب بڑے پایہ کے نوجوان تھے۔ خصوصاً حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، شیرِ خدا حضرت علی کے بیٹے اور خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا کے دلبند تھے۔ جو محض جوشِ جہاد اور شوق دلوں میں لے کر وطن سے دور افریقہ جیسے براعظم میں جانے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔

ان معصوم شہزادوں کی شرکت سے لوگوں میں اور بھی جوش و خروش بڑھ گیا اور بڑی کثرت سے مجاہدین جمع ہو گئے۔ بہت تھوڑے عرصہ میں ۲۰ ہزار مجاہدین کا مجمع ہو گیا۔ ان میں سے اکثر

لوگوں کے ساتھ ان کے اہل وعیال بھی تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں یہ کچھ دستور ہو گیا تھا کہ عیالدار لوگ معہ بیوی بچوں کے جہاد پر جایا کرتے تھے۔

تعجب یہ ہے کہ ہر قوم جب کسی دوسرے ملک اور دوسری قوم پر حملہ آور ہوتی ہے تو اپنے اہل وعیال ساتھ نہیں رکھتی لیکن مسلمان ساتھ رکھتے تھے۔ اور انہیں مطلق بھی اندیشہ نہ ہوتا تھا کہ کہیں ان کے بیوی بچے دشمنوں کے ہاتھوں نہ پڑ جائیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں شکست نہ کھا جائیں اور ان کے اہل وعیال گرفتار نہ کر لیے جائیں ان کا اللہ جل شانہٗ کی قدرت پر کچھ ایسا بھروسہ تھا کہ اس کی اعانت ہر کام میں اپنے شاملِ حال سمجھتے تھے اور فتح کا یقین رکھتے تھے۔

اس لشکر کے ساتھ حبیب بھی معہ اپنے اہل وعیال کے تھے۔ ان کی ایک نوجوان لڑکی سلمیٰ تھی جو نہایت خوب رو، گلعذار اور بہادر تھی۔ اس کی منگنی سرور سے ہو چکی تھی۔ عنقریب ہی شادی ہونے والی تھی کہ افریقہ کی جنگ پیش آ گئی اور سرور قاصد بنا کر پہلے بھیجے گئے۔ اور اب حبیب بھی معہ اپنی پری جمال بیٹی سلمیٰ کے افریقہ کی روانگی پر تیار ہو گئے۔ جب امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا کہ لشکر کی تعداد ۲۰ ہزار تک پہنچ گئی ہے تو انہوں نے حکم بھیجا کہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہی یہ لشکر روانہ کر دیا جائے گا۔ جمعرات کو یہ حکم صادر ہوا۔ مدینہ منورہ کے لوگ مجاہدین کی تواضع کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص حسب حیثیت تحائف لے کر منیٰ کے میدان میں پہنچ گیا۔ اور مجاہدین کی مدارات کرنے لگا۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ جمعہ کی نماز منیٰ کے میدان ہی میں پڑھی جائے گی۔ چنانچہ دوسرے روز صبح ہی سے مدینے کے باشندے اس میدان میں امنڈ آئے تھے، جنگل میں منگل ہو گیا تھا۔ ریتیلے میدان میں دور دور تک انسان پھیل گئے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور بچے بھی، جوان بھی تھے اور بوڑھے بھی، کچھ عورتیں بھی تھیں۔ جو سر سے پاؤں تک چادروں میں لپٹی ہوئیں اپنے عزیزوں کو رخصت کرنے آئی تھیں۔

عرب گرم ملک ہے، ہندوستان کی بہ نسبت وہاں زیادہ گرمی پڑتی ہے۔ اس لیے آفتاب کے طلوع ہونے اور ذرا بلند ہونے پر تمازت بڑھ جاتی ہے۔ اور سفید شعاعیں ریت کے ذرّوں پر پڑ کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتی ہیں۔

چنانچہ چار گھڑی دن چڑھتے ہی دھوپ میں چمک اور گرمی آ گئی۔ لیکن مسلمان ان دونوں چیزوں

کے عادی تھے۔ انہیں ان سے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔ آج کسی قدر ہوا چل رہی تھی۔ اور ہوا کے جھونکے مجاہدین کی عباؤں کے لمبے لمبے دامنوں سے چھیڑ خانی کر رہے تھے۔ دوپہر کو سب نے اسی میدان میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ چونکہ چالیس پچاس ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے کئی میل کی دوری میں پھیل گئے تھے۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی یا تو مجاہدین نظر آتے تھے یا انہیں رخصت کرنے والے۔ یوں تو مرد اور عورتیں سب ہی اس وقت خوش تھے۔ لیکن سب سے زیادہ مسرور بچے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ اور ان بچوں سے ملتے پھر رہے تھے جو اپنے والدین کے ساتھ جہاد پر جا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ تشریف لے آئے۔ آپ کے ساتھ شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابوذر غفاری، عمرو بن العاصؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے۔

حضرت عثمان غنی مجاہدین اور ان کی تواضع کرنے والوں کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوئے۔ چونکہ اب دوپہر ڈھلنے لگی تھی۔ اس لیے کئی آدمیوں نے مل کر اذان دی۔ آذان کی آواز سنتے ہی تمام مسلمانوں نے سارے کام چھوڑ دیئے۔ اور سب نے جلدی جلدی وضو کرنے شروع کیے۔ بچے بھی وضو کرنے لگے۔ اور ایک طرف عورتوں نے بھی جمع ہو کر وضو شروع کیا۔

وضو سے فراغت کر کے سب ایک وسیع میدان میں جمع ہوئے۔ حضرت عثمان غنی اونٹ کے شقدف پر کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھا خطبہ ختم کر کے مصلّے پر آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تکبیر پڑھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی۔ جب نماز ختم ہو گئی تب حضرت عثمانِ غنی نے نوجوان مجاہدوں میں سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ فرزندان علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو اپنے پاس بلایا۔

چونکہ اس لشکر میں بہت سے عبداللہ جمع ہو گئے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ناموں کے بجائے "ابن فلاں" لکھا جائے۔ قارئین کرام ان کی ولدیت سے سمجھ لیں گے کہ کون سے عبداللہ تھے۔ یہ سب لوگ آپ کے پاس جا بیٹھے۔ حضرت طلحہ، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت عمرو بن العاص بھی وہیں آ گئے۔

امیر المومنین نے فرمایا، میرے فرزندو! ابھی تک میں نے اس لشکر کی سرداری پر کسی کو نامزد نہیں کیا ہے۔ میں کسی نوجوان مجاہد کو سردار مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن نوجوانوں میں وہ تمام لوگ جن کی عظمت و

جرأت سے نہ صرف میں بلکہ تمام مدینے والے خوب واقف ہیں۔ مثلاً رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حسن اور حسین ہیں جنہیں یہ شرف ہے کہ وہ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جگر بند اور شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰؓ کے فرزند ہیں۔ شہنشاہ عرب و عجم فاروق اعظم حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ آنحضورؐ کے چچا عباس کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ شیر اسلام حضرت زبیر کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ میں ان ہی میں سے کسی کو افسر مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ابھی تک یہ طے نہیں کر سکا ہوں کہ کسے مقرر کروں۔ ایک بات میں ضرور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ عبداللہ بن زبیر فی الحال رک جائیں۔ میں انہیں دوسرے لشکر کے ساتھ بھیجوں گا اگرچہ میں جانتا ہوں کہ انہیں اس کا افسوس ہوگا۔ لیکن مصلحت یہ ہی ہے۔

امیر المومنین کی مخالفت کرنے کی کسے جرأت تھی۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا، اگرچہ میرا دل اسی لشکر کے ساتھ جانے کو چاہتا ہے۔ لیکن جب امیر المومنین نہیں چاہتے تو میں نہ جاؤں گا۔"

حضرت عثمان غنی: میرے فرزند! میں تمہیں دوسرے لشکر کے ساتھ عنقریب بھیجوں گا۔ اچھا تو اب یہ طے کرنا ہے کہ اس لشکر کا سردار کون ہو؟"

حضرت حسن نے کہا، میرے دل میں افسری اور امارت کا خیال کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ میں ابو تراب کا فرزند ہوں۔ میرے محترم باپ نے کبھی بھی افسر اور امیر بننے کی خواہش نہیں کی۔ میرے دل میں بھی تمنا نہیں ہے۔ مخدوم وہی بن سکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کی سب سے زیادہ خدمت کرے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اس لیے سردار کے انتخاب میں میرا نام نہ لیا جائے۔ تو نہایت مناسب ہو۔"

حضرت علی نے خوش ہو کر کہا، میرے لختِ جگر تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ اور اس وقت میرے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ ماننے والوں کے لیے امارت کانٹوں کا تاج ہے۔ سردار سے سپاہی بننا آسان اور اچھا ہے۔"

حضرت عثمان نے حضرت علی کو روک کر کہا، "ٹھہریئے آپ اپنے بچوں کو یہ ترغیب و تعلیم نہ دیں کہ وہ سرداری قبول نہ کریں۔ آپ نہیں جانتے کہ ان جگر بندانِ بتول کی کس قدر عزت و محبت میرے اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔"

حضرت علی، مجھے معلوم ہے اور میں مسلمانوں اور آپ کا بے حد مشکور ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح میں خود مسلمانوں کا خادم رہنا پسند کرتا ہوں۔ اسی طرح اپنی اولاد کو چاہتا ہوں۔ اگر آپ

میری رائے لیں تو عبداللہ بن عمر کو سرداری کے لیے موزوں سمجھتا ہوں۔"

حضرت عثمان، مگر میں ان نوجوانوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرت حسن، "چونکہ حضرت عبداللہ مجھ سے عمر میں بڑے اور زیادہ پرہیزگار اور بہادر ہیں۔ اس لیے وہی سرداری کے مستحق ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا، مگر جس لشکر میں رسول خداؐ کے نور سے۔ آپؐ کی پیاری بیٹی خاتونِ جنت کے بیٹے اور شیرِ خدا باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نورِ نظر ہوں۔ میں کیسے اس لشکر کی سرداری قبول و منظور کر سکتا ہوں۔" حضرت حسینؓ نے حضرت عبداللہ سے کہا، "بھائی عبداللہ! اگر تمہارے دل میں ہماری عزت و محبت ہے۔ تو ہمارے کہنے سے تم سرداری قبول کر لو۔"

حضرت عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے کہا، "آپ کے حکم سے میں سرتابی نہیں کر سکتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب ایران سے مالِ غنیمت آیا تھا اور میرے پدر بزرگوار امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم نے اس میں سے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی کو حصہ زیادہ دیا۔ تو مجھے ناگوار گزرا اور میں نے کہا تھا کہ آپ نے اپنا بیٹا ہوتے مجھے حصہ کم کیوں دیا، تو آپ نے فرمایا تھا، کہ کیا تیرے نانا حسین کے جیسے نانا ہیں۔ کیا تیری ماں حسین کی جیسی ماں ہے اور کیا تیرے باپ حسین جیسے باپ ہیں؟"

یہ سن کر میرے دل کو تسکین ہو گئی تھی۔ اور اس روز سے میں برابر توبہ و استغفار کرتا رہا ہوں۔ کہ میں نے فخر کیوں کیا، کہ میں خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے حسینؓ کے برابر حصہ پانے مستحق ہوں۔

ان کی یہ گفتگو سن کر تمام حاضرین کی آنکھوں کے سامنے حضرت عمر فاروق کی تصویر کھنچ گئی۔ سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے لمبا سانس بھر کر کہا، "خدا کی قسم عمر بے نفس انسان تھے۔ انھوں نے جس قدر سلوک ہمارے ساتھ کیا ہے ہم ہی جانتے ہیں۔ فرزند! تم نے ان کی یاد دلا کر ہمارے دلوں پر غم کے تیر برسا دیئے۔ خداوندِ عالم انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ وہ کبھی اور کسی موقعہ پر بھی ہمیں نہیں بھولے۔ تمہیں سرداری کے لیے میں نے منتخب کیا ہے میرے کہنے سے عہدہ سرداری قبول کر لو۔"

حضرت عبداللہ: میں بڑے فخر سے قبول کرتا ہوں۔"

حضرت عثمان: کس قدر نیک لوگ ہو تم سب۔ جب تک مسلمانوں میں اتحاد، اور

یکؔ جہتی کا یہ جذبہ رہے گا۔ کبھی کسی قوم سے دب کر نہ رہیں گے۔ اچھا عبداللہ! یہ عَلم لو۔
یہ کہتے ہی انہوں نے علم اٹھایا جو مصلے کے قریب گڑا ہوا تھا اور عبداللہ کی طرف بڑھایا۔

باب ۵

نصیحتیں

حضرت عبداللہ بن عمر نے بڑھ کر عَلم ہاتھ میں لیا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرہ تکبیر کی تکرار کی اور اللہ اکبر کی پرشور آواز سے منیٰ کا وسیع میدان گونج اٹھا۔ عبداللہ نے عَلم ہاتھ میں لے کر اور اس کے پھریرے کو اڑایا۔ ہوا کے جھونکے اسلامی علم کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے عبداللہؓ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ عَلم ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گئے اور تمام لوگ خاموش ہو کر سننے لگے کہ اب امیر المومنین کیا فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان غنی اس ٹیلے پر چڑھے، جس پر چڑھ کر انہوں نے خطبہ پڑھا تھا اور ذرا بلند آواز سے کہا۔

یا ایھا المجاھدین۔ یعنی اے مجاہدین اسلام! میں حمد و تعریف کرتا ہوں۔ اس خدائے خالق و رزاق کی۔ جس نے دنیا جہان کو پیدا کیا ہے۔ جو آگ میں بھی سمندر جانور کو زندہ رکھتا اور روزی دیتا ہے اور پتھر کے اس کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔ جو ہماری تمہاری نظروں سے مستور پتھر کے اندر چھپا رہتا ہے۔ اور تعریف و ثنا کرتا ہوں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنہوں نے دنیا میں آکر کفر و جہالت کی تاریکی دور کی اور نور وحدت سے دنیا کو منور کر دیا۔

میں نہ چاہتا تھا کہ میرے فرزند! یعنی اسلامی جانباز افریقہ جیسے براعظم پر لشکر کشی کریں۔ لیکن وہاں کے عیسائی بادشاہ نے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو فنا کرنے پر کمر باندھ لی ہے۔ چونکہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ جو لوگ یا جو قوم زبان، ہاتھ یا تلوار سے اس بات کی کوشش کرے کہ خدائے واحد کا نام دنیا میں بلند نہ ہو سکے۔ یا مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے یا وہ اپنے مذہبی فرائض ادا نہ کر سکیں۔ تو ایسی حالت میں ان دشمنان اسلام سے قتال کرنا جائز اور ضروری ہی نہیں بلکہ فرض عین ہو جاتا ہے تاکہ فتنہ مٹ جائے

اور دینِ اسلام کی آزادانہ پیروی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اس لیے مجبور ہو کر ہمیں نے اذنِ جہاد دیا ہے۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کو یہ بتا دو کہ اس کے مٹائے اسلام نہیں مٹ سکتا مسلمان نہیں مٹ سکتے۔ اور خدا کا نام دنیا سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ جب تک دنیا میں ایک مسلمان بھی زندہ ہے۔ خدا کا نام بھی زندہ رہے گا۔ لیکن جوش و غضب میں آکر کوئی ایسی حرکت بھی نہ کر بیٹھنا کہ جس سے اسلام پر دھبہ آئے، اور مسلمانوں کی گردنیں شرم و ندامت سے جھک جائیں۔

پہلی بات تو یہ کرنا کہ دشمن کو صلح و آشتی کا پیغام دینا۔ اگر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے معاندانہ کارروائی کرنے کا وعدہ کرے اور صلح پر آمادہ ہو جائے۔ تو خبردار کسی کا خون بہانا۔ فوراً صلح کر لینا لیکن اگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہے اور اسلام دشمنی سے باز نہ آئے۔ تو پھر خدا پر بھروسہ کر کے اور اس کا مقدس نام لے کر اس پر ٹوٹ پڑنا۔ اور جی کھول کر اپنی شمشیر خارا شگاف کے جوہر دکھانا۔

مگر جوش و طیش کی حالت میں بھی اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہاری تلواریں ضعیفوں، مسکینوں، اپاہجوں عورتوں، بچوں، پادریوں اور عام شہریوں کو جنہوں نے تمہارے مقابلہ پر ہتھیار نہیں اٹھائے ہیں قتل نہ کریں۔ کسی مکان کو آگ نہ لگانا، کسی گرجا کو نہ گرانا، سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا، لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو پامال نہ کرنا اور کوئی کام بھی ایسا نہ کرنا۔ جو انسانیت، شرافت، تہذیب اور اسلامی اخلاق کے خلاف ہو۔ آپس میں مل جل کر رہنا۔ اگر خدانخواستہ تم میں اختلاف پیدا ہوا تو خدا کا یہ وعدہ سچا ہو کر رہے گا کہ مسلمانوں آپس میں نااتفاقی نہ کرنا۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاؤ گے

یاد رکھو اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی، مصری ہوں یا شامی، امیر ہوں یا غریب، آقا ہوں یا غلام، گورے ہوں یا کالے سب برابر ہیں اور آپس میں بھائی ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو مجلسِ مشاورت منعقد کر کے کثرتِ رائے سے فیصلہ کر لینا۔ نماز کسی حالت میں نہ چھوڑنا۔ بے نمازی مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

والذین ھم علی صلوتہم یحافظون اولئک فی جنت مکرمون ۔

"اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (پڑھتے ہیں)، وہ ہی جنت میں عزت سے رہیں گے"۔ گویا خدا نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ جنت نمازیوں کے لیے ہے۔

ایک اور جگہ قرآن شریف میں پروردگارِ عالم نے دوزخیوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ۔

"یعنی جب بے نمازیوں سے پوچھا جائے گا کہ کس بات نے تمہیں دوزخ میں لا ڈالا تو وہ افسوس کر کے کہیں گے کہ ہم مسلمان یعنی نمازیوں میں سے نہ تھے۔

مسلمانوں! نماز ایک وقت کی بھی قضا نہ کرنا۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا جو لوگ نماز نہ پڑھیں گے یا پڑھنے میں سستی کریں گے۔ اس روز وہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا۔

اچھا اب کوچ کی تیاری کرو۔ میری دعا ہے خدا تمہیں فتح عطا فرمائے۔ نصر من اللہ وفتح قریب "یعنی خدا کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو اور خدا تمہیں فتح دے۔

تمام مسلمانوں نے یہ سن کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور مجاہدین اٹھ اٹھ کر اپنے اپنے جائے قیام کی طرف کوچ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اونٹوں پر شغدف اور محمل باندھے گئے۔ گھوڑوں پر زین کسے گئے اور مجاہدین کھجوروں کے تھیلے اور پانی کے مشکیزے حائل کر کے مسلح ہو کر گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں لے کر قطار در قطار دور تک کھڑے ہو گئے چونکہ ان کی روانگی کا وقت قریب آگیا تھا۔ اس لیے وہ مدینہ کے باشندے جو انہیں تحائف دینے اور رخصت کرنے آئے تھے جو چیزیں ان کے پاس رہ گئیں تھیں۔ مجاہدین کو دیتے اور کھلاتے جاتے تھے۔ رخصت کرنے والوں میں بچے بھی تھے اور وہ اپنے ہم سن بچوں کو جو کچھ ان کے پاس تھا کھلا رہے تھے۔

آج کل کے بچوں کا وطیرہ یہ دیکھتے ہیں آتا ہے کہ وہ اپنی چیز کسی کو نہیں دیتے۔ خصوصاً کھانے پینے کی چیزوں سے اس قدر رغبت رکھتے ہیں کہ شکم سیر ہونے پر بھی دوسرے بچوں اور بڑوں کو دینے پر بھی رضامند نہیں ہوتے۔ لیکن اس زمانہ کے بچے تھے کہ اچھی سے اچھی چیزیں ان بچوں کو کھلا رہے تھے۔ جو میدانِ جنگ میں جانے والے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی سمجھ میں آتی ہے کہ اس زمانے کے ہم بڑے آدمی دل تنگ واقع ہوئے ہیں۔ چونکہ ہم خود کسی کو کوئی چیز دینا گوارا نہیں کرتے۔ اس لیے ہماری دیکھا دیکھی بچے بھی نہیں دیتے۔

مسلمان عرب سے ہندوستان آئے ہیں اور عرب والے مہمان نوازی میں مشہور ہیں

دنیا بھر میں کوئی قوم ایسی متواضع نہیں ہے۔ جیسی عربوں کی۔ کسی عرب کے خیمہ یا مکان پر کوئی شخص پہنچ جائے۔ اس میں جانتے یا نہ جاننے کی کوئی پرسش نہیں۔ مالک خیمہ یا مالک مکان اس نووارد کو مہمان سمجھ کر اس طرح مدارات کرے گا۔ جیسے وہ عرصہ سے اس سے واقف ہے۔

چاہیے تو یہ تھا ہم مسلمانوں میں مہمان نوازی کی وہ ہی خو بو باقی رہتی۔ جو ہمارے اسلاف میں تھی لیکن دیکھا یہ جاتا ہے۔ کہ اگر شہر کے مسلمان کسی مسافر کو دیکھ لیتے ہیں۔ تو آنکھیں پھرا کر نکل جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی جان پہچان والا نظر آجاتا ہے تو اس لیے روح خشک ہو جاتی ہے کہ وہ ان کے گھر ہی قیام نہ کر دے۔

ہم مسلمانوں کی اس کوتاہ نظری اور مسافروں اور مہمانوں سے بچنے اور ڈرنے کا یہ اثر ہوا ہے کہ خدا نے اپنی نعمتیں ہم سے چھین لی ہیں۔ نہ ہم میں اتفاق رہا ہے۔ نہ ہمدردی رہی ہے۔ نہ اخلاص رہا ہے نہ مروت رہی ہے۔ اور ہم بالکل بے گانہ ہو گئے ہیں۔

شہر والوں سے دیہات والوں کی حالت کسی قدر اچھی ہے۔ ابھی ان میں مہمان نوازی کی عادت باقی ہے۔ اور اسی لیے ان میں اتفاق و اتحاد خلوص و مروت نظر آتی ہے۔

کاش! مسلمان سمجھیں کہ مہمان نوازی میں بڑی برکت ہے۔ خدا مہمان کے لیے غیب سے میزبان کو رزق مہیا کرتا ہے۔ راقم الحروف کا خود یہ تجربہ ہے کہ مہمان کے آنے سے پہلے اس کا رزق آگیا ہے۔ لیکن اس کے لیے خلوص اور نیک نیتی کی ضرورت ہے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ رسول اکرم فخر بنی آدم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مہمان نواز تھے۔ ہر مسافر اور ہر مہمان کی تواضع کرتے تھے۔ اور ہم مسلمان کہلاتے ہوئے سنت نبوی کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ اس لیے مفلس و ذلیل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جب تک مسلمان اسلام کی مکمل تعلیم پر عمل نہ کرنے لگیں گے۔ کبھی نہ پنپیں گے۔

غرض بچے اور بڑے سب ہی مجاہدین کی تواضع کر رہے تھے۔ اس وقت آفتاب کسی قدر ڈھل گیا تھا۔ سفید سفید دھوپ ریت کے ذروں کو جگمگا رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے مجاہدین اور دوسرے عربوں کے دامنوں اور عماموں کے پلوؤں کو اڑا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں تمام لوگ تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے بار برداری کے اونٹوں

کی قطاریں روانہ ہوئیں۔ چونکہ ہزاروں اونٹ تھے۔ اس لیے وہ دور تک پھیل گئے۔ ان کے بعد مجاہدین کے دستے چلنے لگے۔ تقریباً دس ہزار سواروں کے بعد عورتوں اور بچوں کے شغدف اور محملیں روانہ ہوئیں۔ ان کے پیچھے بقیہ لشکر چلا۔ اور عبداللہ بن عمر علم ہاتھ میں لے کر اس لشکر میں شریک ہو گئے۔

جب غازیان اسلام دور نکل گئے اور گرد و غبار نے انہیں اپنے دامن میں چھپا لیا۔ تب خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی اور دوسرے تمام لوگ اور بچے مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے۔

زویلہ پر یورش

عبداللہ بن سعد مصری گورنر صرف دس ہزار شیران اسلام کو ہمراہ لے کر براعظم افریقہ کی طرف چل پڑے تھے۔ انہوں نے اس بات کا مطلق بھی خوف و اندیشہ نہ کیا کہ افریقہ کے عیسائی خود ہی مصر پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کے پاس لشکر کافی جمع ہو گیا ہو گا۔ اتنے تھوڑے سے مجاہدوں سے عیسائیوں کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

دراصل وہ یہ چاہتے تھے کہ دارالخلافہ سے جو کمک آرہی ہے۔ اس کے آنے سے پہلے ہی افریقہ کا کچھ حصہ فتح کر لیں۔ مگر جب وہ مصر و افریقہ کی سرحد پر اس جگہ پہنچے جہاں سے مشہور شہر طرابلس چند ہی منزلوں کے فاصلہ پر رہ جاتا ہے۔ تو ایک قلعہ نظر آیا۔ یہ قلعہ افریقی حدود میں شامل تھا۔ اور اس کا قلعہ دار افریقہ کے شہنشاہ جرجیر کا ماتحت یا خراجگزار تھا۔

چونکہ مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب اور جس طرف وہ حملہ کرتے سامنے جو شہر یا قلعہ آجاتا۔ اسے فتح کر کے آگے بڑھتے۔ اس لیے عبداللہ بن سعد نے بھی یہ تہیہ کر لیا کہ اس قلعہ کو فتح کیے بغیر آگے نہ بڑھیں گے۔ اس قلعہ کا نام زویلہ تھا۔ اور یہ برقہ کے قریب واقع تھا۔ اس کے قلعہ دار کا نام ارسانوس تھا۔

قلعہ نہایت وسیع۔ شاندار اور مضبوط و مستحکم تھا۔ قلعہ کے اندر ۱۵ ہزار فوج رہتی تھی ارسانوس کو اپنی فوج کی دلیری اور قلعہ کی مضبوطی پر بڑا اطمینان تھا۔

جوں ہی اسلامی لشکر زویلہ کے سامنے پہنچا۔ ارسانوس قلعہ بند ہوگیا۔ اس بات کو وہ خوب جانتا تھا۔ کہ مسلمانوں سے کھلے میدان میں مقابلہ کر کے فتح کی امید رکھنا محض حماقت ہے۔ اس لیے اس نے فصیل پر فوجیں چڑھا دیں اور سنگریزوں اور تیروں کے بے شمار انبار لگا دیئے تاکہ جس وقت مسلمان قلعہ پر دھاوا کریں۔ تیروں اور پتھروں سے انہیں روکا جائے۔

عبداللہ بن سعد نے ایک روز تو یہ انتظار کیا کہ شاید ارسانوس قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ میں آجائے۔ مگر جب وہ باہر نہ نکلا۔ تب انہوں نے دوسرے روز زویلہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے چاروں طرف ڈھائی ڈھائی ہزار لشکر پھیلا دیا۔

ارسانوس اور اس کی سپاہ نے یہ سب کچھ دیکھا۔ مگر پھر بھی ان میں کوئی حرکت نہ ہوئی عیسائیوں نے فصیل پر اور مسلمانوں نے اپنے کیمپ میں آگ روشن رکھی۔ قلعہ کے نیچے مسلمان اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے گشت کرتے رہے۔ اور فصیل پر عیسائی ٹہلتے رہے۔

صبح کو مسلمان اٹھے۔ ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ عبداللہ بن سعد چند اعرابیوں کو لے کر قلعہ کو قریب سے دیکھنے کے لیے چلے۔ جب پاس پہنچے تو دیکھا کہ قلعہ اتنا اونچا اور مضبوط ہے کہ اس پر رسائی مشکل ہے۔ انہوں نے اس کے چاروں طرف گشت لگایا۔ ہر پشتہ، ہر برج اور ہر طرف کی فصیل کو دیکھا۔ کہیں بھی کوئی ایسا موقعہ نظر نہ آیا جس سے قلعہ پر دسترسی کی توقع ہوسکتی۔ انہوں نے گھوم پھر کر یہ بھی دیکھ لیا کہ قلعہ میں عیسائیوں کا لشکر بھی کافی ہے۔

دوپہر کے قریب وہ لوٹ آئے اور انہوں نے ہر طرف کے فوجی سردار کو حکم بھیجدیا کہ ابھی حملہ میں جلدی نہ کی جائے۔ البتہ محاصرہ نہایت سخت کر دیا جائے۔ اور کوئی شخص قلعہ کے اندر سے باہر یا باہر سے اندر آجا نہ سکے۔ ان کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی گئی اور اس شدت سے محاصرہ کیا گیا۔

دن گزرنے لگے اور وقت تیزی سے اڑنے لگا۔ نہ تو عیسائی قلعہ سے باہر نکلے اور نہ ہی مسلمانوں نے قلعہ پر یورش کی۔ البتہ ایک روز اتنا تو ہوا۔ کہ قلعہ والوں نے ایک قاصد کو ٹوکرے کے ذریعے فصیل سے نیچے اتارا اور یہ پیغام بھیجا کہ اگر مسلمان یہاں سے کوچ کر جائیں

تو وہ وعدہ کرتے ہیں کہ جب طرابلس فتح ہو جائے گا۔ وہ بھی ادائے جزیہ پر ان سے صلح کرلیں گے۔ لیکن عبداللہ نے اس بات کو نہیں مانا۔ اور صاف طور پر کہلوا دیا کہ "جب تک تم اطاعت قبول نہ کروگے یا ہم قلعہ فتح نہ کرلیں گے۔ اس وقت تک نہ جائیں گے۔

قاصد واپس چلا گیا اور عیسائی خاموش ہوگئے۔ جب محاصرہ کو پندرہ روز ہوگئے اور عیسائیوں میں کسی پریشانی اور اضطراب کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ تو آخر عبداللہ نے قلعہ پر حملہ کرنے کے احکام صادر کر دیئے۔ ہر طرف کے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ اگلے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی دھاوا بول دیا جائے۔ چنانچہ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی مسلمان مسلح ہوئے اور نعرہ تکبیر بلند کر کے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔

عیسائیوں نے دیکھا، تو وہ بھی فلاخنیں اور کمانیں لے کر مستعد ہوگئے۔ ان میں بھی حرکت آئی اور انہوں نے بھی تہیہ کر لیا، کہ یوں ہی مسلمان کے قریب آجائیں گے۔ وہ تیروں اور پتھروں کی بارش کر کے انہیں پسپا کر دیں گے۔ چنانچہ جب مسلمان ان کی زد میں آگئے۔ تو انہوں نے فلاخنوں میں پتھر رکھ رکھ کر نہایت تیزی اور بڑی قوت سے پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ جان لیوا پتھروں کے ٹکڑے نوکدار تھے۔ جس چیز پر لگتے تھے اسے توڑ ڈالتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے انہیں اپنی ڈھالوں پر روکا۔ لیکن کئی ڈھالوں میں انہوں نے سوراخ کر دیئے۔ کئی گھوڑے زخمی ہوگئے اور کئی مسلمانوں کے گھٹنوں میں ضربیں آئیں۔

اس سے مجاہدین اسلام کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر چونکہ پتھر برسانے والے قلعہ کی فصیل پر ان کی دسترس سے باہر تھے۔ اس لیے وہ ان پر اپنا غصہ اتار نہ سکے۔ البتہ انہوں نے ڈھالوں کو اس طرح گھوڑوں کی گردنوں سے آگے کر لیا۔ جس سے بے زبان جانوروں کی بھی حفاظت ہو سکے اور خود اپنی بھی۔

ساتھ ہی قدم قدم بڑھنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں نے اب نہایت پھرتی سے پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اس تیزی اور کثرت سے کہ اکثر پتھر آپس میں ٹکرانے لگے۔ مسلمان مقدور بھر ان سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی پتھر کسی نہ کسی مسلمان کے آ ہی لگتا تھا مگر مسلمان زخمی ہونے پر بھی نہ گھبراتے تھے۔ نہ زخم اور زخم کی تکلیف سے آگے بڑھنے سے

ہچکچاتے تھے۔ بلکہ اس طرح بڑھتے چلے جا رہے تھے جیسے نہ وہ زخمی ہو رہے ہیں اور نہ ان پر پتھر برسائے جا رہے ہوں۔ عیسائی حیرت و استعجاب سے مسلمانوں کے استقلال جرأت اور ہمت مردانہ کو دیکھ رہے تھے۔ اب عیسائیوں نے شور کر کے پتھروں کے علاوہ تیروں کی بارش بھی شروع کر دی اور اس شدت سے تیر برسائے کہ مسلمانوں کی پیشقدمی دفعتاً رک گئی۔

مسلمان مجبور تھے۔ وہ اس وجہ سے تیروں کا جواب تیروں سے نہ دے سکتے تھے۔ کہ ایک تو انہیں ان تیروں اور پتھروں سے اپنی حفاظت کرنی پڑ رہی تھی۔ جو قلعہ کے اوپر سے اولوں کی طرح تیزی کے ساتھ آ رہے تھے۔ دوسرے قلعہ کی فصیل اتنی اونچی تھی کہ نیچے سے ان کے تیر عیسائیوں تک پہنچ ہی نہ سکتے تھے۔ چونکہ اب مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی دوھری مار پڑنے لگی تھی۔ اس لیے وہ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ اور پیچھے ہٹتے انہیں شرم آتی تھی۔ اس لیے وہ جس جگہ پہنچ گئے تھے۔ وہیں کھڑے ڈھالوں پر دشمنوں کے وار کو روک رہے تھے۔

یہ جانستان تیروں اور پتھروں کی بارش کچھ ایک ہی طرف نہ ہو رہی تھی۔ بلکہ چاروں طرف یہ ہی حشر انگیزی تھی۔ ہر جانب عیسائی فصیل کے اوپر سے نہایت تیزی اور تندہی سے سنگریزوں اور تیروں کی بارشیں مار رہے تھے اور شیرانِ اسلام اور ان کے وفادار گھوڑے زخمی ہو رہے تھے۔ ہر فصیل کے عیسائی حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے اور شور کر کے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساتھ ہی اپنی پوری مستعدی سے تیر اور سنگریزے برسا رہے تھے۔

ارسانوس اپنے چند اراکین سلطنت کے ساتھ ایک برج میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک دیکھنے کے بعد اس نے اپنے مصاحبوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے مسلمانوں کی جرأت دیکھی؟"

ایک مصاحب نے کہا "جی ہاں دیکھی۔ ہم سنا کرتے تھے کہ مسلمان انسان نہیں جن ہیں۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش ان پر کی جا رہی ہے کوئی دوسری قوم ہوتی تو بھاگ نکلتی۔ مگر یہ لوگ جس صبر و استقلال سے کھڑے ہیں وہ ضرور قابلِ داد ہیں۔"

دوسرا مصاحب : "سنتا ہوں کہ مسلمان اپنے سردار کا کہنا اس قدر مانتے ہیں کہ اگر وہ انہیں دریا میں کودنے اور آگ میں پھاندنے کا حکم دے تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

ارسانوس : "اگر یہ بات نہ ہوتی، تو آج یہ مسلمان اب تک بھاگ بھی گئے ہوتے۔ چونکہ ان

کے سرداروں نے حملہ کرنے کا حکم دیا ہے پیچھے ہٹنے کا نہیں۔ اس لیے یہ لوگ آگے ہی بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، پیچھے ہٹنے کی نہیں۔ آج مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ مسلمان قوم واقعی بہادر ہے۔"

پہلا مصاحب : "اور حضور والا یہ لوگ وعدے کے بڑے پابند ہیں جو اقرار کر لیتے ہیں۔ اُسے ضرور پورا کرتے ہیں۔"

ارسانوس چونک پڑا۔ اس نے مصاحب کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا "تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

مصاحب : "جب ملک شام پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور وہاں سے عیسائی بھاگ کر افریقہ میں آئے تو چند آدمیوں سے میں ملا اور مسلمانوں کے اخلاق کے متعلق ان سے دریافت کیا انہوں نے یہ بات بتائی تھی۔"

ایک اور مصاحب نے کہا "یہ بات میں نے بھی سنی ہے۔ حضور مسلمان وعدہ کے سچے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ جسے جو زبان دے دیتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔"

پہلا مصاحب : "ایک یہ بات بھی معلوم ہوئی تھی کہ جو وعدہ ایک مسلمان کر لیتا ہے مسلمانوں کی ساری قوم اس کی پابند ہو جاتی ہے۔"

ارسانوس کسی گہرے خیال میں اتر گیا۔ وہ کچھ ایسا مستغرق ہوا کہ اس بات کو بھول گیا کہ اس وقت جنگ ہو رہی ہے۔ مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے جا رہے ہیں۔ اور اس کے پاس اس کے مصاحب یعنی اراکین سلطنت بھی کھڑے ہیں۔

اس نے نہایت آہستہ سے کہا "میرے زخم کا اندمال یہ ہی لوگ کر سکتے ہیں۔ میرے سینے میں لگی ہوئی آگ کو یہ ہی لوگ بجھا سکتے ہیں۔"

اگرچہ اس نے یہ فقرے نہایت آہستگی سے کہے تھے۔ لیکن چند مصاحبوں نے سن لیے۔ ان میں سے ایک نے کہا "کیا فرما رہے ہیں حضور آپ؟"

ارسانوس چونکا اور اس طرح ہوشیار ہوا جیسے کوئی گہری نیند سے آہستہ آہستہ بیدار ہوا کرتا ہے۔ اس نے اپنے مصاحبوں کی طرف دیکھا اور فوراً ہی مسلمانوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ان پر ابھی تک تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اور وہ نہایت استقلال اور جوانمردی

کے ساتھ کھڑے تھے۔ چونکہ پتھر اور تیر کثرت اور پھرتی سے برسائے جا رہے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔

عبداللہ بن سعد نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا آگے بڑھنا دشوار ہے تو انہوں نے غلاموں کو دوڑا کر ہر طرف حکم بھیج دیا کہ سب مسلمان آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں۔ اس حکم کے پہنچتے ہی مسلمانوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ یوں ہی عیسائیوں نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے دیکھا، وہ خوش ہو گئے۔ اور انہوں نے جوشِ مسرت سے ناچنا اور کودنا شروع کر دیا۔

ان کی اس طفلانہ حرکت کی وجہ سے تیروں اور پتھروں کی بارش میں کسی حد تک کمی ہو گئی۔ عبداللہ نے یہ کیفیت دیکھ لی۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا "مسلمانو! تمہاری جانبازی کے امتحان کا یہی وقت ہے۔ تیزی سے بڑھو اور فصیل کے نیچے پہنچ جاؤ۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے گھوڑے کی باگ ڈھیلی کر دی اور وفادار گھوڑا فصیل کی طرف سرپٹ دوڑا اپنے سردار کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہر مسلمان کے دل میں جوش کی بجلی دوڑ گئی۔ سب نے باگیں سنبھال کر گھوڑوں کو دوڑایا اور ان کے رسالے آندھی کی طرح دوڑنے لگے۔ عیسائیوں نے جب فصیل کے اوپر سے مسلمانوں کو اس طرح دوڑ کر آتے دیکھا۔ تو وہ گھبرا کر حیران رہ گئے۔ اور قبل اس کے کہ وہ سنبھلیں اور پھر تیروں اور پتھروں کی بارش کریں۔ فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ ارسانوس نے جب یہ دیکھا تو افسوس بھرے لہجہ میں کہا "افسوس قسمت بگڑ گئی، اب لڑنا بے سود ہے۔ فوراً قومی جھنڈا اتار کر سفید جھنڈا بلند کر دو۔"

جس برج کے اندر وہ کھڑا تھا۔ اس پر عیسائی جھنڈا لہرا رہا تھا ایک افسر نے جلدی سے بڑھ کر پھریرا اتارا۔ اور سفید چادر بانس میں باندھ کر اڑا دی۔ مسلمانوں نے دیکھتے ہی اپنے سردار کو اطلاع کی۔ عبداللہ نے پیچھے ہٹ کر دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر کہا "خدا کا شکر ہے کہ عیسائیوں نے امان مانگ لی۔ اب نہ قلعہ کا دروازہ توڑنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ فصیل پر چڑھنے کی۔ یہیں کھڑے ہو کر انتظار کرو۔ عیسائی خود دروازہ کھول دیں گے۔" چنانچہ مسلمان نہایت اطمینان سے کھڑے ہو کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔

باب ۶

عجیب آرزو

مسلمانوں کو کچھ زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور ارسانوس اپنے مصاحبوں کے ساتھ قلعہ کے پھاٹک سے برآمد ہوا۔ اس وقت اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ اس کے مصاحب کانپ رہے تھے۔ ارسانوس عربی جانتا تھا۔ لیکن اس کے مصاحبوں میں سے کوئی بھی عربی سے واقف نہ تھا۔ اس لیے ارسانوس نے خود ہی سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔ اس نے "مسلمانو! میرا نام ارسانوس ہے میں اس قلعہ کا حکمران ہوں۔ تمہارے سردار سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

فوراً عبداللہ اس کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا "کہیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

ارسانوس سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کے سردار بھی اسی شان و شوکت سے رہتے ہوں گے جس سے وہ خود رہتا تھا۔ لیکن جب اس نے عبداللہ کو بالکل ہی سادہ لباس میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے اپنی حیرت دور کرنے کے لیے پوچھا "کیا آپ ہی مسلمانوں کے سردار ہیں؟"

عبداللہ نے کہا، "ہاں مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر میں اسی وقت تک ان کا سردار ہوں جب تک اسلامی شریعت پر قائم ہوں۔ اگر ذرا بھی ڈگمگا جاؤں تو پھر ان پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔"

ارسانوس: "مگر یہ آپ کی سادہ وضع ......"

عبداللہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "میری وضع وہی ہے جو ہمارے محترم نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ یہ ہی وضع آپ کے جانشین خلفا یعنی امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق اعظم کی تھی۔ اور جو ہمارے شہنشاہ ہیں۔ ان کی بھی یہ ہی وضع ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ظاہری لباس کو ہم لوگ عزت کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ دینداری اور پرہیزگاری کو سمجھتے ہیں خداوند عالم نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا ہے کہ "نام و نسب پر فخر نہ کرو۔ فخر تو پرہیزگاروں کو

کرنا چاہیے۔ قیامت کے روز یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم کس کے بیٹے ہو؟ کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو، شریف ہو یا ذلیل و کمین ہو۔ بلکہ پوچھا یہ جائے گا کہ تم نے خدا اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی تعمیل کی اور احکامات اسلام پر عامل رہے۔ کسی کو دھوکا تو نہیں دیا، جھوٹ تو نہیں بولا۔ بدعہدی تو نہیں کی۔ زنا تو نہیں کیا۔ شراب تو نہیں پی۔ کسی کے دل کو بلا وجہ تو نہیں دکھایا کسی وقت کی نماز تو قضا نہیں کی؟

ارسانوس: تم مسلمان خدا کی قدرت وعظمت کے قائل ہو۔ اس سے ڈرتے ہو۔ اسے یاد کرتے ہو۔ اس کی عبادت کرتے رہتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کرتا ہے اور تم ملک پر ملک فتح کرتے جاتے ہو۔

عبداللہ: بے شک ہم مسلمان ہیں۔ خدا کو ایک جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑا قدرت والا ہے۔ ہر کام اور ہر بات اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یاد رکھتا ہے ہم اس سے مدد چاہتے ہیں۔ وہ ہماری مدد کرتا ہے۔ چونکہ ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔ اس لیے ہم وہ کام بھی کر گذرتے ہیں۔ جسے معمولی حالت میں بہادر سے بہادر انسان بھی نہیں کر سکتا۔

ارسانوس: آج میں نے تمہاری جرأت وہمت، استقلال اور جوانمردی دیکھ کر یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جس ملک پر یورش کروگے۔ اسے یقیناً فتح کرلوگے۔ تمہارے عزم وارادہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو گی۔ ہمارے شہنشاہ ہرقل کی یہ بڑی غلطی تھی کہ اس نے تمہیں اعلان جنگ دے دیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اس کی ٹڈی دل فوجیں بھی تمہیں زیر نہ کر سکیں گی۔

عبداللہ: ہم نے کئی مرتبہ اسے سمجھانے اور حملہ سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس نے نہیں مانا۔ وہ ہماری انکساری کو ہماری بزدلی سمجھتا رہا۔ حالانکہ اس میں ذرا سی بھی عقل وسمجھ ہوتی تو جان لیتا کہ ہرقل اعظم جس کی شان وسطوت کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا جس کی حکومت یورپ سے ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ جو بڑی بڑی جمعیتیں لے کر بڑے بڑے ساز وسامان اور بڑے عزم وارادہ سے ہمارے مقابلہ میں آیا۔ مگر انجام کار شکست کھائی۔ اور ملک شام کا زرخیز حصہ ہمارے قبضہ میں دے کر بھاگ گیا۔ شاہ ایران جو اس سلسانی حکومت کا چشم وچراغ تھا۔ جس کی ہیبت ودبدبے سے سلاطین عالم تھراتے تھے۔ جب اس نے ہم سے چھیڑ خانی کی تو ہم نے خدا کے حکم سے اس کا بھی تخت الٹ دیا اور اسے بھی ایران سے بھگا دیا۔

ارسانوس: دنیا میں آج یہ تین دو سلطنتیں باعظمت وجلال تھیں اور انہیں دونوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے خاتمہ ہوگیا۔ اب کس حکومت میں یہ دم خم ہے کہ آپ کا مقابلہ کر سکے۔ ہرقل جیسا اپنے کیے کو آپ بھگتے گا۔ مگر میں اپنے اور اہل قلعہ کے لیے امان مانگنے آیا ہوں۔

عبداللہ: ہماری صرف دو شرائط ہیں۔ ان میں سے جس شرط کو آپ مناسب سمجھیں قبول کرلیں۔

ارسانوس: فرمایئے وہ شرائط کیا ہیں۔

عبداللہ: پہلی شرط تو یہ ہے کہ آپ مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بن جائیں۔ ہم آپ کے دست بازو ہو جائیں گے اور آپ ہمارے۔

ارسانوس: یہ مشکل ہے کہ ہم اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیں۔

عبداللہ: تب آپ جزیہ دیں اور ہم آپ کی آپ کے دشمنوں سے حفاظت کریں گے۔

ارسانوس: اگرچہ یہ ایک قسم کا ذلت آمیز ٹیکس ہے۔ لیکن اسے قبول کرنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے مجھے جزیہ ادا کرنا منظور ہے۔ فی کس کیا جزیہ ادا کرنا ہوگا۔

عبداللہ: ہر شخص کو چار دینار دینے ہوں گے۔

ارسانوس: بہتر ہے۔ لیکن کیا آپ قلعہ کے باہر ہی فروکش رہیں گے یا اندر رہنا مناسب سمجھیں گے۔

عبداللہ: ہم قلعہ کے اندر رہنا پسند نہیں کرتے۔ البتہ ہمارے کچھ آدمی جزیہ وصول کرنے کے لیے قلعہ میں رہیں گے اور تمہیں قلعہ کے چاروں دروازے کھلے رکھنے پڑیں گے۔

ارسانوس: منظور ہے آپ جس قدر لشکر مناسب سمجھیں میرے ساتھ کر دیں۔

عبداللہ نے اسی وقت پانچسو مسلمانوں کو ارسانوس کے ساتھ کر دیا۔ قلعہ کے چاروں دروازے کھول دیئے گئے۔ مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ قلعہ بذریعہ صلح فتح ہوگیا ہے۔

مسلمان نہایت اطمینان سے قلعہ کے اطراف میں اپنی جگہ فروکش ہوگئے۔ جو لوگ زخمی ہوئے تھے ان کی مرہم پٹی کی گئی اور قلعہ کے عیسائیوں نے اسلامی لشکر میں دکانیں لگا لیں۔ جن سے مسلمان ضروریات کی چیزیں خریدنے لگے۔ چوتھے روز ارسانوس نے تمام قلعہ والوں کی طرف سے جزیہ کی رقم ادا کر

دی۔ اور عبداللہ کران کے خیمے میں نما لے جا کر کہا: میں کچھ آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا: شوق سے کہیے۔

ارسانوس: مجھے ایک معاملہ میں آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔

عبداللہ: معاملہ کی نوعیت معلوم ہو جانے پر کوئی وعدہ کر سکوں گا۔

ارسانوس: بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ شہنشاہ جرجیر کے ایک بیٹی ہے۔ جو نہایت خوب رو، حور جمال اور پری پیکر نازنین ہے۔ شاید آپ نے بھی اس کے حسن کی شہرت سنی ہوگی۔

عبداللہ: ہم مسلمان ایسی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیا کرتے۔

ارسانوس نے مسکرا کر کہا: "آپ نے ابھی تک اس حور وش کو نہیں دیکھا ہے۔ اس لیے ایسی لاپرواہی کی باتیں کر رہے ہو۔ مگر جب دیکھ لیا تو دین و دنیا سے بے نیاز ہو کر۔ اس کے اور صرف اس کے ہی ہو کر رہ جاؤ گے۔"

عبداللہ: یہ ہو سکتا ہے کہ جرجیر کی بیٹی زیادہ حسین ہو۔ لیکن جو لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔ جن آفرین ان حسینوں سے کہیں زیادہ خوبرو ہے۔ تو ان کے سامنے پریوں اور حوروں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی وہ اس سے لو لگا لیتے ہیں۔ جس نے حسینان جہاں کو حسنِ عالم افروز کا کچھ حصہ عطا کیا ہے۔

ارسانوس: معلوم ہو گیا کہ آپ زاہد خشک ہیں۔ مگر میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ جب شہزادی ہیلن کو ایک نظر دیکھ لیں گے تو اس کے حسن و خوبصورتی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

عبداللہ: ممکن ہے۔ کیا جرجیر کی بیٹی کا نام ہیلن ہے۔

ارسانوس: جی ہاں۔ میں حضرت مسیح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج نہ صرف افریقہ بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اس جیسی حسین لڑکی کوئی نہیں ہے۔

عبداللہ: آپ نے تو اس کی تعریف میں حد کر دی۔

ارسانوس: سچ یہ ہے کہ میں اس دُرِ یکتا کی تعریف ہی نہیں کر سکتا۔ نہ کسی شاعر کو یہ حوصلہ ہے کہ اس ماہ رخ کی تعریف کر سکے۔

عبداللہ: اچھا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

ارسانوس: میں چاہتا ہوں کہ جب آپ جرجیر پہ فتح حاصل کر لیں تو شہزادی ہیلن کو میرے

حوالے کر دیں۔

عبداللہ: دیکھیے میں اس کے متعلق کوئی حتمی وعدہ نہیں کر سکتا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا واقعہ پیش آئے شہزادی گرفتار بھی ہو سکے یا نہیں۔

ارسانوس: میرا خیال یہ ہے کہ شہزادی اپنے باپ کے ساتھ ضرور میدان جنگ میں آئے گی۔

عبداللہ: شاید وہ جرجیر سے اور جرجیر اس سے زیادہ مانوس ہیں۔

ارسانوس: جی ہاں۔ مگر ایک بات اور بھی ہے۔

عبداللہ: وہ کیا بات ہے؟

ارسانوس: شہزادی جس قدر حسین ہے۔ اسی قدر بہادر بھی ہے۔ وہ مسلمانوں سے ضرور لڑنے کے لیے آئے گی۔

عبداللہ: اگر وہ گرفتار ہو گئی تب میں کچھ فیصلہ کر سکوں گا۔

ارسانوس: لیکن یہ تو وعدہ کر لیجیے کہ اگر وہ گل اندام گرفتار ہو جائے تو آپ اسے مجھے دے دیں گے۔ میں تاوانِ جنگ جس قدر کہیے گا ادا کر دوں گا۔ اگر وہ لونڈی بنالی جائے تو میں خرید لوں گا۔

عبداللہ: میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر شہزادی کو تمہارے پاس جانے میں کوئی اعتراض نہ ہو گا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔

ارسانوس: میری تسکین کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ارسانوس رخصت ہو گیا۔

جب عبداللہ خیمہ سے باہر آئے تو مصر کی طرف سے تیرہ و تار گھٹا کی طرح غبار اٹھتا نظر آیا۔ مسلمان اس غبار کو دیکھنے لگے۔ عبداللہ بھی بغور دیکھ رہے تھے۔ جب غبار بڑھ کر قریب آ گیا۔ اور اس کا دامن چاک ہوا تو اسلامی لشکر نمودار ہوا۔ مسلمانوں نے اس لشکر کو دیکھتے ہی پر شور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آنے والے لشکر کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔

شیرانِ اسلام کی آمد

جب سے زویلہ کے قلعہ دار ارسانوس سے مصالحت ہو گئی تھی۔ اس وقت سے مسلمان چاروں

طرف سے سمٹ کر ایک طرف ہی مقیم ہوئے تھے۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس آنے والے لشکر کو دیکھ لیا تھا اور سب نے ہی مل کر نہایت جوش سے پُرشور نعرہ اللہ اکبر لگایا تھا۔

چونکہ یہ نئی بات تھی۔ اس لیے زولیہ کے عیسائی واقعہ معلوم کرنے کے لیے فصیل پر چڑھ آئے۔ ارسانوس بھی ایک برج میں آکھڑا ہوا۔ عیسائیوں نے مصر کی جانب سے اسلامی لشکر کو آتے ہوئے دیکھا شیرانِ اسلام کے رسالے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ارسانوس نے کہا اچھے وقت میں تے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اب ان کی فوجیں آنے لگی ہیں۔ یہ وہ عرب ہیں۔ کہ جس ملک پر حملہ کرتے ہیں۔ اسے فتح کیے بغیر نہیں رہتے۔ جرجیر نے بڑی غلطی کی کہ ان پر یورش کرنے کا قصد کیا۔"

اس کے ایک مصاحب نے کہا "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مصر و شام اور ایران کی طرح افریقہ کی قسمت کا فیصلہ بھی عنقریب ہونے والا ہے۔"

ارسانوس کی نظر آنے والے لشکر کی طرف تھی۔ اس نے کہا "تمہارا خیال بالکل صحیح ہے۔ دیکھو جس قدر پہلا اسلامی لشکر تھا۔ اب اس سے دوگنا اور آگیا ہے۔ شاید یہ لشکر دارالخلافے سے آیا ہے۔ نہ معلوم ایسے ایسے اور کتنے لشکر آنے والے ہیں۔"

مصاحب: مسلمانوں میں بڑا اتفاق واتحاد ہے۔ جس طرح شہد کی ایک مکھی کو چھیڑنے سے سارے چھتے کی مکھیاں حرکت میں آجاتی ہیں۔ اسی طرح کسی ایک مسلمان کو ذرا سی دھمکی دینے ہی سے ساری اسلامی دنیا میں جوش وغضب کا طوفان امنڈ آتا ہے۔

ارسانوس: حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم یہ ہی بات ہے مسلمانوں کی یک جہتی دیکھ کر مجھے رشک ہوتا ہے۔ کاش ہم عیسائیوں میں بھی ایسا اتفاق ہوتا۔ لیکن مسیحیوں میں نااتفاقی ہے۔ ان کا قومی شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور اسی لیے ان کی ریاستیں، حکومتیں اور سلطنتیں چھنتی چلی جاتی ہیں۔

مصاحب: ایک بات اور بھی ہے حضور۔

ارسانوس نے مصاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور کیا بات ہے؟"

مصاحب نے جواب دیا "مسلمان پرہیزگار اور خداپرست ہیں۔ ان کی نماز کے اوقات جو ان کے نبی ؐ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ ان پر وہ دنیا کے سارے دھندے چھوڑ کر ضرور نماز ادا کرتے ہیں۔"

ارسانوس: میں نے بھی یہ بات دیکھی ہے۔ کوئی عام سپاہی ہو یا فوجی سردار، حتیٰ کہ ان کا

سپہ سالار بھی کسی ایک وقت کی بھی نماز نہیں چھوڑتا۔ ایک ہم عیسائی ہیں، کہ ہماری قوم کے بڑے بڑے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے انہیں گرجے سے مستثنیٰ کر دیا ہے حضرت مسیح ان کی سفارش کر کے انہیں بخشوا دیں گے۔ اب رہے چھوٹے طبقہ کے آدمی انہیں فکرِ معاش ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ اس لیے گرجے خالی پڑے رہتے ہیں۔ سوائے دو چار پادریوں کے کوئی بھی نماز پڑھنے نہیں جاتا۔"

مصاحب: دیکھیے حضور مسلمان کس جوش ومسرت سے بغل گیر ہو رہے ہیں۔ جیسے درحقیقت وہ حقیقی بھائی ہوں۔

اس وقت آنے والا اسلامی لشکر قلعہ کے بہت قریب آگیا اور تمام مسلمان گھوڑوں سے نیچے اتر اتر کر اسلامی گورنر اور ان کے ساتھیوں سے بغلگیر ہو رہے تھے۔

ارسانوس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "ہاں یہ ہی اخوت ہے مسلمانوں کی۔ اس وقت انہیں کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک ہی شخص کی اولاد نہیں ہیں۔"

اس وقت ایک پادری اس برج میں داخل ہوا۔ اس نے کہا "حیرت نہ کرو زولیہ کے سردار! یہ سب اس تعلیم کا اثر ہے۔ جو مسلمانوں کے نبی صلعم نے انہیں دی ہے۔"

ارسانوس اور اس کے مصاحبوں نے گھوم کر دیکھا۔ وہ پادری کو دیکھتے ہی اس کی طرف جھک گئے اور اس کے دامن کو بوسے دینے لگے۔

ارسانوس نے کہا "مقدس باپ! مسلمانوں کے ملنے کا نظارہ کس قدر دلکش ہے۔"

پادری نے کہا "ہونا ہی چاہیے۔ اتفاق میں برکت ہے میرے پیارے بچو! میں کچھ عرصہ بیت المقدس میں رہا ہوں۔ وہاں مسلمانوں سے ملنے جلنے اتفاق ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت ہے۔ مسلمانوں نے مجھے بتایا تھا۔ کہ ان کے ہادی برحق ؐ نے جنہیں وہ خدا کا آخری پیغمبر کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُوْا لْمُسْلِمِ "یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے" (بخاری ومسلم)

ایک اور مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح طور پر کہا ہے۔

لا یؤمن عبد حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" (بخاری ومسلم) یعنی کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ ہی پسند نہ کرے جو اپنے

لیے پسند کرتا ہے۔ ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم نے مسلمانوں کو حقیقی بھائی بنا رکھا ہے اور جب تک مسلمان اس تعلیم کو نہ بھول جائیں گے۔ اس وقت تک کبھی کسی سے زیر نہ ہوں گے۔

ارسانوس: اس وقت مسلمانوں کا اتفاق اور برادرانہ محبت دیکھ کر میرے دل پر بڑا اثر ہو رہا ہے۔

پادری: ہونا ہی چاہیے۔ کسی زمانہ میں عیسائیوں میں بھی اتفاق تھا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جیسا اتحاد مسلمانوں میں ہے ایسا عیسائیوں میں کبھی نہیں ہوا۔ دیکھنا اس لشکر کے ساتھ تو عورتیں اور بچے بھی معلوم ہوتے ہیں۔

ارسانوس: جی ہاں دیکھیے وہ بچے پھدک رہے ہیں۔ اور مسلمان انہیں کس محبت سے اٹھا اٹھا کر گلے لگا رہے ہیں۔

پادری: یہ ہی تو اخوت ہے مسلمانوں کی۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ مسلمان لوگ معہ اہل و عیال کے اس طرح دشمنوں کے ملک میں جاتے ہیں۔ جیسے وہاں آباد ہونے کا ارادہ ہو۔

ارسانوس: اور آباد ہو ہی جاتے ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں محترم بزرگ کہ ایران، شام اور مصر میں ہزاروں مسلمان آباد ہو گئے ہیں۔ یہ نڈر قوم ہے۔ سوائے خدا کے اور کسی سے بھی نہیں ڈرتی. شہنشاہ جرجیر نے بُرا کیا کہ ایسی بہادر قوم کو دعوت مقابلہ دی۔

پادری: میں نے شہر سبیطلہ کے اسقف اعظم تھیوڈوس سے کہا تھا کہ جرجیر پر ان کا کافی اثر ہے۔ وہ اپنے اثر سے کام لے کر انہیں اسلامی ممالک پر حملہ کرنے سے روک دیں۔ لیکن اسقف اعظم ہی نے میری بات نہ مانی۔ انہوں نے مسلمانوں نے خداوند کے گھر یروشلم (بیت المقدس) پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم مصر فتح کر کے یروشلم تک اپنی سلطنت وسیع کر لیں گے۔

ارسانوس: ارادہ تو نیک ہے۔ مگر دیکھیے ابھی وہ تیاریاں ہی کر رہے ہیں۔ اور مسلمان ان کے حملہ کی خبر پا کر ان کے ملک میں بھی گھس آئے ہیں۔

پادری: کچھ اندیشہ نہ کرو۔ میں سبیطلہ گیا تھا۔ شہنشاہ جرجیر نے جو تیاریاں کی ہیں۔ ان سے یقین ہے کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر مصر و شام پر قابض ہو جائیں گے۔

جب اس برج میں ارسانوس اس کے مصاحب اور پادری میں یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اس وقت

مسلمان آپس میں بڑے تپاک، بڑی گرمجوشی اور بڑے خلوص سے مل رہے تھے۔

یہ نیا آنے والا لشکر وہی تھا، جو ابن عمر کی سرکردگی میں دار الخلافہ سے آیا تھا۔ یہ لشکر جب مصر میں پہنچا اور وہاں آ کر معلوم ہوا۔ کہ مصر کے گورنر عبد اللہ بن سعد صرف دس ہزار لشکر لے کر افریقیہ پہ چڑھ گئے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ بہت تھوڑے لشکر نے افریقیہ پر چڑھائی کی ہے۔ انہوں نے دو منزلہ اور سہ منزلہ کر کے افریقیہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

چونکہ عبد اللہ بن سعد کو زویلہ کا قلعہ فتح کرنے میں کئی روز لگ گئے۔ اس لیے ابن عمر اپنا لشکر لے کر آ پہنچے اور دونوں لشکر اس سرحدی مقام پر آپس میں مل گئے۔

چونکہ آنے والے لشکر کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اور بچے شغدفوں سے کود آئے تھے۔ اس لیے مسلمان انہیں گود میں اٹھا اٹھا کر گلوں سے لگا رہے تھے۔ پیار کر رہے تھے۔ اور بچے بھی اس طرح ان سے لپٹ رہے تھے۔ جیسے وہ ان کے قریبی عزیز ہوں۔

عبد اللہ بن سعد بڑے تپاک سے ابن عمر سے ملے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ اس لشکر کے ساتھ حضور سرور کائنات ؐ کے وہ نواسے بھی ہیں۔ کہ جن سے رسول خدا کو بہت زیادہ محبت تھی۔ جو مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے ہیں۔ تو وہ ان دونوں معصومین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ بھی گھوڑوں سے اتر کر عام مسلمانوں سے بغلگیر ہو رہے تھے دونوں شہزادے ہنستے ہوئے عبد اللہ بن سعد کی طرف بڑھے اور بغل گیر ہوئے۔ عبد اللہ نے کہا: خدا کا شکر و احسان ہے کہ آپ کی زیارت ہو گئی!

حضرت حسین ؓ نے کہا، خلیفہ سوم کی مہربانی سے ہم بھی شریک جہاد ہو گئے۔

عبد اللہ: آپ کی موجودگی کی برکت سے یقین ہے۔ خدا ہر مشکل کو حل کر دے گا اور مسلمانوں کو افریقیہ میں فتح عظیم عطا فرما دے گا۔

حضرت حسن: یہ خدا کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمانوں کو فتح دے گا۔ لیکن ہماری موجودگی سے خاص طور پہ برکت نازل ہو گی یہ خیال نہ کرو۔ ہم نے یہ کبھی فخر نہیں کیا کہ رسول خدا صلعم کے نواسے ہیں اور آپ کی پیاری بیٹی خاتون جنت کے بیٹے ہیں۔ یا ابن عم! خدا کی نظروں میں خاندانی شرف کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اسے عزیز رکھتا ہے۔ جو زیادہ پرہیزگار اور زیادہ عبادت گزار ہو۔

مگر میں مسلمانوں کا مشکور ہوں کہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی خاص طور پر عزت و وقعت کرتے ہیں۔

عبداللہ: کیوں نہ کریں۔ آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی خدمت سعادت مندوں کو حاصل ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ آگئے اور میں بھی آپ کی خدمت کر کے کچھ ثواب حاصل کر لوں گا۔

عبداللہ انہیں ساتھ لے کر خیمہ پر آئے۔ ان کے لیے اپنے خیمہ کے پاس ہی ایک خیمہ نصب کرا دیا اور ابن عمر کا تمام لشکر عبداللہ بن سعد کے لشکر کے گرد فروکش ہو گیا۔

چونکہ یہ ۲۰ ہزار لشکر تھا اور عبداللہ کے ساتھ ۱۰ ہزار تھا۔ اس لیے اب کل لشکر کی تعداد ۳۰ ہزار ہو گئی تھی۔ ان مسلمانوں نے اس روز وہیں قیام کیا۔ اور عبداللہ بن سعد نے ابن عمر سے دوسرے روز آگے کوچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر ابن عمر نے بتایا کہ بچے اور عورتیں متواتر سفر کرنے سے تھک گئی ہیں ایک دو روز انہیں قیام کر کے آرام کرنے دو۔

چنانچہ یہ لشکر وہیں ٹھہر گیا۔ زویلہ کے قریب ایک آبشار تھا۔ پانی پہاڑ کی بلند چوٹی سے چٹانوں پر گرتا تھا۔ اور سفید سفید جھاگ اڑاتا ہوا نشیبی جانب بہہ جاتا تھا۔ یہ منظر نہایت خوب تھا۔ اس کے چاروں طرف دور تک سبزہ زار تھا۔ پھولوں کے تختے اور چھوٹے بڑے پہاڑی درخت کھڑے تھے۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے عبداللہ بن سعد کے ساتھی اکثر چلے جاتے تھے۔ اب نئے آنے والے مسلمان بھی جانے لگے اور عورتوں نے بھی اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور ابن عمر نے انہیں بھی اجازت دی وہ بھی آنے جانے لگیں۔

چونکہ یہ نیا لشکر بڑی تیزی سے آیا تھا۔ اس لیے جانور اور آدمی سب ہی تھک کر چور ہو گئے تھے اور سب ہی کو آرام کرنے کی ضرورت تھی ابن عمر نے اس بات کو سمجھ لیا تھا۔ اور انہوں نے اس وقت تک وہاں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ جب تک جانوروں اور انسان کی تھکان دور ہو۔

باب ۷

ایک حور وش نازنین

سرور، عبداللہ بن سعد کے لشکر کے ساتھ تھے۔ ان کے تحت میں ۵۰۰ مجاہدین کا رسالہ تھا۔ جب سے وہ زویلہ کے سامنے آ کر مقیم ہوئے تھے۔ اس وقت ان کا یہ وطیرہ ہو گیا تھا کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی آبشار کے پاس کسی سبزہ زار چٹان پر جا بیٹھتے۔ اور وہیں قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے۔ ایک روز وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی حسب عادت آبشار کی طرف چل پڑے۔ اتفاق سے وہ سراپردہ کے قریب سے ہو کر گزرے۔

مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ ان کے جس لشکر کے ساتھ عورتیں ہوتیں وہ ان کے لیے امن و اطمینان کی جگہ خیمہ اس طرح نصب کرتے تھے کہ ان کا ایک حلقہ قائم ہو جاتا تھا۔ اور خیموں کے درمیان میں کافی صحن خواتین عرب کے نماز پڑھنے اور چہل قدمی کرنے اور دوسرے کاموں کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

جس حصہ لشکر میں عربی خواتین رکھی جاتی تھیں۔ اسے سراپردہ کہتے تھے۔ جوں ہی سرور سراپردہ کے قریب سے گزرے ایک پری پیکر عربی دوشیزہ نے خیمہ کا پردہ اپنی نرم و نازک اور پتلی انگلیوں سے ذرا سا کھسکایا اور اپنا روئے تاباں نکال کر جھانکا۔

یہ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی۔ اس کے اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا کر جھانکنے سے بالکل ایسا معلوم ہوا۔ جیسے سیاہ بادلوں کو پھاڑ کر چودھویں رات کا چاند نکل آیا ہو۔

اس نے سرور کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ اور حسن و جمال کی رو سے اس کے نرم چہرہ پر دوڑ گئی۔ سرمگیں رشک غزال جیسی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہوئی۔ وہ جلدی سے خیمہ کے اندر سرک گئی اور چند ہی ثانیہ بعد ایک سفید چادر میں لپٹ کر سرور کے پیچھے

چل پڑی۔ سرور کو مطلق بھی علم نہ ہوا کہ کسی نے انہیں جھانک کر خیمہ سے دیکھا۔ اور کوئی حوروش ان کے تعاقب میں ہے۔ وہ سر جھکائے بغیر ادھر اُدھر اور سامنے دیکھے نہایت اطمینان اور بڑی بے فکری سے چلے جا رہے تھے۔

جس جگہ اسلامی لشکر فروکش تھا۔ اس سے تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر پہاڑ کا ایک سلسلہ اٹھتا اور آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ اسی پہاڑ میں ایک قدرتی آبشار بھی تھا۔ چونکہ ابھی بہت ہی سویرا تھا۔ آفتاب ہنوز طلوع نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کوئی اس طرف آ جا نہ رہا تھا۔

سرور آہستہ آہستہ قرآن شریف کی کوئی سورت پڑھتے ہوئے پہاڑ کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے وہ ماہ طلعت حسینہ جو خیمہ سے نکل کر ان کے تعاقب میں چل پڑی تھی۔ بدن سمیٹے جسم کے ہر عضو کو چادر میں چھپائے خرام ناز سے چلی جا رہی تھی۔

چلتے چلتے سرور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مہ جبیں دوشیزہ بھی ان سے چند ہی قدم کے فاصلہ سے ایک بڑی چٹان کی آڑ میں چڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ پہاڑ کا یہ حصہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ ہر طرف جھاڑیاں جنگلی درخت اور پھولوں کے تختے تھے۔ یہاں پانی کے اوپر سے گرنے کا شور صاف طور پر سنائی دے رہا تھا۔ سرور اور بڑھے اور آبشار کے سامنے جا پہنچے۔ دو چٹانیں مشرق و مغرب سے اٹھتی ہوئی۔ بہت بلند ہو گئی تھیں۔ اور دونوں کے درمیان میں اوپر سے پانی کی دھار پڑ رہی تھی۔

نہایت دلفریب منظر تھا۔ سرور نے کچھ دیر کھڑے ہو کر آبشار کو دیکھا۔ اور ایک پتھر پر بیٹھ کر قدرے بلند آواز سے کلام اللہ کی تلاوت کرنے لگے۔ اس پہاڑ نے کبھی کا ہے کو خدائے ذوالجلال کا وہ کلام سنا ہو گا۔ جس کے متعلق خود خدا نے ارشاد فرمایا۔

لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ ● یعنی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ کے اوپر اتارتے تو وہ خوفِ خدا سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

مگر مسلمان تھے کہ دشت و جبل، بحر و بر میں خدا کا کلام پڑھتے رہے۔ جہاں بھی گئے خدا کی وحدانیت کی منادی کر آئے۔

غرض سرور کلام اللہ شریف کی تلاوت کرنے لگے۔ اور ماہ جمال عربی دوشیزہ ایک چٹان کے اوپر جھک کر ان کی طرف غور سے دیکھ اور سن رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں آفتاب طلوع ہو گیا۔ اور اس کی بنفشی شعاعیں سبزہ زار پہاڑ پر لوٹنے لگیں۔ اور سفید پانی پر عکس افگن ہو کر کچھ عجیب طرح سے جگمگانے لگیں۔ چند گستاخ کرنیں ماہوش کے حسین چہرہ پر بھی تصدق ہونے لگیں۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اس نے اس وقت اپنا روئے تاباں کھول لیا تھا۔ اور اس کے رخسارے گلاب کے پھولوں کی رنگت میں ڈوب گئے تھے۔ نزہت بخش ہوا کے خفیف جھونکوں نے اس کے شہابی رخساروں سے اٹھکیلیاں کرنے شروع کر دی تھیں۔

مگر اس سیم تن کو بالکل بھی معلوم نہ تھا کہ ہوا اور شعاعیں اس کے گورے مکھڑے کے تصدق ہو رہی ہیں۔ وہ ٹکٹکی لگائے سرور کو دیکھ رہی تھی۔ اور نہایت توجہ سے قرآن پاک سن رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں سرور نے تلاوت بند کی، اور خاموش بیٹھ کر قدرت کی صنعت کا مطالعہ کرنے لگے تھے۔

اب حوروش دوشیزہ اپنی جگہ سے آگے بڑھی۔ اس نے چادر اتار کر تہہ کی اور اپنے بائیں ہاتھ پہ ڈال لی۔ وہ مکمل عربی لباس پہنے تھی جو اس کے تن ناز پر خوب زیب دے رہا تھا۔ اس کے گیسوئے دراز کی سیاہ لٹیں دو چوٹیوں میں گندھی ہوئی تھیں۔ اور ان میں روپہلی لیس بھی گندھی تھی جس سے اس کی زلفیں دو کوڑیالے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ جو دونوں طرف اس کے گداز اور ابھرے ہوئے سینہ پر لوٹ رہی تھیں۔ اور گھٹنوں سے کچھ اوپر آ کر رک گئی تھیں۔ اس نے سر سے سیاہ رومال باندھ رکھا تھا جو نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ گلابی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے تھی۔

وہ محشر خرامی سے چل کر سرور کے سامنے آبشار کو دیکھتی ہوئی۔ اس طرح گزری۔ جیسے اس نے سرور کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ ہمہ تن آبشار کو دیکھنے میں مشغول ہے۔

جونہی سرور کی نگاہ اس سیم تن پر پڑی۔ وہ چونک پڑے انہوں نے غور سے اس رشک قمر کو دیکھا جلدی سے اٹھے اور بیساختہ پکارے "سلمیٰ..."

سلمیٰ ان کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ اس نے گھوم کر سرور کو دیکھا۔ اس کی رسیلی آنکھوں سے کچھ خوشی اور کچھ حیرت کی جھلک نظر آئی۔ مسیحا صفت لبوں پر تبسم دوڑا کچھ حجاب دامنگیر ہوا۔ لیکن فوراً ہی شوخی آ گئی۔ اس نے نقرئی لہجہ میں کہا "اچھا آپ ہیں"

سلمیٰ سرور کی منگیتر تھی۔ سرور اس کی طرف بڑھے۔ انہوں نے کہا "تم کب آئیں سلمیٰ"

اب سلمیٰ کی شوخی رخصت ہوگئی۔ اور وہ متین بن گئی۔ اس نے جب آپ کو دیکھا۔ سرور اس پیکر حسن کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دریافت کیا، مزاج تو بخیر ہیں؟"

سلمیٰ نے روکھے پن سے جواب دیا "آپ کی بلا سے"

سرور سمجھ گئے کہ وہ ان سے ناخوش ہے۔ انہوں نے کہا "کیا تم مجھ سے خفا ہو سلمیٰ"

سلمیٰ نے آبشار کی طرف منہ کر کے کہا۔ مجھے خفا ہونے کا کیا حق ہے"

سرور نے اس حور تمثال کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، حق...... تم میری نشاط روح ہو"

سلمیٰ نے آہستگی سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "مجھے بناؤ نہیں سرور"

سرور نے اس کے گلابی رخساروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بخدا میں سچ کہتا ہوں"

سلمیٰ: لیکن تم مجھے بغیر اطلاع کئے یہاں چلے آئے اور...... "

سرور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "یہ قصور مجھ سے ضرور سرزد ہوگیا۔ مگر یہ جانتی ہو یہ خطا کیوں ہوئی"

سلمیٰ نے جادو نگار آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے دریافت کیا "کیوں ہوئی"

سرور: محض جوش جہاد اور شوق شہادت کے غلبہ کی وجہ سے۔

سلمیٰ: کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں آپ"

سرور: خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔

سلمیٰ: جب تو میں غلطی پر تھی۔ ایک مسلمان میں یہ جذبہ ضرور ہونا چاہیے۔

سرور: تو کیا تم نے میرا یہ قصور معاف کر دیا۔

سلمیٰ: بے شک، لیکن آپ بھی تو مجھے معاف فرما دیں۔

سرور: آپ نے کیا خطا کی ہے۔

سلمیٰ: میں آپ سے بدظن ہو گئی تھی۔

سرور: میں نے معاف کیا۔ سلمیٰ! اسی لیے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی شخص سے اس وقت تک بدظن نہ ہو جب تک کوئی خاص بات آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن نہ لو"

سلمیٰ: اس طرح تو میں خدا کی بھی گناہ گار ہوئی۔ پروردگار مجھے معاف کرنا۔ حور وش سلمیٰ نے

دعا کے طریقہ پر ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سرور نے مسکرا کر کہا "اطمینان رکھو، جس خالق حسن نے تمہیں حسن کی دولت عطا فرمائی ہے۔ وہ ضرور اپنی حسینہ کی خطا بھی معاف کر دے گا"

سلمیٰ نے تیکھی چتون سے سرور کو دیکھتے ہوئے کہا "شاید آپ عیسائیوں کے ملک میں آ کر عربی معاشرت بھول گئے ہیں"

سرور: کیسے جانا یہ آپ نے۔

سلمیٰ: سنتی ہوں عیسائی مرد، عورتوں اور لڑکیوں کی تعریف ان کے سامنے کرتے ہیں"

سرور: یہ سچ ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ خدا معاف فرمائے مگر سلمیٰ..... "

سرور کچھ اور کہنے والے تھے کہ سلمیٰ نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا، خاموش...... کوئی اس طرف آ رہا ہے"

سرور نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو چند کمسن لڑکیاں اور بچے آ رہے تھے۔ انہوں نے جلدی سے کہا بے شک آ رہے ہیں۔ اب میرا یہاں کھڑا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی دیکھ نہ لے۔ پھر کب ملاقات ہوگی سلمیٰ؟"

سلمیٰ: جب موقع ہوا۔ اچھا سلام"

سرور: سلام۔ رشک حور سلام"

سلمیٰ مسکرانے لگی۔ سرور وہاں سے جھپٹ کر ایک بڑی چٹان کی آڑ میں چلے گئے۔ اور جلدی جلدی وہاں سے دوسری طرف جا کر لشکر کی طرف چل پڑے۔

سلمیٰ کے پاس کمسن و حسین عربی لڑکیاں اور لڑکے آ گئے اور وہ انہیں ساتھ لے کر آبشار کا تماشہ دیکھنے لگی۔

پیش قدمی

چند روز قیام کر کے نووارد لشکر کی شکستگی دور ہوگئی۔ اور اب مسلمانوں نے آگے بڑھنے کا تقاضا شروع

کیا۔ چونکہ افریقہ پر لشکر کشی کی اجازت مصر کے گورنر نے دربارِ خلافت سے حاصل کی۔ اس لیے وہی اس تمام لشکر کے سپہ سالار بھی قرار پائے۔ ابنِ عمر نے ان سے کہا، "اگرچہ میں اس لشکر کا جو مدینہ منورہ سے آیا ہے سردار مقرر ہو کر آیا ہوں۔ لیکن یہاں آکر میں اور میرا لشکر آپ کے محکوم ہو گئے ہیں۔ ہمیں آپ جو حکم دیں گے۔ اس کی تعمیل کریں گے۔

عبداللہ بن سعد نے کہا، "مگر میں یہ چاہتا تھا کہ اس تمام لشکر کی قیادت آپ کے ہاتھوں میں رہتی۔"

ابنِ عمر: نہ یہ مناسب ہے، نہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ میری اور تمام مسلمانوں کی خواہش یہ ہے "کہ تمام لشکر کی کمان آپ ہی کریں۔"

عبداللہ: جب کہ آپ سب ہی مجھے یہ عزت دینا چاہتے ہیں تو میں بڑے فخر کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اب ہمیں طرابلس کی طرف بڑھنا چاہیے۔

ابنِ عمر: مجھے بھی یہ ہی بات معلوم ہوئی ہے کہ زویلہ سے آگے طرابلس کا قلعہ ہے جو نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ اسے تسخیر کرنے کے بعد ہی ہم افریقہ کے دارالسلطنت شہر سبیطلہ کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔

عبداللہ: یہ ہی بات ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کل سے لشکر کی روانگی کر دی جائے۔

ابنِ عمر: کیا آپ تھوڑا تھوڑا لشکر بھیجنا چاہتے ہیں۔

عبداللہ: ہاں میرا یہ ہی ارادہ تھا۔

ابنِ عمر: مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لیے ممکن ہے طرابلس میں عیسائیوں کا لشکر زیادہ ہو۔ اور وہاں جب ہماری تھوڑی سی فوج پہنچے اور وہ اس پر اچانک حملہ کر دیں۔

عبداللہ: یہ بات بہت ممکن ہے۔

ابنِ عمر: اس کے علاوہ راستہ بھی نہایت دشوار گزار اور خطرات سے پُر ہے۔ تھوڑا تھوڑا لشکر بھیجنا ٹھیک نہیں ہے۔

عبداللہ: رائے مناسب ہے، اچھا تو کل تمام لشکر کوچ کرے گا۔

ابنِ عمر: اور زویلہ پر کس قدر لشکر چھوڑا جائے گا۔

عبداللہ: کسی قدر بھی نہیں۔

ابنِ عمر: اگر ارسانوس نے بے وفائی کی۔ اور ہم پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ تب کیا ہو گا؟

عبداللہ: میرے خیال میں وہ ایسا نہ کرے گا۔

ابنِ عمر: کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔

عبداللہ: ہاں! ارسانوس جرجیر کی پری زاد لڑکی پر فریفتہ ہے اور ہمارے ذریعہ سے اسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ابنِ عمر: میں نے مصر میں داخل ہوتے ہی اس لڑکی کے حسن و جمال کی تعریف سنی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی بہت زیادہ حسین و جمیل ہے۔

عبداللہ: میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔ بلکہ حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر بھی ہے۔

ابنِ عمر نے مسکرا کر کہا، "اس کی بہادری اس کے بڑھتے ہوئے حسن کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جس کسی سے وہ جنگ کرنا چاہتی ہو گی۔ وہ اس کے رخِ زیبا کو دیکھ کر اس پر حملہ کرنے سے باز رہ جاتا ہو گا۔

عبداللہ: ممکن ہے یہ ہی بات ہو۔

ابنِ عمر: تو گویا ارسانوس کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

عبداللہ: میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔

ابنِ عمر: اگرچہ ان عیسائیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارا اعتماد خدا پہ ہے۔ جو اسے منظور ہے وہی ہو گا۔

اسی روز تمام لشکر میں اعلان کرا دیا گیا۔ کہ اگلے روز لشکر کا کوچ ہو گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنا سامان سنبھالنا اور باندھنا شروع کر دیا۔ ارسانوس کو بھی معلوم ہو گیا اور وہ عبداللہ بن سعد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی، "میں نے سنا ہے کہ کل آپ طرابلس کی جانب کوچ کرنے والے ہیں؟"

عبداللہ نے کہا، "آپ نے ٹھیک سنا ہے۔"

ارسانوس: اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنے چیدہ چیدہ بہادر اور جاں نثار سواروں کو ساتھ لے کر آپ کے ہمراہ چلوں۔"

عبداللہ: اگر آپ اس بات کو پسند کریں، تو میری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرنا چاہتے ہیں۔

ارسانوس: اس لیے کہ شاید میں ماہ پارہ ہیلن کو حاصل کر سکوں۔

عبداللہ: ہاں قسمت آزمائی کیجئے۔ ہمیں راہبر کی ضرورت بھی ہے۔

ارسانوس: اور جاسوسوں کی بھی ضرورت ہوگی آپ کو۔

عبداللہ: ٹھیک کہا آپ نے۔ راہبروں اور جاسوسوں دونوں کی ہی ضرورت ہے۔

ارسانوس: یہ دونوں کام میرے وفادار سپاہی انجام دیں گے۔

عبداللہ: تب میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کس قدر سپاہی لے چلیں گے آپ۔

ارسانوس: کچھ زیادہ نہیں، صرف ڈھائی سو۔

عبداللہ: بہتر ہے تو آپ بھی تیار ہو جائیے۔

ارسانوس چلا گیا۔ اور عبداللہ نے یہ بات ابنِ عمر سے جا کہی۔ انہوں نے کہا "یہ بہت ہی اچھا ہے کہ ارسانوس ہمارے ساتھ ہوگا۔ اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے نوبیہ والوں کی بغاوت کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

عبداللہ: یہ ہی بات میں نے بھی سوچی ہے۔

اسی روز شام کے وقت ارسانوس کا شاہی خیمہ قلعہ کے باہر ایستادہ کر دیا گیا۔ اور اس کے ڈھائی سو جانباز اور بہادر سپاہی بھی اس کے خیمہ کے گرد آ ٹھہرے۔

دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اسلامی لشکر میں ہلچل شروع ہو گئی۔ عبداللہ نے تمام لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ دستے ابنِ عمر، ابنِ عباس، حضرت حسن، حضرت حسین، ابنِ جعفر کی سرکردگی میں دیے گئے۔ ہر ایک کو تین تین ہزار سوار دیے گئے۔ اور باقی کل لشکر عبداللہ نے اپنے تحت میں رکھا۔ البتہ سرور کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ عورتوں کی حفاظت و نگرانی پر مامور کر دیا۔

اب لشکر کی روانگی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ابن عمر چلے۔ جب وہ ایک میل نکل گئے تو ابن عباس چلے، ان کے پیچھے حضرت حسن، ان کے پیچھے حضرت حسین اور ان کے بعد ابنِ جعفر روانہ ہوئے۔ ان تمام دستوں میں ایک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ ان کے بعد عبداللہ مع تمام لشکر اور ارسانوس کے چل پڑے۔ اور سب سے پیچھے سرور عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔

چونکہ ہر دستہ ایک دوسرے سے ایک میل کے فاصلہ سے چلا۔ اس لیے دس گیارہ میل کی دوری میں اسلامی لشکر پھیل گیا اور سرور دوپہر کے وقت روانہ ہوئے۔

جس قطع زمین کو مسلمانوں نے طے کرنا شروع کیا۔ وہ سخت دشوار گزار تھا۔ شروع میں کچھ حصہ سر سبز شاداب آیا۔ گھاس، جھاڑیاں، درخت اور پانی سب کچھ ملا۔ مگر جوں جوں آگے بڑھتے گئے خشک ریگستان شروع ہو گیا۔ اور اس ریگ زار میں ہرنوں کی ڈاریں اور شتر مرغ کثرت سے ملتے چلے گئے۔ مسلمان جب اور جس قدر چاہتے ہرنوں کا شکار کر لیتے اور پرندے خوب بھون بھون کر کھاتے۔

جب ریگستان ختم ہو گیا۔ تب جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس قدر دشوار گزار تھا کہ سوار تو سوار پیادہ آدمی سے بھی درختوں کے تنوں اور شاخوں میں سے گزرنا مشکل تھا۔ درخت ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہوئے کھڑے تھے۔ اور ان کی شاخیں اس طرح گتھی ہوئی تھیں۔ کہ راستہ ہی نہ ملتا تھا۔ عام جنگل کے علاوہ راستے پر ٹہنے اور شاخیں اس طرح جھک آئی تھیں کہ رہروؤں کو چلنے میں بڑی دقت اور تکلیف کا سامنا ہوتا تھا۔

ایک ہزار مسلمانوں نے تلواروں اور کلہاڑیوں سے موٹے موٹے ٹہنے اور لمبی لمبی شاخیں تراش تراش کر راستہ صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس طرح لشکر کو کوچ کرنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی مسلمانوں نے دیکھا کہ جنگل میں عجیب عجیب قسم کے زہریلے سانپ اور اژدہے بکثرت بکھرے پڑے ہیں کسی طرف بندروں کی کثرت ہے۔ جو ہندوستان کے بندروں سے بڑے اور تنومند تھے۔ درختوں کی شاخوں پر اچھلتے، کودتے اور جھولتے نظر آتے تھے۔ کہیں سفید جسم اور سیاہ منہ والے لنگور تھے جن کی دمیں بڑی بڑی لمبی تھیں۔ جو دس دس پندرہ پندرہ گز لمبی جست لگاتے تھے اور جست لگاتے وقت اگر وہ مسلمانوں کو دیکھ لیتے تھے تو درمیان ہی سے الٹے ہو کر وہیں جا پڑتے تھے۔ جہاں سے وہ کودتے تھے۔

کچھ دور اور چل کر انہوں نے ایسے جانور دیکھے۔ جن کے قد انسانوں کے برابر تھے۔ ان کے تمام جسم پر ریچھ کی طرح سیاہ اور لمبے لمبے بال تھے۔ چہرے آدمیوں سے بالکل مشابہ تھے۔ اور عام انسانوں کی طرح دونوں پیروں سے چلتے تھے۔ یہ گوریلا کہلاتے تھے۔ ان کی حرکتیں بالکل آدمیوں کی سی تھیں۔

ڈارون نامی ایک انگریز نے مدتوں کے غور و مطالعہ کے بعد دنیا کے سامنے یہ بات پیش کی تھی کہ انسان بندروں کی نسل سے ہیں۔ جس پر ساری دنیا نے جس کی نسل سے انسان کو بتایا جاتا

تھا۔ بہت چھوٹے قد و قامت کا ہو۔ اور انسان اس سے کئی حصے ڈیل ڈول میں بڑھ گیا ہو۔ ممکن ہے انھوں نے گوریلے دیکھے ہوں۔ اور انہیں انسانوں سے مشابہ سمجھ کر خیال کیا ہوا ہو کہ انسان گوریلا کی نسل سے ہیں۔ اور گوریلا کو بندر سمجھا ہو۔

عربوں نے بھی اس سے پہلے گوریلے نہیں دیکھے تھے۔ اور انہیں اور ان کی حرکتیں دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ گوریلے بھی عربوں کو دیکھ کر حیران ہوتے اور درختوں کی شاخوں اور پتوں میں سے جھانک جھانک کر دیکھتے۔ اور خوش فعلیاں کرتے ہوئے یا تو وہ جنگل کی طرف بھاگ جاتے یا درختوں پر چڑھ کر ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جست لگاتے گئے۔

عربوں نے چاہا کہ ان انسان نما جانوروں میں سے ایک دو کو گرفتار کر لیں تاکہ حجاز مقدس میں انہیں بھیجیں اور عرب انہیں دیکھ کر حیران ہوں۔

مگر گوریلا بڑا چالاک اور خوفناک و خونخوار جانور ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک بھی ان کے ہاتھ نہ آیا۔

اس جنگل کے ایک حصہ میں نہایت عظیم الجثہ ہاتھی ملے۔ جو قد و قامت میں ہندوستان کے ہاتھیوں سے ڈیوڑھے تھے۔ ان کے کان اس قدر لمبے اور چوڑے تھے کہ انہیں دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی نر اور مادہ دونوں کے دانت نکلے ہوئے تھے۔

راستہ میں ایک بڑا دریا آگیا۔ مسلمانوں نے اس پر پل بنانا شروع کر دیا اور جب تک پل تیار ہوا۔ سب اس کے کنارے ہی فروکش رہے۔

ایک روز بہت سے مسلمانوں نے دیکھا کہ چند گھوڑے سمندر کی طرف سے دریا میں تیرتے چلے آرہے ہیں۔ بڑے خوفناک اور تنومند ہیں۔

جو عرب لوگ دریا کے کنارے بیٹھے تھے۔ ان نڈر گھوڑوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں دریا میں کھینچنا چاہا۔ مگر عرب بہت ہی جلد پیچھے ہٹ گئے۔ اور ان پر تیروں کی باڑھ ماری۔ گھوڑے واپس ہوئے اور بڑی تیزی سے سمندر کی طرف تیرتے ہوئے چلے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دریائی گھوڑے تھے۔

جب پل تیار ہو گیا۔ تو اسلامی لشکر اس کے اوپر سے آگے بڑھا اور چند ہی فرسنگ چلا ہو

گا کہ سامنے طرابلس کا مشہور اور مضبوط قلعہ نظر آنے لگا۔

یہ شہر طرابلس سمندر کے کنارے واقع تھا۔ کچھ دور چل کر سمندر کا نیلگوں پانی نظر آنے لگا۔

جب مسلمان قلعہ کے سامنے پہنچے، تو اس کا پھاٹک کھل گیا اور عیسائی سواروں کا سیلاب قلعہ سے نکل نکل کر میدان میں پھیلنے لگا۔

باب ۸

جنگ

عیسائیوں کا لشکر بڑی تیزی سے قلعہ سے باہر نکل رہا تھا۔ اور میدان میں آکر صف بستہ ہوتا جاتا تھا۔ سب سے آگے ابن عمر اپنا لشکر لیے چلے آرہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ عیسائی قلعہ کے اندر سے نکل نکل کر صفیں مرتب کرنے لگے ہیں۔ اور وہ لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو ان سے کسی قدر فاصلہ پر ٹھہرا کر میمنہ اور میسرہ قائم کرنا شروع کر دیا۔

ابھی ان کی صفیں مرتب بھی نہ ہوئی تھیں کہ ابن زبیر بھی اپنے دستہ کے ساتھ پہنچ گئے۔ ابنِ عمر نے اپنا لشکر سمیٹ کر قلب میں کر لیا اور ابنِ زبیر میمنہ میں جا پہنچے۔ ان کے فوراً ہی بعد ابنِ عباس آگئے اور وہ میسرہ میں جا کھڑے ہوئے۔ ان کے پیچھے ہی پہلے حضرت حسن اور پھر حضرت حسین آگئے۔ یہ دونوں ابنِ عمر کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔

اس عرصہ میں پندرہ بیس ہزار عیسائی قلعہ سے نکل کر میمنہ اور میسرہ وغیرہ قائم کر کے لڑائی کے لیے مستعد ہوگئے۔

چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کا لشکر صرف دس ہزار ہی آیا تھا۔ اور یہ عیسائیوں کے مقابلہ بہت ہی تھوڑا تھا۔ اس لیے طرابلس والوں نے مسلمانوں پر یورش کر دی۔ ان کے رسالے جو آہن پوش تھے بڑے جوش و خروش سے بڑھنے لگے۔ انہوں نے لمبے لمبے نیزے ہاتھوں میں لے لیے اور بائیں ہاتھ میں ڈھالیں سنبھال لیں۔ اور وہ کچھ اس طرح سے چلے جیسے وہ مسلمانوں کو پامال ہی کر ڈالیں گے۔

ابنِ عمر نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو مستعد ہو جانے کا اشارہ کیا اور جب عیسائی کچھ قریب آگئے تو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

اس نعرہ کو سنتے ہی مسلمانوں نے بھی نیزے نکال لیے۔ ڈھالیں پشت سے اتار کر ہاتھوں میں

لے لیں۔ اور جب ابنِ عمر نے دوسرا نعرہ لگایا تو انہوں نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کر دیا۔

عیسائی بڑی تیزی سے بڑھے چلے آرہے تھے جب وہ بہت ہی قریب آگئے۔ تب ابنِ عمر نے تیسرا نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کو سنتے ہی مسلمانوں نے نہایت شور کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمان کے تمام دستے حرکت میں آگئے۔ ہر رسالہ بڑے جوش و خروش سے بڑھا، ادھر سے عیسائی آرہے تھے۔ دونوں لشکر باہم ٹکرا گئے اور نہایت زور و شور کے ساتھ نیزے چلنے لگے۔

اس وقت ایک پہر سے زیادہ دن چڑھ آیا تھا۔ دھوپ ہر طرف اور ہر چیز پر پھیل گئی تھی۔ نیزوں کی انیاں آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہی تھیں۔

عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے پر بڑے زور و قوت سے حملے کر رہے تھے۔ عیسائیوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو روند ڈالیں گے۔ اور نیزوں سے چھید کر گرا دیں گے۔ اور ان کے خون سے ارضِ طرابلس کو گلنار بنا دیں گے۔ مگر جب مسلمانوں نے ان پر حملے کیے اور ان کے چھوٹے چھوٹے نیزوں نے عیسائیوں کے سینے اور پیٹ بیندھنے شروع کر دیے۔ تو عیسائی سمجھ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ مسلمان ایسے نرم اور موم کے نہیں ہیں۔ کہ عیسائی انہیں جیسے اور جس طرح چاہیں توڑ موڑ لیں۔

بلکہ انہیں نظر آنے لگا کہ خلاف توقع مسلمان نہایت بہادر، بڑے شہ زور، جفاکش اور کمال نڈر ہیں۔ وہ میدانِ جنگ کو بازیچہ طفلاں اور جنگ و پیکار کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔

لیکن عیسائی مسلمانوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ اس لیے ان کے دل بڑھے ہوئے تھے اور وہ بھی بڑی بے خوفی اور پورے جوش سے لڑ رہے تھے۔ جب کہ مسلمانوں نے دیکھا کہ جنگ طول کھینچتی چلی جا رہی ہے۔ اور نیزے اس پھرتی سے کانٹ چھانٹ نہیں کر رہے۔ جیسے وہ چاہتے تھے۔ تو انہوں نے ہاتھوں سے نیزے ڈال دیے اور تلواریں سونت لیں۔

تلواریں کھینچتے ہی انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور بڑے جوش اور نہایت زور و قوت سے حملہ کر دیا۔ انہوں نے افریقی عیسائیوں کے نیزے کاٹ کاٹ کر ان پر حملے شروع کر دیے۔

عیسائیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے بھی نیزے پھینک دیے۔ اور تلواریں نکال کر نہایت جوش و خروش سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان بھی پر زور حملے کرتے ہوئے عیسائیوں میں گھستے چلے گئے۔ اور عیسائی مسلمانوں میں دھنس گئے۔ لڑائی گھمسان کی ہونے لگی۔ صاف و شفاف تلواریں

بجلی کی طرح کوندتی ہوئیں انسانوں کے سروں پر چمکنے لگیں۔

مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ بہادر جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ تلواریں کھاٹ کرنے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ ڈھر گر گر کر تڑپنے لگے۔ خون کے پر نالے بہ گئے۔ آفتاب کی شعاعوں میں سفید سفید تلواریں برق خاطف کی طرح کوندرہی تھیں۔

چونکہ عیسائی آہن پوش تھے۔ زرہ بکتر پہنے چار آئینے لگائے اور خود اوڑھے تھے۔ اس لیے مشکل سے ان پر تلواریں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچارہی تھیں۔ مسلمان شہید بھی ہورہے تھے اور زخمی بھی۔ مگر جب کوئی مسلمان زخمی ہوجاتا تو نہایت جوش و غضب میں آکر دشمنوں پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ اور جب تک ایک دو عیسائی قتل نہ کر ڈالتا تھا قرار نہ پکڑتا تھا۔

عیسائیوں کے حوصلے اس وجہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کہ ایک تو ان کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ دوسرے وہ آہن پوش تھے۔ اور مسلمان معمولی زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے۔ تیسرے وہ اپنے ملک اپنے وطن اور اپنے گھر میں تھے۔ اور مسلمان ایک غیر ملک میں تھے۔ چوتھے عیسائیوں کو مدد پہنچنے کی امید تھی اور مسلمانوں کو کوئی امید نہ تھی۔

اس لیے عیسائی بڑی بے خوفی۔ بڑی دلیری اور بڑے جوش سے لڑرہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر بھگادیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے گویا یہ قصد کرلیا تھا کہ سارے ہی عیسائیوں کو قتل کرکے دم لیں گے۔ اس لیے وہ بڑی پھرتی، بڑی جرأت اور بڑی بے باکی سے حملے کررہے تھے۔ ہر مجاہد خونخوار شیر بنا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر اور سامنے بڑے جوش اور بڑی قوت سے حملہ کررہا تھا۔

چونکہ جنگ مغلوبہ شروع ہوگئی تھی۔ اس لیے کسی فریق کی کوئی صف بھی قائم و باقی نہ رہی تھی فریقین تھوڑے تھوڑے گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ اور ہر گروہ اپنے مدمقابل سے مصروف جنگ تھا۔ نہایت جوش و خروش سے ایک فریق دوسرے فریق پہ وار کر رہا تھا۔ عیسائی گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ مسلمان خاموش تھے۔ ہزاروں عیسائی قلعہ کی فصیل پر چڑھ آئے تھے۔ اور وہ بھی اپنے بہادر جنگجو سپاہیوں کے دل بڑھانے کے لیے اس قدر شور کررہے تھے۔ کہ تمام فصیل، سارا قلعہ اور وہ کل میدان میں گونج اٹھا تھا۔ جس میں جنگ ہورہی تھی۔

ابن عمر ایک ہاتھ میں علم اور ایک میں تلوار لیے نہایت ہی جوش و خروش سے حملے کرتے

اور دشمنوں کو مارتے کاٹتے بڑھ رہے تھے۔ وہ اکثر ایسے گروہ پر حملہ کرتے جس میں دشمنوں کے زیادہ لوگ ہوتے۔ اور پُر زور حملے کرکے ان میں سے زیادہ تعداد سپاہیوں کی قتل کر ڈالتے۔ جو دو چار باقی رہ جاتے وہ ان سے ڈر کر اِدھر اُدھر دب جاتے یا بھاگ کر دوسرے گروہ میں مل جاتے۔ اور ابن عمر دوسرے گروہ پر جا ٹوٹتے۔

ابن جعفر بھی ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار لیے نہایت جوش و غضب سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ جس عیسائی کے اوپر حملہ کرتے اسے خاک و خون میں لٹادیتے تھے۔ جس بہادر کے تلوار مارتے خود کاٹ دیتے اور کھوپڑی توڑ ڈالتے۔ انہوں نے بھی بہت سے عیسائیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ اور برابر ٹھکانے لگاتے جاتے تھے۔

ابن عباس بھی جوش و طیش میں آ آکر حملے کر کر کے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ وہ بھی جس سوار پر حملہ کرتے۔ جب تک اُسے قتل نہ کر ڈالتے اس کا پیچھا نہ چھوڑتے۔

حضرت حسن بائیں ہاتھ میں ڈھال اور داہنے ہاتھ میں تلوار لیے بڑے جوش اور بڑی قوت سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی جانستان تلوار جس چیز پر پڑتی تھی۔ اسے کاٹ ڈالتی تھی۔ زرہ بکتر کو توڑ کر سینہ کو چیر ڈالتی تھی۔ اور شانوں کے اوپر کی زنجیر کاٹ کر سر اڑادیتی تھی۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اور ہر حملہ میں کم سے کم ایک عیسائی کو ضرور مار ڈالتے تھے۔ چونکہ وہ نوجوان تھے۔ اس لیے عیسائی انہیں قتل کر ڈالنے کے ارادے سے ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔ مگر جب وہ حملہ کرکے خود ان کے اوپر جھپٹتے تھے۔ تو حملہ آور عیسائی گھبرا جاتے تھے۔ ان کی آنکھیں فرط رعب و خوف سے بند ہوجاتی تھیں اور حضرت حسن کی تلوار ان کا خاتمہ کر ڈالتی تھی۔

حضرت حسین کو بھی بڑا جوش اور طیش آرہا تھا۔ وہ بھی پر زور حملے کرکے عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ جس طرف حملہ کرکے جاتے تھے۔ دو چار دشمنوں کو قتل کر ڈالتے تھے جس گروہ پر ٹوٹتے تھے اسے ختم کرکے ہی پلٹتے تھے۔

چونکہ وہ حضرت حسن سے چھوٹے تھے۔ اس لیے عیسائی انہیں ناآزمودہ کار سمجھ کر ان پر یورش کرتے تھے۔ مگر جب وہ شیر اسلام ان حملہ کرنے والوں پر وار کرتے، تو وہ خائف و ترساں ہو جاتے تھے اور ان کی تلواروں کی چمک دیکھ کر ہی اپنی جانوں سے ناامید ہو جاتے تھے۔

انہیں کیا خبر تھی، کہ یہ دونوں ہاشمی نوجوان ہیں۔ ان کے زور و قوت کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہے وہ دونوں ہی ان کے تمام لشکر کے لیے کافی ہیں۔ ان کی خدا داد طاقت کا مقابلہ انسان تو کیا شیرِ ببر بھی نہیں کر سکتا ہے۔

حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کے فرزند۔ فاطمۃ الزہرا کے جگر بند اور رسول خدا کے نور سے اس قدر بہادر اور طاقت ور تھے۔ کہ بڑے بڑے سورما ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ جو ان کے سامنے آجاتا تھا۔ وہ قتل ہی ہو کر رہ جاتا تھا۔

معلوم ایسا ہوتا تھا۔ جیسے خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ جس شخص پر وہ دونوں حملہ کریں۔ وہ فوراً ہی کشتہ ہو جائے۔ شاید فرشتے ان کی مدد اور حفاظت کر رہے تھے۔

عیسائی اپنی طاقت اور پورے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ لیکن ان کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بنا ہوا تھا۔ بڑی تیزی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے انہیں ٹھکانے لگا رہا تھا۔ نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ سر اولوں کی طرح برس رہے تھے اور ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ دھڑ تناور درختوں کی طرح گر رہے تھے۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔

جو سوار مر مر کر گر رہے تھے۔ ان کے گھوڑے بڑی بے ترتیبی سے بھاگ رہے تھے۔ اور وہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز کو روند ڈالتے تھے، جو ان کے سامنے آجاتی تھی۔

عیسائی جوں جوں جوش و غضب میں آ آکر، بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے مسلمان جھپٹ جھپٹ کر ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔ وسیع و عریض میدانِ جنگ میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے خون آلودہ تلواریں بلند ہو ہو کر خون کی بارش کر رہی تھیں۔ ہر جنگجو کے کپڑے خون میں اس طرح تر ہو گئے تھے۔ جیسے انہوں نے خون سے ہولی کھیلی ہو۔

اگرچہ عیسائیوں کی بڑی تعداد لقمۂ اجل ہو گئی تھی۔ مگر ابھی تک ان کے جوش و خروش میں فرق نہیں آیا تھا۔ وہ برابر جنگ کر رہے تھے۔ اور ابھی تک وہ اسی خیال میں مبتلا تھے۔ کہ وہ مسلمانوں کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ مگر مسلمان تھے کہ کسی طرح ان کے قابو ہی میں نہ آتے تھے۔ نہایت غیظ و غضب سے حملے کر کر کے انہیں قتل کر رہے تھے۔ جب کہ یہ خونریز ہنگامہ جاری تھا اور موت کا فرشتہ مرنے والے بہادروں کی روحیں کھینچ رہا تھا۔ اس وقت زویلہ کی طرف سے گرد و غبار بلند ہوا اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

مسلمانوں نے اس غبار کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ اسلامی لشکر آرہا ہے۔ انہوں نے کوشش کی کہ اس لشکر کے آنے سے پہلے ہی لڑائی ختم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پر زور حملہ کیا۔ ابن عمر نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام مسلمانوں نے اس مبارک نعرہ کی تکرار کی اور ہر شیر دل مجاہد نے سنبھل کر بڑے زور و قوت سے حملہ کیا۔

عیسائیوں نے بھی اس غبار کو دیکھ لیا تھا۔ اور وہ بھی یہ سمجھ گئے تھے، کہ شاید کوئی اسلامی لشکر آرہا ہے کیونکہ اس طرف سے کسی عیسائی کے آنے کی امید نہ تھی۔ انہوں نے بھی سنبھل کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ ادھر مسلمانوں نے بھی بڑی سختی سے یورش کی، فریقین گتھ گئے۔ اور بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ اگرچہ لڑائی شروع ہوئے کئی گھنٹے ہو گئے تھے۔ لیکن اس وقت جس جوش و خروش سے جنگ ہو رہی تھی۔ ایسی اس سے قبل نہ ہوئی تھی۔

عیسائی اور مسلمان دونوں اپنے اپنے حریف کو زک دینے کے لیے نہایت ہی سرگرمی سے جدال و قتال کرنے لگے تھے۔ تلواریں جلد جلد چلنے لگی تھیں اور سر و تن کے فیصلے بڑی تیزی سے ہو رہے تھے خون کے فوارے ابلنے لگے تھے۔ دھڑوں پہ دھڑ گر رہے تھے۔ اگرچہ مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے مگر زیادہ تعداد عیسائیوں کی نذرِ اجل ہو رہی تھی۔

اب غبار کا دامن چاک ہوا اور اسلامی لشکر تیزی سے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ یہ لشکر عبداللہ بن سعد امیر مصر کا تھا۔ جونہی عیسائیوں نے اس لشکر کو دیکھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ بدحواس ہو کر قلعہ کی طرف بھاگے۔

مسلمانوں نے جب انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے سمٹ کر ان کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ عیسائی گھبرا کر بھاگے تھے۔ اس لیے انہیں ٹھہر کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر وہ قاعدہ میں پسپا ہوتے تو ان کا اس قدر نقصان نہ ہوتا جیسا کہ اب ہوا۔ مفرور عیسائیوں کے کشتے لگتے چلے گئے۔ آخر وہ بھاگ کر قلعہ کے اندر داخل ہونے لگے۔ اور جب تک مسلمان پھاٹک کے پاس پہنچے۔ عیسائیوں نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بھی بند کر لیا تھا۔

مسلمان رک گئے اور جب عبداللہ بن سعد آگئے۔ تب انہوں نے قلعہ کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ مسلمانوں نے شہیدوں کو جمع کیا۔ تہتر مسلمان شہید ہوئے تھے

اور چھ ہزار عیسائی مارے گئے تھے۔

ان شہیدوں کی نمازِ جنازہ پڑھا کر انہیں دفن کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد مسلمانوں نے نہایت سختی سے محاصرہ کیا۔

شوخ حسینہ

عیسائی طرابلس میں محصور ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ رفتہ رفتہ ایسا شدید محاصرہ کیا کہ فصیل تک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائی گھبرا گئے۔ اور انہیں نظر آنے لگا کہ اگر بیرونی امداد نہ آئی۔ تو زیادہ دنوں تک مدافعت مشکل ہو گی۔

چنانچہ والئ طرابلس کے پاس معززینِ شہر کا وفد حاضر ہوا۔ اور اس سے کہا۔ کہ اگر محاصرہ کا یہ ہی حال دو چار مہینے۔ ہا تو اہلِ قلعہ بدحواس ہو جائیں گے۔ اس لیے شہنشاہ افریقیہ کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے کسی قاصد کو بھیجیے۔

طرابلس کا قلعہ دار حرقوص نامی ایک نہایت مدبر اور بہادر شخص تھا۔ اس نے کہا "ان بدبخت عربوں نے واقعی نہایت شدید محاصرہ کر لیا ہے۔ میں بھی یہ ہی سوچ رہا ہوں کہ حضور شہنشاہ جرجیر کی خدمت میں قاصد روانہ کر دوں۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہوں سے کسی شخص کا بچ کر نکل جانا ناممکن ہے"۔

حرقوص، مجھے خیال ہے مسلمان رات کو ہر پھاٹک پر نظر رکھتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل سکے۔

دوسرا شخص: میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے۔

حرقوص: کیا؟

دوسرا شخص: یہ سچ ہے کہ مسلمان شب و روز دروازوں کی طرف نگراں رہتے ہیں اور کسی شخص کا دن اور رات میں ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہے۔ مگر ایک راستہ ہے۔ کہ بدرو کے ذریعہ قاصد باہر بھیجا جا سکتا ہے"۔

حرقوص نے خوش ہو کر کہا، بالکل ٹھیک کہا، آپ نے"۔

چنانچہ فوراً ہی ایک شخص کو شہر سبیطلہ جانے کے لیے آمادہ کیا گیا۔ اور حرقوص نے خود ایک عریضہ لکھ کر اس کو دیا۔

جب رات ہو گئی تو قاصد بدرو میں گھس گیا۔ یہ بدرو کئی کمروں کے نیچے سے ہو کر گزرتی تھی۔ قاصد بدن سمیٹ کر اندر چلا اور جوں توں کر کے قلعہ کے باہر نکل ہی گیا۔ اس نے باہر کھڑے ہو کر دیکھا، تو سامنے اسلامی کیمپ تھا۔ اور اس میں آگ روشن ہو رہی تھی۔ قاصد نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک طرف کچھ اندھیرا سا معلوم ہوا۔ وہ اس طرف چل پڑا۔

رات اندھیری تھی اور وہ نہایت خاموشی سے اندھیرے میں بڑھتا چلا گیا۔ جب اس ٹیلے کے قریب پہنچا تو مسلمانوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا۔ ان کی دسترس سے باہر نکل گیا۔ مسلمانوں کو معلوم نہ ہوا کہ اہلِ طرابلس نے جرجیر کے پاس اپنا قاصد بھیج دیا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے محاصرہ نہایت سختی سے کر رکھا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی شخص قلعہ کے اندر یا باہر پھاٹک کے ذریعہ سے آ جا سکے۔ رات اور دن مسلمان ہر جانب سے پھاٹک کی خاص طور پر نگرانی کرتے رہتے تھے۔ قلعہ طرابلس کے چار عالی شان دروازے تھے۔ اور چاروں طرف اسلامی لشکر فروکش تھا۔ مجاہدین خاص طور پر نگرانی کرتے رہتے تھے۔ چونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس وقت عیسائی کس طرف سے دروازے سے نکل کر شبخون ماریں یا حملہ کر دیں۔ اس لیے عورتیں قلعہ زویلہ کے راستہ کی طرف اسلامی کیمپ کے عقب میں مقیم تھیں۔ اور سراپردہ کے پیچھے مسرور ایک ہزار جانباز سپاہیوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔

اسلامی کیمپ اور مسرور کے سپاہی دونوں سراپردہ سے فاصلہ پر تھے۔ گویا عربی خواتین درمیان میں تھیں۔ اور دونوں طرف اتنا میدان چھوٹا ہوا تھا۔ کہ عورتیں اچھی طرح چہل قدمی کر سکتی تھیں اور بے پردگی کا اندیشہ تھا۔

عربی مورخ لکھتے ہیں کہ یہ پتہ نہیں چلتا، کہ طرابلس کس جگہ واقع تھا۔ ان کا خیال ہے کہ شاید ٹریپولی کو طرابلس کہا جاتا ہو۔ البتہ اس بات پر ضرور متفق ہیں کہ سمندر کے ساحل کے قریب تھا۔ لیکن طرابلس کے نام سے ایک مشہور شہر اور اس کے متصل قلعہ آج بھی موجود ہے جو ساحلِ

سمندر ہی پر واقع ہے۔

یہ طرابلس پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اور اب اٹلی کے مقبوضات میں ہے لیکن شیخ سینوسی کے معتقدین اٹلی والوں کا مقابلہ ایک عرصہ دراز سے کر رہے ہیں۔ اور آزادی کی جدوجہد میں سروں کی بازیاں لگائے ہوئے ہیں۔ جس قدر اٹلی اپنی استبدادانہ گرفت کو طرابلس پر مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ اسی قدر حریت خواہ عرب اس کے تار پود بکھیرتے جاتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا، آج کا طرابلس ہی اس زمانہ کا بھی طرابلس تھا یا وہ کسی اور مقام پہ واقع تھا۔ اور یہ کسی اور مقام پر واقع ہے۔ البتہ تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں طرابلس تھا اور وہ ایک بڑے دریا کے کنارے واقع تھا۔ اور آگے بہہ کر سمندر میں جا گرتا تھا۔ اور موجودہ طرابلس ساحل سمندر پہ واقع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا طرابلس اور ہی تھا۔

دریا کے ایک ساحل پر عورتوں کا سراپردہ تھا۔ اور خواتین عرب اکثر دریا کے کنارہ پر بیٹھتیں۔ کپڑے دھوتیں مشکیزوں میں پانی بھر کر لے جاتیں۔ اور کھانا تیار کیا کرتیں۔

ایک روز رات کے وقت سرور اپنے خیمہ سے نکل کر سراپردہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ اکثر جاتے رہتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ عورتوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے یا انہیں کچھ کہنا تو نہیں ہے۔ جب وہ کچھ دور چلے، تو انہیں دوشیزگانِ عرب کے ہنسنے اور بولنے کی آوازیں آئیں۔ وہ سمجھ گئے کہ لڑکیاں کھیل رہی ہیں انہوں نے چاہا کہ اس وقت واپس لوٹ جائیے۔ مگر کوئی کشش تھی کہ انہیں کھینچے لیے چلی گئی۔ اور وہ بڑھتے چلے گئے۔

جب سراپردہ سو ڈیڑھ سو ہی قدم کے فاصلہ پر رہ گیا تو آواز صاف طور پر آنے لگیں۔ انہوں نے اپنی منگیتر کی بھی آواز سنی وہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔

قمری مہینہ کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ چاند نکلا ہوا تھا۔ اور دھیمی سی چاندنی سبزہ زار پہ پھیل رہی تھی۔ چونکہ مہینہ کا پہلا ہی عشرہ تھا۔ ساتویں یا آٹھویں تاریخ تھی۔ اس لیے نہ چاند پورا تھا نہ چاندنی سفید دھوپ کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ مگر اس دھندلی چاندنی میں بھی اس قدر روشنی تھی کہ کچھ فاصلہ کی چیزیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں سرور نے دیکھا کہ لڑکیاں ہرنیوں کی طرح جست لگاتی پھرتی ہیں۔ اور وہ کسی ایسے کھیل میں مشغول ہیں۔ جس میں بھاگنا، دوڑنا، اچھلنا، کودنا اور چھپنا پڑتا ہے۔

ایک مرتبہ کچھ لڑکیوں کا ایک غول ان کی طرف دوڑا۔ وہ جلدی سے ایک درخت کے تنا کے پیچھے

کھڑے ہو گئے۔ اور یہ سوچنے لگے کہ جب یہ لڑکیاں سراپردہ کی طرف چلی جائیں گی تو وہ اس کمینگاہ سے نکل کر اپنے جائے قیام کی طرف چل دیں گے۔

انہوں نے درخت کے تنا سے اس طرح کمر لگائی کہ لڑکیوں کی طرف ان کی پشت ہو گئی۔ گویا وہ نہیں دیکھ رہے تھے۔ البتہ ان کی آوازیں سن رہے تھے۔ انہوں نے سنا کہ ان کی منگیتر نے بلند آواز سے کہا "دیکھو میں چھپتی ہوں تم مجھے پکڑو۔"

"اچھا چھپو" بہت سی لڑکیوں کی آوازیں آئیں۔ اور پھر بھاگنے دوڑنے کی صدائیں آنے لگیں۔

کچھ دیر بعد ایک لڑکی اسی درخت کے قریب آ نکلی۔ جس کے پیچھے سرور چھپے ہوئے تھے۔ لڑکی نے انہیں نہیں دیکھا، مگر سرور نے دیکھ لیا۔ وہ گھبرا گئے اور تنے سے کمر لگائے ہی لگائے دوسری طرف کھسکنے لگے لڑکی بھی اسی درخت کے تنے سے آ چمٹی۔ اس کی نظر سراپردہ کی طرف تھی۔ دفعتاً وہ تیزی سے پیچھے ہٹی۔ اتنی تیزی سے کہ سرور وہاں سے نہ ہٹ سکے۔ اور لڑکی ان سے ٹکرا گئی۔

عربی دوشیزہ چونک پڑی۔ قدرے خائف بھی ہوئی۔ اس نے جلدی سے سرور کی طرف دیکھا۔ اور پہلی ہی نگاہ میں پہچان کر مسکراتے ہوئے کہا، "توبہ ہے تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔"

یہ حورِ وش دوشیزہ سلمیٰ تھی۔ سرور نے اس کے رخِ روشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مگر اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ تم ہی مجھ سے آ کر ٹکرا گئیں۔"

سلمیٰ نے ان کی طرف تیکھی چتون سے دیکھ کر کہا "لیکن آپ یہاں چوروں کی طرح آ کر چھپے ہوئے کیوں تھے؟"

سرور: میں سراپردہ کی طرف جا رہا تھا۔

سلمیٰ نے شوخی کے لہجہ میں کہا "جی سراپردہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ نہیں کہتے ہو کہ ہمیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر چوروں کی طرح چھپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔"

سرور نے اس شوخ حسینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں کیوں ایسا کرتا؟"

سلمیٰ نے بھولے پن سے کہا "میں کیا جانوں؟"

سرور: بھلا سلمیٰ کے کوئی لڑکی قریب تو نہیں ہے۔

سلمیٰ نے شرارت آمیز نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا "کیوں دریافت کر

رہے ہیں یہ آپ؟ کیا کچھ شرارت سوجھی ہے؟"

سرور نے متانت سے کہا "شوخی اور شرارت تو تمہارے لیے موزوں ہے، میں تو واپس جانے کی فکر میں ہوں"

سلمیٰ نے شوخی سے کہا "واپس کہاں جائیے گا۔ ٹھہریئے میں لڑکیوں کو بلاتی ہوں۔ وہ تمہاری خبر لیں گی"
یہ کہتے ہی شریر سلمیٰ نے آواز دینے کے لیے منہ کھولا۔ سرور نے جلدی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر عاجزی کے لہجہ میں کہا "کیا غضب کرتی ہو سلمیٰ! اگر کوئی لڑکی اس طرف آ گئی تو میں اور تم دونوں بدنام ہو جائیں گے"
سلمیٰ: "میں کیوں بدنام ہوتی۔ ہاں تم ضرور نام پا لوگے۔ میں ضرور اپنی سہیلیوں کو بلاؤں گی۔ یہ کہتے ہی پھر اس کے لب کھلے۔ سرور نے جلدی سے پھر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر کہا "نہیں نہیں سلمیٰ! ایسا نہ کرو"
سلمیٰ: "اچھا تو اقرار کرو۔ کہ پھر کبھی اس طرح چوروں کی طرح نہیں آؤ گے"
سرور: "کبھی نہ آؤں گا، اقرار کرتا ہوں"
سلمیٰ نے نقرئی قہقہہ لگایا۔ اس نے کہا "بس یہ ہی دلیری تھی آپ کی۔ ایک لڑکی سے ڈر گئے۔ آپ تو بڑے بہادر بنتے تھے"

اب سرور سمجھے کہ سلمیٰ نے انہیں خوب ڈرایا۔ انہوں نے کہا "سلمیٰ تم بڑی شوخ ہو"
سلمیٰ: "آخر تم اتنے سیدھے کیوں ہو۔"
سرور: "اب میں تم جیسا شریر اور چالاک کیسے بن جاؤں"
سلمیٰ نے مصنوعی غصہ بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا "اچھا میں شریر و چالاک ہوں"
سرور ڈر گئے انہوں نے کہا "نہیں شوخ....." سلمیٰ نے تیز نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا "اچھا شوخ ہوں"
سرور نے عاجزی کے لہجہ میں کہا "نہیں بھولی" اس وقت کچھ لڑکیوں کے قدموں کی چاپ قریب ہوئی
سلمیٰ نے سرور سے کہا "جائیے! جلدی یہاں سے چلے جائیے، میری سہیلیاں مجھے ڈھونڈنے آ رہی ہیں"
سرور درخت کے سایہ میں کچھ دور چلے اور پھر جھاڑیوں کی آڑ لے کر اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے

باب ۹

تھیوڈوس کا خواب

جرجیر تیاریٔ جنگ میں نہایت سرگرمی سے منہمک تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان عنقریب حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے افریقہ پہ حملہ کرنے سے قبل ہی وہ ملک مصر پہ چڑھ دوڑے۔
چونکہ اس کے تمام افسروں اور سرداروں کو بھی اس جنگ کی لو لگی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ بھی بڑی کوشش کر رہے تھے۔ اور اسی فکر میں تھے کہ مسلمانوں سے پہلے مصر پہ حملہ کر دیں۔ تاکہ عیسائی دنیا میں ان کی شہرت ہو جائے۔
لیکن ابھی ان کی تیاریاں مکمل بھی نہ ہوئی تھیں کہ انہوں نے سن لیا کہ مسلمان مصر سے روانہ ہو گئے جرجیر نے اپنی سرگرمی میں اور اضافہ کر دیا۔ اور اب رات دن لشکروں کی فراہمی اور سامان حرب کی تیاریاں کی جانے لگیں۔
دراصل جرجیر یہ چاہتا تھا۔ کہ اتنا عظیم الشان لشکر اس کے پاس جمع ہو جائے کہ جب وہ اسے لے کر مصر کی طرف چلے، تو مسلمانوں پر اس کی دھاک بیٹھ جائے۔ اب تک اس کے پاس ایک لاکھ لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اور پھر بھی وہ مزید لشکر فراہم کر رہا تھا۔
اس دوران میں اسے خبر ملی کہ مسلمانوں نے زولیہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اسے یہ خبر سن کر اس لیے غصہ آیا۔ کہ وہ جو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ابھی اپنے دارالسلطنت ہی میں موجود تھا اور مسلمان مصر سے نکل کر خود اس کے ملک پہ حملہ آور ہو گئے تھے۔
اب اس نے اپنی سرگرمیوں کو المضاعف کر دیا تھا۔ اور چونکہ اس کے جھنڈے کے نیچے اس قدر عیسائی لشکر جمع ہو گیا تھا جس کی گنجائش قلعہ کے اندر باقی نہ رہی تھی۔ اس لیے اس نے

لشکر کو قلعہ کے سامنے وسیع میدان میں قیام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اور وہیں فوجیں ٹھہرنے لگی تھیں۔ ایک روز اُسے اطلاع ہوئی کہ مسلمانوں نے زویلہ فتح کر لیا۔ اور اب طرابلس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسے اور بھی غصہ آیا۔ لیکن وہ پیچ و تاب کھا کھا کر ہی رہ جاتا تھا۔ یہ نہ کرتا تھا کہ فوراً لشکر لے کر چل پڑتا۔

چونکہ اس نے اعلان کر دیا تھا کہ یہ لڑائی محض عیسائیت کو اسلام سے بچانے کے لیے لڑی جائے گی۔ اس لیے تمام افریقہ بلکہ قسطنطنیہ تک اس کی شہرت ہو گئی تھی۔ اور افریقہ کے ہر گوشہ سے عیسائی مجاہدوں کے گروہ آنے لگے۔ یہ ملک کے چیدہ چیدہ بہادر اور شجاع ترین لوگ تھے۔

ان مجاہدوں کے آنے سے جرجیر کو بڑی مسرت ہوئی تھی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ تنخواہ دار سپاہیوں کے مقابلہ میں مجاہدین بڑی جاں بازی سے لڑتے ہیں۔ ساتھ ہی گوشہ نشین راہب بھی گرجاؤں کی چہار دیواریوں سے نکل کر جوق در جوق آنے اور لشکر میں اس لیے شامل ہونے لگے تھے۔ تاکہ وہ لڑنے والوں کی ہمتیں ہی بڑھاتے رہیں۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے طرابلس کا محاصرہ کر لیا۔ اب جرجیر نے مزید توقف کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اس نے اعلان کر دیا۔ کہ دو یا چار روز میں ہی لشکر کی روانگی شروع ہو جائے گی۔

ایک روز جرجیر سبیطلہ کے قلعہ سے باہر آیا ہوا تھا۔ اور لشکر کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس نے ایک سوار کو طرابلس کی طرف سے بڑی تیزی سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت اس کے پاس اس کا سپہ سالار اور مارقوس اور کئی افسر بھی کھڑے تھے جرجیر نے سوار کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوار طرابلس سے آ رہا ہے۔"

مارقوس نے کہا "اور دو باتوں میں سے ایک خبر لا رہا ہے۔ یا تو مسلمانوں کو ہزیمت ہو گئی ہے اور یہ خوش خبری پہنچانے آیا ہے۔ یا طرابلس والوں کو شکست ہو گئی ہے اور یہ شکست کی خبر بد سنانے آ رہا ہے۔"

جرجیر: ٹھیک خیال ہے تمہارا۔ دیکھو وہ قلعہ کی طرف گھوم گیا ہے۔ کسی سپاہی کو بھیج کر اسے یہیں بلواؤ۔

مارقوس: بہتر ہے۔

اس نے ایک سوار کو اشارہ کیا، کہ وہ دوڑ کر اس سوار کو بلا لائے۔ جو قلعہ کی طرف جا رہا ہے۔ فوراً سوار دوڑا، اور تھوڑی ہی دیر میں مسافر سوار کو ساتھ لے کر آ گیا۔ یہ سوار فوراً اپنے گھوڑے سے اترا اور جرجیر کے پاس پہنچ کر اس کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ جب وہ اٹھا تو جرجیر نے اس سے دریافت کیا "تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

سوار نے جواب دیا "طرابلس سے۔"

جرجیر: کیا مسلمان طرابلس تک آ گئے۔

سوار: جی ہاں۔

جرجیر: حرقوص نے ان سے جنگ کی۔

سوار: نہایت بہادری سے لڑے تمام اہل طرابلس نے لڑائی میں جان لڑا دی......

جرجیر خوش ہو گیا۔ وہ سمجھا کہ جب طرابلس والے جوش و خروش سے لڑ رہے ہیں تو ضرور انہوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی ہو گی۔ اس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ کیا اہل طرابلس نے مسلمانوں کو شکست دے دی۔

سوار: جی نہیں۔ وہ لڑے اور بڑی جانبازی سے لڑے لیکن بدقسمتی سے انہیں شکست ہو گئی اور مجبوراً انہیں قلعہ میں محصور ہونا پڑا۔

جرجیر: مسلمانوں کے ساتھ لشکر کس قدر تھا۔

سوار: صحیح اندازہ تو نہیں کیا جا سکا۔ لیکن قیاس ہے کہ تیس ہزار سے کم نہ ہو گا۔

جرجیر: صرف تیس ہزار تھا۔

سوار: جی ہاں۔

جرجیر: اور حرقوص کے ساتھ کس قدر لشکر تھا۔

سوار: قلعہ میں تقریباً پچاس ہزار لشکر تھا۔ لیکن مسلمانوں سے لڑنے کے لیے صرف ۳۰ ہزار سوار قلعہ سے باہر نکلے۔

جرجیر: حرقوص نے یہ کیا حماقت کی۔ کہ تیس ہزار مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے صرف تیس ہزار لشکر لے کر نکلا۔

سوار: جس وقت مسلمانوں کا پہلا دستہ نمودار ہوا ہے۔ تو وہ تین ہزار کے قریب تھا۔ حرقوص نے یہ سمجھا کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ دس ہزار ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے تیس ہزار لشکر سے ان پر حملہ کر دیا مگر مسلمانوں کے دستے یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اور جنگ میں شریک ہوتے رہے۔

جرجیر: لیکن جب مسلمانوں کی زیادہ تعداد دیکھ لی تھی۔ تو پھر کیوں نہ تمام لشکر کو اس نے بھی بلا لیا ہوتا۔

سوار: حضور اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔

جرجیر: یہ بات نہیں ہے بلکہ حرقوص کو میں جس قدر ہوشیار سمجھتا تھا۔ وہ اس قدر ہوشیار نہیں نکلا۔ اچھا تو اب وہ سب لوگ قلعہ میں بند ہو گئے ہیں۔

سوار: جی ہاں۔ اور مسلمانوں نے اس قدر شدید محاصرہ کر لیا ہے کہ کوئی شخص قلعہ کے باہر نہیں آسکتا۔

جرجیر: پھر تم کیسے آئے۔

سوار: بدرو کی راہ سے نکل کر آیا ہوں۔

جرجیر: اور شاید حرقوص نے تمہیں مدد طلب کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

سوار: جی ہاں حضور! اگر فوراً مدد نہ کی گئی تو خوف ہے۔ کہ کہیں بدبخت مسلمان قلعہ کو بھی فتح نہ کر لیں۔

جرجیر: میں طرابلس کے قلعہ کی مضبوطی سے بخوبی واقف ہوں۔ اس کا فتح کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی میں اب بالکل توقف نہ کروں گا۔ کل ہی لشکر کوچ کر دے گا اور پھر ہم طرابلس میں پہنچ کر مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے۔

اتفاق سے اس وقت تھیوڈوس بھی آگیا۔ اسے دیکھتے ہی تمام افسر سپہ سالار اور خود جرجیر اس کے سامنے جھک گئے۔ تھیوڈوس کے ہاتھ میں آبنوس کی سیاہ صلیب تھی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے صلیب کو داہنے ہاتھ میں لے کر اونچا اٹھایا۔

بادشاہ جرجیر نے بڑھ کر صلیب کو بوسہ دیا۔ تھیوڈوس نے اس سے دریافت کیا: کیا آپ کا ارادہ کل فوج کشی کرنے کا ہے:

جرجیر نے جواب دیا۔ جی ہاں:

تھیوڈوس: میں نے رات کو مراقبہ کیا تھا۔ اور یہ ہی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس لشکر کو کب کوچ کرنا چاہیے......

جرجیر نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا "تب کیا معلوم ہوا؟"

تھیوڈوس: اس ہفتہ میں کوئی بھی دن ایسا مبارک نہیں ہے۔ جس روز لشکر کوچ کر سکے۔ آج سنیچر ہے کل اتوار ہے۔ آئندہ اتوار کو نماز پڑھنے کے بعد لشکر روانہ ہو تو فتح کی یقینی امید ہے۔

جرجیر خوش ہو گیا اس نے کہا۔ جب تو میں آئندہ اتوار ہی کو روانہ کر دوں گا۔

طرابلس کے قاصد نے (وہ سوار جو طرابلس کی طرف سے آیا تھا۔ اہل طرابلس کا قاصد ہی تھا) کہا "مگر حضور والا اندیشہ ہے کہ کہیں اس عرصہ میں مسلمان طرابلس فتح نہ کر لیں"

جرجیر نے استہزا کے طور پر کہا "ضرور فتح کر لیں گے۔ مگر اہل طرابلس بزدل نہ ہوتے تو مسلمانوں سے شکست کھا کر قلعہ بند نہ ہو جاتے۔ اطمینان رکھو مسلمان چھ مہینے تک بھی طرابلس فتح نہ کر سکیں گے"

تھیوڈوس: مجھے تو رات یہ معلوم ہوا ہے کہ طرابلس ہی میں مسلمانوں کو شکست ہو گی۔

جرجیر: کیا کسی ولی اللہ نے آپ کو یہ بات بتائی ہے۔

تھیوڈوس: ولی اللہ نے نہیں بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بتایا ہے۔

جرجیر: گویا حضرت مسیح آپ کے خواب میں آئے تھے۔

تھیوڈوس: میں بہت کم ایسی باتیں بتایا کرتا ہوں۔ لیکن یہ خاص وقت ہے۔ اس لیے کوئی بات چھپانی مناسب نہیں ہے۔ رات حضرت مسیح خواب میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا تھیوڈوس تو بے کار فکر مند ہے۔ میرے باپ نے کہہ دیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو طرابلس ہی میں شکست ہو جائے گی۔ اور بادشاہ سے کہہ دے کہ یہ ہفتہ لشکر کے کوچ کرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اگلے اتوار کو نماز پڑھ کر فوجیں روانہ ہوں" چونکہ تھیوڈوس کے زہد و تقویٰ کی شہرت تھی۔ اس لیے جو بات وہ کہہ دیتے تھے۔ وہ پتھر کی لکیر سمجھی جاتی تھی۔

چنانچہ اب جس خواب کا انہوں نے تذکرہ کیا اسے سن کر وہ تمام لوگ بہت خوش ہوئے۔ جو ان کے پاس کھڑے اس خواب کو سن رہے تھے۔ انہوں نے شور مچا کر کہا "خدا اور خدا کے بیٹے کی جے"

تھیوڈوس: مجھے یقین ہے کہ اہل افریقہ وحشی مسلمانوں کو شکست دے کر مسیحت سے اسلام کے خطرہ کو دور کر دیں گے۔ اور خداوند حضرت عیسیٰ کے جائے مولود و مسکن پاک یروشلم (بیت المقدس) کو ان بے دینوں کے قبضہ سے نکال لیں گے۔ ہمارے شہنشاہ جرجیر کے لیے وہ وقت کتنی خوشی کا ہو گا۔ جب کہ ساری دنیا میں ان کی شہرت ہو جائے گی اور فاتح اعظم کہلائیں گے۔ تمام چرچوں اور گرجوں میں ان کے لیے درازیٔ عمر و دولت کی دعائیں مانگی جایا کریں گی۔ خوش رو اور خوش گلو ان کی تعریف کے گیت گائیں گے۔ شعراء ان کی شان میں قصیدے لکھیں گے۔

جرجیر کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر پھر گیا۔ جب وہ مسلمانوں کو شکست دے کر واپس آئے گا۔ اور اس کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔ اس نے کہا "اگر خداوند نے چاہا تو میں ضرور فتح یاب ہوں گا"

تھیوڈوس: اطمینان رکھو۔ فتح یقیناً تمہاری ہی ہو گی۔ تمہاری عظمت و شہرت کے جھنڈے گڑ جائیں گے۔ عیسائی لوگ تمہاری عزت کریں گے۔

اب جرجیر نے طرابلس کے قاصد سے مخاطب ہو کر کہا "تم واپس جاؤ اور اہل طرابلس سے کہہ دو کہ مدد آرہی ہے۔ گھبرائیں نہیں"

قاصد پھر سلام کے لیے سجدے میں گر گیا۔ اور اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور اسی وقت طرابلس کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں جرجیر اور تھیوڈوس کے ساتھ قلعہ سبیطلہ کی طرف چل پڑے۔

غیبی امداد

مسلمان طرابلس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ نہ کوئی قلعہ سے باہر جا سکتا ہے نہ اندر آسکتا ہے۔ حالانکہ طرابلس والوں کا ایک قاصد قلعہ سے نکل کر سبیطلہ کی طرف روانہ بھی ہو گیا۔ اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہوئی تھی۔ وہ رات اور دن قلعہ کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ ہمہ وقت قلعہ کے چاروں شاندار پھاٹکوں کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ اور یہ دیکھتے رہتے تھے کہ کوئی قلعہ سے باہر تو نہیں نکلتا۔

جب کئی روز محاصرہ کو ہو گئے اور نہ تو عیسائیوں نے کوئی قاصد بھیجا اور نہ پھر میدان میں ہی نکلے۔ ایک روز عبداللہ بن سعد نے ایک اعرابی کو قاصد کے طور پر اتمام حجت کے لیے قلعہ والوں کے پاس بھیجا۔ چنانچہ یہ قاصد پھاٹک کے سامنے جا کر رکا۔ اور اس نے نہایت بلند آواز سے کہا "عیسائیو! میں قاصد ہوں۔ کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

فوراً حرقوص کو اطلاع کی گئی۔ اور وہ برج میں آکھڑا ہوا۔ اس نے کہا "کہو تم کیا کہتے ہو"

قاصد نے کہا "امیر لشکر اسلامیہ نے مجھے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے۔ کہ میں آپ تک صلح کا پیغام پہنچا دوں"

حرقوص: شاید تمہارا سردار اور تمہارا لشکر محاصرہ سے اکتا گئے ہیں۔

قاصد: اطمینان رکھو مسلمان ایسی باتوں سے اکتایا نہیں کرتے اگر محاصرہ میں دو سال بھی لگ جائیں ہم لوگ تب بھی بددل نہ ہوں گے۔

حرقوص: دو سال تو کیا، اگر تم سو سال بھی محاصرہ کیے پڑے رہو گے۔ تب بھی قلعہ فتح نہ کر سکو گے۔

قاصد: یہ قلعہ دمشق، حلب اور انطاکیہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم اور وسیع نہیں ہے۔ ہم نے ان قلعوں کو فتح کر لیا ہے۔ انشاءاللہ اسے بھی فتح کر لیں گے۔

حرقوص: اس خیال خام میں مبتلا نہ ہو۔ خیر یہ بتاؤ کہ تمہارے امیر نے صلح کے لیے کیا شرائط پیش کی ہیں۔

قاصد: پہلی بات تو یہ ہے کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ۔ اس طرح تم ہمارے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے۔ اسلامی حکومت و سلطنت میں حصہ دار ہو گے۔ بدستور اس قلعہ میں رہو گے۔ کوئی تمہاری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔

حرقوص کو یہ بات نہایت ناگوار گزری۔ اس نے چلا کر کہا "یہ بات کوئی عیسائی کبھی منظور نہیں کر سکتا"

چونکہ حرقوص برج میں تھا۔ اور قاصد نیچے کھڑا تھا۔ اس لیے دونوں اونچی آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ قاصد نے کہا "اگر تم مسلمان ہونا پسند نہیں کرتے تو جزیہ ادا کرنے کا اقرار کرو۔ اس طرح تم ہمارے

ذمہ داری میں آجاؤ گے۔ اور ہم تمہاری تمہارے دشمنوں سے حفاظت کریں گے۔"

حرقوص کو یہ بات بھی سخت ناگوار معلوم ہوئی۔ اس نے کہا "جزیہ دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم تمہاری غلامی قبول کر لیں۔ ایک خود دار قوم یہ گوارا نہیں کر سکتی۔ ہم جزیہ دینے سے مرجانا اچھا سمجھتے ہیں۔"

قاصد: سوچ لیجیے کہ آپ ان دونوں باتوں میں کس بات کو قبول اور پسند کرتے ہیں۔ دو روز کی مہلت آپ کو دی جاتی ہے۔ آپ غور و خوض کر لیں۔

حرقوص: دو روز ہی کیا اگر دو برس بھی میں غور کروں تب بھی میرا یہ ہی جواب ہو گا جواب ہے۔

قاصد: تو گویا آپ غور و خوض کر کے جواب دینے پر تیار نہیں ہیں۔

حرقوص: بالکل نہیں، میری طرف سے صاف جواب ہے۔

قاصد: تو اب تم اپنی قسمت کا فیصلہ سن لو۔

حرقوص: سناؤ۔"

قاصد: ہمارے امیر نے حکم دیا ہے کہ اگر تم نے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات منظور نہ کی تو پھر قلعہ پر حملہ کیا جائے گا اور اسے فتح کر کے تمام عیسائی مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے گا۔

حرقوص: یہ دھمکیاں انہیں دینا جو بزدل ہوں۔ اگر تم نے حملہ کیا تو شکست کھا کر پسپا ہو جاؤ گے۔

قاصد: چونکہ ہمارے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان نے یہ حکم دیا تھا۔ کہ جنگ کرنے سے پہلے صلح کا پیغام دینا۔ اس لیے ہم نے ان کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اب تم مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

یہ کہتے ہی قاصد لوٹ آیا۔ حرقوص نے واپس لوٹ کر وزیر اور افسروں کو بلا کر کہا: "اب تک تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلمان ابھی قلعہ پر حملہ نہیں کریں گے۔ اور اتنے میں سبیطلہ سے مدد آجائے گی۔ لیکن آج قاصد کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اب مسلمان عنقریب حملہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کمبخت مسلمانوں کی بابت معلوم ہوا ہے کہ جب کسی شہر یا قلعہ پر حملہ کرتے ہیں تو جب تک اسے فتح نہیں کر لیتے۔ دم نہیں لیتے۔ افسوس ہے کہ اب تک قاصد کے سبیطلہ جانے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

سپہ سالار نے کہا، "اگرچہ ہمارے پاس اس وقت بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ لشکر ہے۔ لیکن ہمارا ہر سپاہی مسلمانوں سے خائف اور ہراساں ہے۔ اگر انہوں نے یورش کی تو اندیشہ ہے کہ کہیں لشکر ہتھیار نہ ڈال دے۔"

حرقوص: یہ ہی خوف مجھے بھی ہے۔

وزیر اعظم: مناسب یہ ہے کہ ایک قاصد اور روانہ کر دیا جائے اور اسے ہدایت کی جائے کہ قریب کے قریہ سے کوئی سبک رو گھوڑا خرید کر جس قدر بھی تیز جا سکتا ہے، جائے اور شاہ جرجیر سے کہہ دے کہ اگر مدد کرنے میں اب ذرا بھی دیر ہوئی، تو احتمال ہے کہ کہیں قلعہ ہاتھوں سے نہ جاتا رہے۔

حرقوص: میں نے بھی یہ ہی سوچا تھا۔ اچھا میں آج رات کو قاصد بدرو کے ذریعہ سے روانہ کر دوں گا۔ تم فصیل پر جا کر لشکر کو ہر طرف زیادہ تعداد میں پھیلا دو۔ اور سب کو شب و روز ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دو۔

سپہ سالار: بہتر ہے۔

سپہ سالار چلا گیا۔ حرقوص نے ایک ہوشیار اور مستعد نوجوان کو بلا کر کہا "تم شاہ جرجیر کے پاس میرا مراسلہ لے جاؤ۔ ان سے زبانی بھی کہہ دینا۔ کہ جس قدر جلد ممکن ہو مدد بھیجیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو خود تشریف لے آئیں۔ تمہیں رات کو بدرو کے ذریعہ قلعہ سے باہر نکلنا ہو گا۔ جاؤ ابھی سے تیاری شروع کر دو۔"

بہت اچھا۔ کہہ کر نوجوان چلا گیا۔ حرقوص نے اسی وقت مراسلہ لکھا، اور خادم خاص کے ذریعہ سے مراسلہ اور کچھ زر نقد نوجوان کے پاس بھجوا دیا۔

ادھر عربی قاصد عبداللہ بن سعد امیر لشکر کے پاس آیا اور کہا "میں نے اتمام حجت کر لی۔ دونوں باتیں والی طرابلس کے سامنے پیش کر دیں۔ مگر اس نے ایک بات بھی نہیں مانی بلکہ صاف طور پر کہہ دیا کہ ہمیں کوئی بات بھی منظور نہیں ہے۔ ہماری طرف سے صاف جواب ہے۔"

عبداللہ نے کہا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ یہ ہی جواب دے گا۔ اہل طرابلس کو اپنے قلعہ کی مضبوطی پر بڑا ناز ہے۔ ممکن ہے کہ انہیں باہر سے بھی کسی مدد کے آنے کی توقع ہو۔ خیر امیر المومنین کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ اب میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کروں گا۔ آج رات کو میں خود کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ کے گرد گشت لگاؤں گا۔ شاید خداوند عالم کوئی سبیل اندر داخل ہونے کی نکال دے۔"

ساتھ ہی عبداللہ نے احکامات جاری کر دیے۔ کہ محاصرہ میں اور شدت کی جائے۔ اور رات اور دن قلعہ کو نظروں میں رکھا جائے۔ کسی کو بھی نہ قلعہ سے باہر نکلنے دیا جائے اور نہ اندر جانے دیا جائے۔

چنانچہ جوں ہی یہ احکام افسرانِ فوج کے نام پہنچے، انہوں نے محاصرہ میں مزید شدت کر دی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھ گئے۔ کہ امیر لشکر عنقریب ہی قلعہ پر یورش کرنے والے ہیں۔ جب رات ہوئی اور مسلمانوں نے عشاء کی نماز پڑھ لی۔ تب عبداللہ بن سعد نے دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور نہایت خاموشی اور بڑی احتیاط سے قلعہ کی طرف چلے۔ ان دس آدمیوں میں سے ایک سرور تھے اور نو دوسرے مشہور اور بہادر اعرابی تھے۔

اگرچہ چاند نکلا ہوا تھا۔ لیکن چاندنی چاند پورا نہ ہونے کی وجہ سے صاف نہ تھی۔ دھندلی سی تھی۔ اس لیے قلعہ والے ان جانباز مجاہدینِ اسلام کو نہ دیکھ سکے۔ اور یہ قلعہ کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔

اب انہوں نے فصیل کے گرد چکر لگانا شروع کیا۔ دیواروں کو دیکھا تو نہایت مضبوط اور بلند تھیں انہیں توڑ ڈالنا یا ان کے ذریعہ سے اوپر پہنچ جانا نہایت دشوار تھا۔

جب ایک مرتبہ انہوں نے قلعہ کے چاروں طرف گشت کر لیا۔ اور کوئی مقام ایسا نظر نہ آیا جس کے ذریعہ سے قلعہ پر رسائی ہو سکے۔ تب عبداللہ نے کہا "مسلمانو! اب بیٹھ کر دیکھو۔ شاید کوئی بدرو ایسی ہو جس کے ذریعہ سے اندر رسائی ہو سکے"

سرور نے کہا "ضرور ہوگی۔ آخر قلعہ کے اندر کا پانی کسی نہ کسی ذریعہ سے باہر نکالا جاتا ہوگا"

یہ سب لوگ جھک جھک کر دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دور چلے تھے۔ کہ انہیں وہ بدرو نظر آگئی۔ جس کے ذریعہ سے عیسائیوں کا قاصد قلعہ سے باہر نکل کر جرجیر کے پاس گیا تھا۔

عبداللہ نے اس بدرو کو دیکھ کر یہ اطمینان کر لیا۔ کہ اس میں سے آدمی بآسانی گزر سکتا ہے۔ انہوں نے کہا "مسلمانو! خدا کا شکر ادا کرو کہ راستہ ہاتھ آگیا۔ میں چاہتا ہوں کہ دو سو آدمیوں کو اس بدرو کے ذریعہ سے قلعہ میں داخل کر دوں"

سرور نے کہا "لیکن یا امیر اگر یہ بدرو اندر کی طرف لوہے کی سلاخوں وغیرہ سے بند ہوئی۔ تب کیا ہوگا"

عبداللہ: میں جانتا ہوں کہ سلاخیں یا جنگلہ اس کے دوسرے سرے پر ضرور لگا ہوگا اور

پانی سے زنگ خوردہ ہو گیا ہوگا۔ اس لیے اس کو جھٹکا دے کر اکھاڑ ڈالنا کچھ بھی مشکل نہ ہوگا سرور! تم جاؤ اور دو سو آدمیوں کو نہایت خاموشی سے لے آؤ۔ دیکھو اس وقت چاند چھپنے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ چاندنی غائب ہوگئی ہے۔ اندھیرا پھیل گیا ہے۔ تم احتیاط سے آدمیوں کو لے آؤ"

بہت اچھا کہہ کر سرور چلے گئے۔ اور یہ سب لوگ نہایت خاموشی سے بدرو کے پاس بیٹھ گئے یہ بدرو قریب قریب ہر وقت جاری رہتی تھی۔ اس میں سے قلعہ کا استعمالی اور گندہ پانی خارج ہوتا رہتا تھا جو اسی نالی کے ذریعہ دریا میں جا پڑتا تھا۔

ابھی ان لوگوں کو بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ بدرو میں کچھ کھٹکا ہوا جس کو قریب بیٹھنے والوں نے سنا۔ عبداللہ نے جلدی سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ سب کے سب ہٹ گئے۔ صرف عبداللہ ہی وہاں رہ گئے۔ جو بدرو کے منہ کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک آدمی نے سر نکالا اور پھر آہستہ سے کھسکا اور باہر نکل کھڑا ہوا۔ باہر نکلتے ہی عبداللہ نے اس کی گردن دبا لی۔ وہ فرطِ خوف و دہشت سے کانپ گیا۔

عبداللہ نے آہستگی سے کہا "خاموش رہنے ہی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر ذرا بھی اونچی آواز سے بولے گا تو گلا دبا دوں گا"

یہ وہی قاصد تھا جو مقوقس کا مراسلہ لے کر جرجیر کے پاس جا رہا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اس نے نہایت ہی خاموشی سے کہا "اطمینان رکھیے میں شور نہ کروں گا۔ مگر میری گردن کو چھوڑ دیجیے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے"

عبداللہ نے گردن چھوڑتے ہوئے کہا "تم اس وقت باہر کس لیے جا رہے ہو"

قاصد: جاسوسی کرنے کے لیے۔

عبداللہ: کیا اس بدرو کے دوسری طرف جنگلہ تو نہیں لگا ہوا ہے۔

قاصد: اگر آپ مجھے اور میرے تمام خاندان کو امان دینے کا وعدہ کریں تب میں آپ کی باتوں کا جواب دے سکتا ہوں۔

عبداللہ: میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو امان دینے کا اقرار کرتا ہوں

قاصد: تو سنیے اس بدرو کی دوسری طرف کوئی جنگلہ نہیں ہے۔

عبداللہ اور یہ بدرو جس جگہ سے شروع ہوتی ہے۔ وہاں کوئی پہرہ وغیرہ بھی نہیں ہے۔

قاصد۔ نہیں۔ ایک سنسان گلی ہے۔ جو پھاٹک کے قریب ہی ہے۔ اگر آپ اس میں گھس گئے تو بلا کسی خطرہ کے قلعہ کے اندر داخل ہوجائیں گے اور وہاں سے جب بائیں جانب چلیں گے تو چند ہی قدم کے فاصلہ پر سڑک ملے گی۔ جو گھومتی ہوئی پھاٹک پر پہنچ جاتی ہے۔"

اس عرصہ میں سرور دو سو جانبازوں کو لے کر آگئے۔

عبداللہ نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ قاصد کا منہ بند کر کے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی نگرانی کریں۔ اور پھر خود بدرو میں گھسے۔ ان کے پیچھے سرور داخل ہوئے۔ اور ان دونوں کے بعد ایک ایک کر کے سارے مسلمان گھس گئے۔ قاصد نہایت متوحش نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

باب ۱۱

طرابلس کی فتح

سب سے پہلے عبداللہ موری یا بدرو سے باہر نکل کر قلعہ کے اندر پہنچے۔ ان کے بعد سرور اور پھر ایک ایک کر کے سب پہنچ گئے۔ عبداللہ نے کہا کہ وہ ایک تنگ گلی میں جا نکلے۔ انھوں نے ایک مجاہد سے کہا۔ تم اس بدرو کے ذریعہ سے واپس جاؤ۔ اور اس طرف کے تمام لشکر کو مسلح ہو کر پھاٹک کے عین سامنے کھڑے ہونے کی تاکید کر کے کہہ دو کہ وہ جس وقت نعرۂ تکبیر سنیں۔ فوراً دروازہ کی طرف دوڑیں اور قلعہ کے اندر گھس آئیں۔

یہ سنکر وہ مجاہد جنہیں عبداللہ نے مخاطب کیا تھا۔ پھر بدرو میں گھس گئے۔ اور عبداللہ اپنے مختصر دستہ کو لے کر چلے۔ اور اس گلی کے بائیں جانب گھوم گئے۔ کچھ دور چل کر ایک کشادہ سڑک ملی۔ وہ اس پر چل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں پھاٹک کے قریب جا پہنچے۔

عبداللہ نے کہا۔ اتنی دیر توقف کرو۔ کہ جس مجاہد کو لشکر میں بھیجا گیا ہے۔ وہ لشکر گاہ میں پہنچ جائے۔ لیکن چپ چاپ کھڑے رہو۔ نہ کھانسو نہ کھنکارو نہ کھٹکا کرو۔"

سب خاموشی سے کھڑے رہ گئے۔ ان کی نگاہوں کے سامنے پھاٹک تھا۔ چونکہ اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس لیے انھوں نے دور سے دیکھا، کہ پھاٹک کے پہرہ دار تک اطمینان سے پڑے سو رہے ہیں۔

اس وقت رات آدھی آگئی تھی۔ رات کا قدرتی سکوت و سکون پھیلا ہوا تھا۔ کتے تک خاموش تھے۔ جب ان لوگوں کو کھڑے ہوئے اتنی دیر ہو گئی کہ ان کے خیال میں مجاہد لشکر گاہ میں پہنچ چکا ہوگا۔ تب عبداللہ نے کہا "بہادرو اب موقع ہے۔ خدا کا نام لے کر بڑھو۔"

چنانچہ یہ سب نہایت احتیاط سے پھاٹک کی طرف بڑھنے لگے۔ چونکہ محافظ آرام اور

اطمینان سے پڑے سو رہے تھے۔ اس لیے کسی قسم کا خطرہ انہیں پیش نہیں آیا، اور وہ عالی شان دروازہ پر جا پہنچے۔ مگر جب وہ دروازے میں گھسے۔ تب پہرہ والوں کی آنکھ کھل گئی وہ گھبرا کر اٹھے اور مسلمانوں کو دیکھتے ہی حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر خوف دہشت سے کانپنے لگے۔ مسلمانوں نے تلواریں سونت لیں اور بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کیا۔ پہرہ والے چیخنے اور چلانے لگے۔ انہوں نے شور مچایا۔ مسلمان آ گئے مسلمان آ گئے۔

جوں ہی ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔ فصیل کے اوپر جو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ وہ جلدی سے نیچے اتر آئے۔ اتفاق سے حرقوص بھی گشت کر رہا تھا۔ وہ بھی بھاگ کر اتر آیا۔ اور عیسائیوں کے دو تین ہزار سپاہی دروازہ کے سامنے آ گئے۔

یہاں آتے ہی انہوں نے دیکھا کہ مسلمان دروازہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کہ وہ قلعہ کے اندر کس طرح آ گئے۔ حرقوص نے بلند آواز سے کہا: بہادر عیسائیو! یہ تھوڑے سے مسلمان ہیں۔ بڑھو اور انہیں قتل کر ڈالو: لیکن عیسائی سپاہی مسلمانوں کو قلعہ کے اندر دیکھ کر بڑی حیرت میں تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان ضرور جن ہیں۔ وہ اڑ کر قلعہ کے اندر آ پڑے ہیں۔ اگر وہ انسان ہوتے تو قلعہ میں کیسے گھس آتے۔ اس لیے وہ ان کی طرف بڑھتے ہوئے جھجکے۔

حرقوص نے ڈپٹ کر کہا: نامردو! دیکھتے کیا ہو، بڑھو: مجبور ہو کر عیسائی سپاہی تلواریں کھینچ کر بڑھے۔ لیکن اس عرصہ میں مسلمانوں نے پھاٹک کھول دیا۔ اور جوں ہی عیسائی تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر خود ہی حملہ کر دیا۔ اور بڑھ بڑھ کر وار کرنے لگے۔

جب عیسائی قتل ہو ہو کر گرنے لگے۔ تب انہیں بھی جوش آ گیا اور انہوں نے بڑی پرزور حملہ شروع کر دیا۔ ادھر حرقوص نے کئی سپاہیوں کو دوڑا کر مزید لشکر طلب کر لیا۔ مسلمان دروازہ سے نکل کر سڑک کے اوپر صف بستہ ہو گئے۔ اور وہیں لڑائی شروع کر دی۔ اگرچہ مسلمان صرف دو سو ہی تھے۔ اور عیسائی تین ہزار آ گئے تھے۔ عیسائیوں پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ جھجک جھجک کر حملے کر رہے تھے۔

مگر مسلمان بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے۔ ان کی آبدار تلواریں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کر رہی

تھیں۔ انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو موت کی گود میں پہنچا دیا تھا۔

عیسائی بھی جوش میں بھر بھر کر حملے کر رہے تھے۔ خاصی جنگ ہو رہی تھی۔ چونکہ عیسائی شور مچا رہے تھے اور ان کی آواز قلعہ میں گونجنے لگی تھی۔ اس لیے اہل قلعہ گھبرا گھبرا کر گھروں سے باہر نکل رہے تھے، اور ایک ایک سے اس شور و غل کی وجہ معلوم کر رہے تھے۔

حرقوص کا حکم پہنچتے ہی ہر طرف سے فصیل سے اتر اتر کر سپاہی دروازہ کی طرف دوڑنے لگے۔ جس طرف مسلمانوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن چونکہ مسلمان دروازہ کے قریب ہی کھڑے لڑ رہے تھے۔ اور وہاں پھیلنے کی گنجائش نہ تھی۔ اور تھوڑی سی جگہ میں جنگ ہو رہی تھی۔ اس لیے عیسائی سوار پیادے آ آ کر ادھر ادھر بازوؤں کی طرف پھیلتے جاتے تھے۔ اور ان کا جم غفیر آ لگا تھا۔

مسلمان کی تعداد چونکہ بہت ہی تھوڑی تھی اس لیے وہ ابھی آگے بڑھ کر حملہ نہ کرتے تھے۔ وہ مدد کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ عبداللہ اور سرور دونوں تمام مسلمانوں سے آگے بڑھے ہوئے بڑے زور و شور سے حملے کر کر کے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔

جب لڑائی کو زیادہ دیر ہوئی تو عبداللہ نے پھر نعرہ اللہ اکبر بلند کیا۔ اس مبارک نعرہ کی تکرار ان کے تمام ساتھیوں نے کی۔ اور ایک مرتبہ پھر قلعہ شور اللہ اکبر سے گونج اٹھا۔

اس نعرہ کے ساتھ ہی قلعہ کے باہر سے نعرہ کی پرشور آواز آئی۔ ساتھ ہی مسلمان مجاہدوں کے دستے قلعہ کے اندر گھس آئے۔ اب عبداللہ، سرور اور ان کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ اور عیسائیوں کو مار کاٹ کر دور تک پیچھے ہٹا دیا۔ سردار نے ایک سوار کو قتل کر کے اس کا گھوڑا پکڑا اور جلدی سے اس پر سوار ہو گئے۔ اب انہوں نے پرجوش حملے کر کے عیسائیوں کو مارنا اور پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ اس وقت مسلمانوں کا سیلاب دروازہ میں داخل ہو کر قلعہ کے اندر گھسا اور نہایت سختی سے حملے کرنے لگا تھا۔

مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں ادھر ادھر پھیلنے اور ان پر حملہ کر کے انہیں پسپا کرنے لگے تھے۔ اگرچہ عیسائی بہت زیادہ تھے۔ لیکن وہ کچھ تو مرعوب ہو رہے تھے۔ کچھ مسلمان جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کا مقابلہ بڑی بد دلی سے کر رہے تھے۔

مسلمان ان کے اوپر ٹوٹے پڑتے تھے۔ وہ مار مار کر انہیں پیچھے ہٹا رہے تھے۔ عیسائی پیچھے دبتے

جاتے تھے۔ اور مسلمان بڑھتے جاتے تھے۔

چونکہ اس وقت محاذِ جنگ بہت دور تک پھیل گیا تھا۔ اس لیے جنگ کے شعلے بھی دور تک بھڑک اٹھے تھے۔ تلواریں پھرتی کے ساتھ بلند ہو رہی تھیں۔ سروتن کے فیصلے ہو رہے تھے۔ خون کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں لاشوں پہ لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں۔ شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔

اب سپیدہ صبح نمودار ہو گیا تھا۔ افق مشرق میں ایک سفید دھاری نمودار ہوئی جو بتدریج بڑھتے بڑھتے اقصائے عالم میں پھیل گئی اور اس قدر اجالا ہو گیا کہ قریب کی چیزیں صاف طور پر نظر آنے لگیں۔

قلعہ کے عام عیسائیوں کے گروہ ہر محلہ اور کوچے میں جمع ہو گئے تھے۔ اور امید و بیم کی حالت میں خائف و ترساں کھڑے ہوئے مسلمانوں کے قلعہ کے اندر آنے پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد کہنے لگی تھی۔ کہ مسلمان انسان نہیں ہیں۔ وہ ضرور جن ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے دن میں دھمکی دی اور رات کو اڑ کر قلعہ کے اندر آ گھسے۔ ان سے لڑنا بے کار ہے۔ یہ خیال سب کا ہو گیا تھا۔ کہ اب قلعہ کو کوئی طاقت مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچا نہیں سکتی ہے۔

اس خیال نے عام عیسائیوں کے دلوں میں غم و فکر کی لہر دوڑا دی تھی۔ اور سب پریشان اور غم زدہ ہو گئے تھے۔ اور اس فکر میں تھے کہ کسی طرح قلعہ سے باہر نکل جائیں لیکن جانتے تھے کہ مسلمانوں نے سختی سے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ باہر نکل جانا ناممکن ہے۔ اور اس بات کا ابھی انہیں اندیشہ تھا کہ قلعہ عنقریب ہی فتح ہو جائے گا۔ اس لیے وہ نہایت ترساں اور ہراساں ہو رہے تھے۔

مسلمانوں نے دروازہ سے آگے بڑھ کر لڑائی شروع کر دی تھی اور بڑے جوش و خروش سے حملے کر رہے تھے۔ اس وقت وہ مسلمان جو عبداللہ کے ساتھ آئے تھے پیچھے ہٹا دیے گئے تھے۔ کیوں کہ وہ پیدل تھے اور تازہ دم سوار آ آ کر مصروف جنگ ہوتے جاتے تھے۔

لیکن یہ پیدل لوگ بھی لڑائی کے لیے تلملا رہے تھے اور وہ بھی موقع محل دیکھ کر عیسائیوں کو ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ اور جب کسی سوار کو کوئی مار ڈالتا تھا تو اس کا گھوڑا پکڑ کر اس پر سوار ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اب تک ان دو سو میں سے پچاس ساٹھ آدمیوں نے گھوڑے لے لیے تھے۔ سرور تو پہلے ہی سوار ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد عبداللہ نے بھی ایک سوار کو مار کر اس کا گھوڑا حاصل کر لیا تھا۔ اور بڑے جوش و خروش سے لڑنے لگے تھے۔ مگر سب سے آگے سرور تھے۔ اور بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے

تھے۔ نہایت پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے تھے۔

اب اس قدر روشنی پھیل گئی تھی کہ دور تک کی چیزیں بھی صاف نظر آنے لگی تھیں۔ سرور نے نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھا کہ حرقوص گھوڑے پر سوار کھڑا اپنے لشکر کو جوش دلا رہا تھا۔ چونکہ وہ ریشمی لباس اور سونے کے منقش بہ جواہر زیورات پہنے اور تاج اوڑھے تھا۔ اس لیے انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ ہی اس قلعہ کا قلعہ دار ہے۔

انہوں نے اس رسالہ پر حملہ کر دیا جو اس کے گرد تھا۔ اور اس شدت سے حملہ کیا کہ حرقوص کے خاص رسالے کے سوار گھبرا گئے۔ ان کی تلواروں نے سواروں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ جوں ہی سرور آگے کو بڑھے پندرہ بیس مسلمان بھی ان کے پیچھے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہوئے اور عیسائی سواروں پر وار کرتے ہوئے بڑھنے لگے تھے۔

جب کہ وہ مختصر گروہ حرقوص کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسری جانب عبداللہ بھی پچاس سواروں کو لے کر اس کے رسالے پر ٹوٹ پڑے تھے اور اس طرح حرقوص کے رسالہ خاص پر دو جانب سے حملہ شروع ہو گیا تھا۔

عام مسلمان ان عیسائیوں سے مصروف جنگ تھے۔ جو ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ جنگ کی آگ اس وقت نہایت تیزی سے بھڑک اٹھی تھی۔ اور تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر سروتن کے فیصلے کر رہی تھیں۔

عیسائی بھی پوری زور و قوت سے لڑ رہے تھے۔ اور وہ بھی سنگی چٹانوں کی طرح جم گئے تھے۔ اور ایک ایک انچ زمین کے لیے خون بہا رہے تھے۔ ان کی تلواریں بھی مسلمانوں کے جسموں پر پڑ رہی تھیں۔ اور مسلمان بھی قتل اور زخمی ہو رہے تھے۔

مگر مسلمان کچھ اس جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ اور اس طرح عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے کہ ان کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔ وہ یا تو قتل ہو کر گر جاتے یا مسلمان انہیں پیچھے ہٹا دیتے تھے۔ اب محاذِ جنگ پھاٹک سے بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اور مسلمان قلعہ کے کچھ حصہ پر قابض ہو گئے تھے۔

جب کہ جنگ و پیکار کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس وقت سرور حرقوص کے قریب پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے للکار کر کہا۔ نامرد بزدل۔ سواروں کو کیوں کٹوا رہا ہے۔ بہادر ہے تو تو مقابلہ میں آ۔

حرقوص کو طرارہ آ گیا۔ وہ تلوار لے کر جھپٹا۔ اور سرور پر حملہ آور ہوا۔ دونوں تلواروں کے ہاتھ دکھانے لگے ان کے گرد کھڑے ہوئے مسلمان اور عیسائی ان کی لڑائی کا تماشہ دیکھنے لگے۔ سرور نے کچھ اس طریقہ سے تلوار ماری، کہ حرقوص کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اچھلی اور ایک عیسائی کے جسم پر پڑی جس

سے اس کی گردن اڑ گئی۔

حرقوص گھبرا گیا۔ اس نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر سرور نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ انہوں نے بڑھ ان کا پٹکہ پکڑ کر اٹھا لیا۔ اور بڑے زور سے زمین پر دے مارا۔ حرقوص کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور وہ بڑے زور سے ڈکرایا۔

سرور بجنت گھوڑے سے کود ے اور خنجر سے اس کا سر اتار لیا۔ عیسائیوں نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن فوراً ہی مسلمانوں نے ان کے گرد بڑھ کر حصار قائم کر لیا۔ اور عیسائیوں پر حملے شروع کر دیے۔

سرور نے حرقوص کا سر نیزہ پر چڑھایا اور بلند آواز سے کہا، عیسائیو! تمہارا سردار مارا گیا۔ اب لڑ کر کیوں اپنی جانیں گنواتے ہو۔

جوں ہی عیسائیوں نے حرقوص کا سر نیزے پہ دیکھا بدحواس ہو گئے۔ وہ ایک دم پیچھے کی طرف لوٹ کر بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

اب یہ کیفیت ہو گئی کہ عیسائی جانیں بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ اور مسلمان ان کے پیچھے لگے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے۔ ابھی تک تازہ دم مسلمانوں کے رسالے قلعہ کے اندر آ رہے تھے۔ اس وقت تک چار ہزار مسلمان آ چکے تھے۔ اور وہ سارے قلعہ میں پھیل گئے تھے انہوں نے چن چن کر عیسائی سواروں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

سارے قلعہ میں ہر سڑک ہر راستہ اور ہر میدان میں عیسائیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے تھے عیسائی کچھ ایسے بدحواس ہو گئے تھے۔ کہ امان تک مانگنا بھول گئے تھے۔ بھاگ رہے تھے اور مارے جا رہے تھے۔ جب پندرہ بیس ہزار آدمی مارے جا چکے، تب انہیں ہوش آیا اور وہ امان امان چلانے لگے۔ مسلمانوں نے فوراً تلواریں اٹھا لیں۔ اور صاف کر کے میانوں میں ڈالیں۔ اور اب وہ عیسائیوں کو گرفتار کرنے لگے۔

عبداللہ نے ان دونوں سپاہیوں کو جو اس قاصد کی نگرانی کر رہے تھے۔ جسے حرقوص نے جرجیر کے پاس بھیجا تھا قلعہ کے اندر بلایا، قاصد کو آزاد کر دیا۔ اور اس کے اہل و عیال کو امان دے دی۔

فتح کی مبارکباد

عیسائی سمجھتے تھے کہ طرابلس کا قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ ناقابلِ تسخیر ہے۔ برسہا برس مسلمان اس کا محاصرہ کیے پڑے رہیں گے۔ لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کا حامی وہ باری تعالیٰ ہے جس کے صرف لفظ کُن یعنی ہو جا، فرمانے سے کائنات کی تمام چیزیں عالمِ وجود میں آ گئی تھیں۔ جس کے حکم کے بغیر ذرہ حرکت نہیں کر سکتا۔ اسی کے حکم اور اسی کی مدد سے مسلمانوں نے وہ راستہ معلوم کر لیا۔ جس کے ذریعہ سے وہ قاصدوں کو بھیجا کرتے تھے۔ اور اسی راستہ سے وہ اس مضبوط قلعہ میں گھس گئے، اور لڑ بھڑ کر قلعہ فتح کر لیا۔

عام عیسائیوں کو اس وقت سخت اضطراب و اضطرار لاحق تھا۔ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ جب کوئی قوم کسی قلعہ یا شہر کو فتح کرتی ہے تو اس کے مکینوں کا قتل عام کر کے ان کی دولت لوٹ لیتی۔ اور مکانوں کو آگ لگا دیتی اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیتی ہے۔

ان کا خیال تھا، کہ مسلمان بھی یہ ہی بہیمانہ طریقہ اور وحشیانہ طرزِ عمل اختیار کریں گے لیکن وہ حیران رہ گئے جب انہوں نے منادی سنی کہ کوئی عیسائی قتل نہ کیا جائے گا۔ کسی مکان کو آگ نہ لگائی جائے گی۔ کسی شخص کو مسلمان ہونے پہ مجبور نہ کیا جائے گا۔ مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ ہو گی۔ لوگ اطمینان سے کاروبار میں مصروف ہو جائیں۔

چونکہ مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل نہایت ہی شریفانہ تھا۔ اس لیے عیسائیوں کے دلوں سے بے ساختہ ان کے حق میں دعائے خیر نکلی۔ اور ان کے ترددات اور تفکرات دور ہو گئے۔ انہوں نے دلجمعی کے ساتھ کاروبار شروع کر دیے۔ اور اس طرح شروع کیے کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ طرابلس کی حکومت بدل گئی ہے اور اس پر ایک دوسری قوم نے قبضہ کر لیا ہے۔

البتہ مسلمانوں نے شاہی قصر اور شاہی خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جو کچھ زر و جواہر، درہم و دینار سونے چاندی کے ظروف، دیبائے حریر کے تھان، رومی قالین اور دوسری بیش قیمت چیزیں ملیں سب ایک جگہ لا کر ڈھیر کر دیں۔

یہ تمام سامان کروڑوں روپے کی قیمت کا تھا۔ اس میں ایک چاندی کا تخت اور کئی سونے کے

تاج بھی شامل تھے۔ قلعہ پر قبضہ کر کے عبداللہ نے چاروں پھاٹک کھلوا دیئے اور ان پر پہرہ قائم کر دیا اور کچھ لشکر قلعہ کے اندر ٹھہرا دیے۔

دوسرے روز عبداللہ نے طرابلس کے رئیسوں اور امیروں کو طلب کر کے کہا جو لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہیں، وہ مسلمان ہو جائیں۔ ان سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے گا۔ وہ مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے۔ اور جو لوگ مسلمان نہ ہونا چاہیں۔ وہ فی کس چار دینار سالانہ کے حساب سے جزیہ دیں۔ یہ جزیہ ان کی حفاظت کرنے کا ٹیکس ہے۔ اور جو لوگ مسلمان نہ ہوں۔ نہ جزیہ دینا چاہیں۔ وہ اپنا تمام سامان لے کر دو روز کے عرصہ میں قلعہ سے باہر چلے جائیں۔

ان رئیسوں نے عبداللہ کے پاس سے جا کر عوام الناس کو بلایا۔ اور ان کے سامنے مسلمانوں کی شرائط پیش کر دیں۔ تقریباً دو ہزار عیسائی تو مع اپنے اہل و عیال کے مسلمان ہو گئے۔ اور ڈھائی ہزار عیسائی قلعہ سے نکل کر چلے گئے۔ باقی لوگوں نے جزیہ ادا کر دیا۔

جزیہ کی رقم بھی لاکھوں روپے ہو گئی۔ اب عبداللہ نے اس جزیہ اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں روانہ کرنے کے لیے علیحدہ کر دیا۔ اور باقی چار حصے تمام مسلمانوں اور ان عیسائیوں میں جو مسلمان ہو گئے تھے، حصہ رسدی تقسیم کر دیے۔

قرار یہ پایا کہ پانچواں حصہ مالِ غنیمت کا دربار خلافت میں اس وقت روانہ کیا جائے۔ جب سبیطلہ فتح ہو جائے۔ چنانچہ اس مالِ غنیمت کو شاہی خزانہ میں محفوظ کر دیا گیا۔

مسلمانوں میں اس بات کی شہرت ہو گئی تھی۔ کہ جرقوس کو سرور نے بڑی بہادری سے قتل کیا تھا۔ اور اس کے قتل کر ڈالنے ہی سے قلعہ فتح ہوا تھا۔ اس لیے طرابلس کے فاتح وہی مشہور ہو گئے تھے۔

جب کہ عبداللہ قلعہ کے نظم و نسق میں مشغول تھے۔ انہوں نے صرف دو ہزار مسلمانوں کو قلعہ کے اندر آنے اور رہنے کی اجازت دی تھی۔ باقی تمام لشکر قلعہ کے باہر ہی اور قلعہ کے چاروں طرف اس طریقہ سے فروکش تھا جس طرح انہوں نے محاصرہ کیا تھا۔

خواتین عرب بدستور سراپردہ میں مقیم تھیں۔ اور سرور ان کی حفاظت و نگرانی پر مامور تھے۔ ایک روز وہ دریا کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے۔ عصر کی نماز پڑھ کر چلے تھے۔ کچھ دور سمندر کی طرف جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور کنارے کے ان کٹاؤں کو دیکھنے لگے۔ جن میں ہو کر دریا سمندر میں

گرتا تھا۔

اس جگہ دریا کی دھاریں ہو گئی تھیں۔ اور چونکہ زمین کا ڈھال سمندر کی طرف تھا۔ اس لیے پانی تیزی سے بہہ کر سمندر میں جا گرتا تھا۔ جب انہوں نے نظر اٹھا کر سمندر کی طرف دیکھا تو پانی افق سے ملا ہوا نظر آیا۔ اگرچہ اس وقت ہوا نہ تھی۔ مگر سمندر میں موجیں اٹھ رہی تھیں۔ اور چھوٹی سے چھوٹی موج ایسی تھی۔ جو معمولی قسم کے جہازوں کو پاش پاش کر ڈالتی۔

تھوڑی دیر اس منظر کو دیکھ کر وہ واپس لوٹے اور سراپردہ کی چل پڑے۔ اور کسی ایسے خیال میں مستغرق ہوئے کہ یہ خبر ہی نہ رہی کہ سراپردہ کے پاس آ گئے۔ وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک دلکش آواز آئی۔

"آپ آج شاید پھر راستہ بھول کر اس طرف آ نکلے ہیں"۔

سرور چونک پڑے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو شہزادی سلمیٰ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ انہوں نے کہا "راستہ بھول کر نہیں بلکہ عالم استغراق میں اس طرف نکل آیا"۔

سلمیٰ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کا روئے تاباں اور منور ہو گیا اس نے کہا، "وہ عالم استغراق تھا کہاں؟"

سرور نے پیکرِ حسن کو دیکھ کر کہا، "میرے دل میں"۔

سلمیٰ پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ اس قدر ہنسی کہ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور چہرہ گل گلاب سے زیادہ گلابی ہو گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا، "گویا آپ اپنے دل ہی دل میں غوطے لگاتے چلے آ رہے تھے"۔

سرور نے اس شہزادی حسینہ کو ایسی نگاہوں سے دیکھا۔ جیسے ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

سلمیٰ نے ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے، "جی نہیں۔ عالم استغراق آپ کے دل ہی میں ہے"۔

سرور: کیا میں نے ایسا کہہ دیا تھا۔

سلمیٰ: جی نہیں میں اپنی طرف سے کہہ رہی ہوں۔

سرور: نہ معلوم کیسے میری زبان سے یہ نکل گیا۔

سلمیٰ: آپ شاید اپنے ہوش میں نہیں رہتے ہیں۔

سرور: ہوش...... ے

لے گئیں ہوش و خرد تیری نشیلی آنکھیں، ان سیہ مستوں نے لوٹا ہے خزانہ دل کا۔

سلمٰی شرما گئی۔ اس نے بات کا رخ بدل کر کہا "اوہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی میں نے مبارکباد تو دی ہی نہیں۔ فاتح طرابلس فتح مبارک ہو۔"

سرور اس دلربا کی ایک ایک ادا کو دیکھ رہے تھے۔ جس ادا سے اس نے فتح کی مبارکباد دی وہ ایمان شکن تھی۔

سرور نے کہا "تم نے فتح پر مبارکباد دی، مجھے صلہ مل گیا۔

سلمٰی: لیکن مجھے تو یہ تعجب ہے کہ تم نے والئی طرابلس کو کیسے قتل کر ڈالا۔

سرور: قوتِ بازو سے۔

سلمٰی: شاید اس وقت آپ کے دل میں عالمِ استغراق نہیں تھا۔

سرور: سلمٰی تم بڑی شوخ ہو۔

سلمٰی: اور تم بڑے سیدھے ہو۔

سرور: بات یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے آکر کچھ کھویا سا جاتا ہوں۔

سلمٰی: یہ ہی مجھے بھی ڈر ہے کہ کہیں آپ کھوئے نہ جائیں۔

سرور: کاش میں کھویا جاتا سلمٰی......

سلمٰی نے جادو نگار آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ وہ فقرہ پورا نہ کر سکے۔ سلمٰی نے کہا "کہیے"

سرور: کیا کہوں..... سے

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری ٭ لب پہ رہ جاتی ہے آ آکے شکایت تیری

سلمٰی: خوب مجھ سے آپ کو کیا شکایت ہے۔

سرور: اگر خفا نہ ہو تو کچھ کہوں"

سلمٰی: بس تو تم کچھ کہو ہی مت۔

سرور: نہ سنوگی تو نہ کہوں گی۔

سلمٰی: ہاں یہ تو بتائیے آپ اس طرف گئے تھے کہاں۔

سرور: سمندر کو دیکھنے۔

سلمٰی: میں نے بھی سمندر دیکھا ہے۔ اس طرف تو پانی کی دنیا ہے۔ بڑا ہی خوفناک منظر ہے۔

سلمٰی نے بھولے پن سے کہا "مگر نظر تو آتی ہی نہیں"

سرور: وہ دنیا ہزاروں کوس دوری پر ہے۔

سلمٰی: لیکن لوگ وہاں آباد ہی کیوں جا ہوئے۔

سرور: لوگ از خود آباد نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا نے انہیں آباد کیا ہے۔

سلمٰی: اب کب تک یہاں اور قیام رہے گا۔

سرور: کیوں کیا اس جگہ کی تفریح سے دل سیر ہو گیا۔

سلمٰی: نہیں، بلکہ یہ مقام تو فتح ہو گیا۔ اب کوئی اور مقام فتح کرنا چاہیے۔

سرور نے اس سیم تن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن اس فتح کا آپ کی سرکار سے مجھے کیا صلہ ملا۔ صرف مبارکباد"

سلمٰی نے شوخ نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا "اور کیا چاہتے تھے آپ"

سرور نے اس کے رخِ روشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر اجازت ہو تو کہوں۔ مگر خفا نہ ہو جائیے گا"

سلمٰی: جس بات سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ وہ بات نہ کہنی چاہیے۔

سرور اس کی طرف بڑھے، وہ پیچھے ہٹی، انہوں نے کہا۔

"سلمٰی آج تو......"

سلمٰی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ آگے کیوں بڑھے چلے آ رہے ہیں"

سرور: اور تم پیچھے کیوں ہٹ رہی ہو۔

سلمٰی: دیکھو آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔

سرور نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ابھی دن باقی تھا۔

انہوں نے کہا "شریر سلمٰی....." ابھی ان کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ ان کی نگاہ اس جگہ پڑی جس جگہ سلمٰی کھڑی تھی۔ وہ غائب تھی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو وہ کچھ فاصلہ پر ان کی طرف دیکھتی ہوئی سراپردہ کی طرف جا رہی تھی۔

اس وقت اس کے رُخِ روشن پر آفتاب کی سنہری شعاعیں لوٹ رہی تھیں۔ جنہوں نے اس کے گلفام رخساروں کو جگمگا دیا تھا۔ آنکھوں میں شوخی کی چمک تھی۔ اور ہونٹوں پر تبسم کھل رہا تھا۔

سرور نے اس مہ جمال کو دیکھا۔ انہیں تعجب ہوا کہ وہ اس خاموشی سے ان کے پاس سے کھسک گئی کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ چونکہ وہ قدرے دور چلی گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ اس حورِوش کا تعاقب کریں۔

اور یہ بات وہ خوب جانتے تھے۔ کہ اگر وہ اس سے ٹھہرنے کی استدعا کرتے، تو وہ شاید نہ ٹھہرتی جب انہوں نے اس رشکِ مہ وہفتہ کو دیکھا تو اس نے کھل کر مسکراتے ہوئے شوخی سے سلام کہا اور تیزی سے چلی گئی۔

سرور لوٹ آئے۔ اسی روز انہیں عبداللہ نے حکم بھیجا کہ دوسرے ہی دن لشکر سبیطلہ کی طرف کوچ کرنے کو تیار ہو جائیں۔

انہوں نے اسی وقت غلام کے ذریعہ سے خواتینِ عرب کو اطلاع کرا دی۔ عشاء کی نماز پڑھتے ہی سب نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور صبح کی نماز پڑھتے ہی تمام لشکر سبیطلہ کی روانہ ہو گیا۔ صرف ایک ہزار مسلمان اس مشہور قلعہ میں چھوڑ دیے گئے۔

باب ۱۱

وحشت ناک خبر

جرجیر نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ اتوار کے دن نماز پڑھ کر لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہو۔ چونکہ ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔ اس لیے اس لشکر کی فتحیابی کے لیے ہر روز ہر گرجا میں دعا مانگی جائے۔ چنانچہ ہر گرجا کا پادری روزانہ فتح کی دعا کرایا کرتا تھا۔ ادھر لشکر میں تیاریاں جاری تھیں۔ جرجیر نے جو لشکر میدانِ جنگ میں لے جانے کے لیے فراہم کیا۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ دیکھ کر عوام الناس عیسائی سمجھنے لگے تھے۔ کہ ان کا بادشاہ مسلمانوں کو شکست دے کر مصر و شام پر قابض ہو جائے گا۔ خود جرجیر کا بھی یہ ہی خیال تھا۔

چونکہ اس جنگ کی ابتدا جرجیر کی جانب سے ہوئی تھی۔ اور اس کا ارادہ مصر پر یورش کرنے کا تھا۔ اس لیے اس نے ہر ممکن تیاری کر لی تھی۔ اکثر تھیوڈوس لشکر میں آتا۔ اور عیسائیوں کو جوش دلانے کے لیے بڑی پرجوش تقریریں کرتا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ عیسائی جانبازوں میں سرفروشی کا ایسا جذبہ پیدا ہو جائے کہ وہ میدانِ جنگ میں جاتے ہی مسلمانوں کو پیس ڈالیں۔ انہیں ہزیمت دے کر پہلے مصر اور پھر ملک شام پر قبضہ کر لیں۔

اس بات کا اطمینان تھیوڈوس، جرجیر اور تمام عیسائیوں کو تھا۔ کہ طرابلس کا قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ ان کی روانگی تک مسلمان اسی قلعہ پر الجھتے رہیں گے۔

ایک روز تھیوڈوس نے جرجیر کی موجودگی میں بڑی جوشیلی تقریر کی، اس نے کہا "مسیحی جانبازو! رات میں نے خواب میں خدا کے پیارے بیٹے (حضرت عیسٰیؑ) کو دیکھا ہے۔ آپ نہایت بشاش تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تھیوڈوس! اٹھ اور عیسائیوں سے کہہ دے کہ وہ خدا کے بیٹے کا پیغام سنیں اور اس پر عمل کریں۔

تمام عیسائی نہایت غور و توجہ سے سننے لگے حضرت عیسیٰ کا پیغام سننے کے لیے ہر عیسائی ہمہ تن شوق بن گیا۔ سب اس درجہ خاموش ہو گئے کہ محض سانس لینے کی آوازیں آنے لگیں۔

تھیوڈوس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، آپ نے فرمایا کہ میں یروشلم سے آ رہا ہوں۔ بے دینوں (مسلمانوں) نے اس مقدس شہر کی بڑی بے حرمتی کر رکھی ہے۔ عیسائیوں کو چاہیے کہ اس متبرک مقام کو ان سے چھین لیں۔ خدا عیسائیوں کو مبتلائے عیش دیکھ کر ان سے ناخوش ہو گیا تھا۔ اور اس لیے انہیں سزا دینے کے لیے ان کا پاک مقام ان سے چھین کر غیر عیسائیوں کو دے دیا تھا۔ مگر اب وہ عیسائیوں سے خوش ہو گیا ہے۔ اور اس لیے اب وہ یروشلم کو پھر عیسائیوں کے قبضہ میں دے دے گا۔

یہ جنگ مذہبی جنگ ہو گی۔ اس جنگ میں مرنے والے عیسائی شہید ہوں گے۔ اور جو زندہ رہیں گے خدا انہیں بھی نوازے گا۔ انہیں عزت دے گا۔ شہرت دے گا۔ اور دولت دے گا۔ مسلمانوں کی خوب صورت عورتیں انکی کنیزیں ہوں گی اور بچے ان کے غلام ہوں گے۔

حضور نے یہ بشارت دی ہے کہ مقدس یروشلم (بیت المقدس) کو بادشاہ جرجیر اور اس کا لشکر فتح کرے گا۔ اس لشکر میں خدا کے محبوب بندے ہیں جنہیں خدا نے اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔

عیسائی دلیرو! تمہاری اور تمہارے بادشاہ کی خوش قسمتی میں کوئی شک نہیں۔ دولت اور عزت تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے کوچ کرنے کی دیر ہے۔ جس طرف بڑھو گے فتوحات کرتے چلے جاؤ گے تمہاری شہرت و عظمت کے دنیا میں جھنڈے گڑ جائیں گے۔

میں خود بھی اس لشکر کے ساتھ ہوں گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حسین و جمیل اور شہسوار و بہادر شہزادی ہیلن بھی ساتھ ہو گی۔ بادشاہ بھی موجود ہوں گے۔

میں نے خداوند کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اپنا فرض ادا کرو۔ اس تقریر کو سن کر ہر عیسائی خوش ہو گیا اور ہر ایک نے اس بات کو سمجھ لیا۔ کہ خدا اور اس کا بیٹا دونوں مسلمانوں سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی شکست اور عیسائیوں کی فتح یقینی ہے۔ تقریر سنتے ہی وہ مسلمانوں کی دولت لوٹنے۔ ان کی عورتوں کو کنیزیں اور ان کے بچوں کو غلام بنانے کے خواب دیکھنے لگے۔

اس لشکر میں ہزاروں ایسے آدمی تھے۔ جنہوں نے شہزادی ہیلن کا رخ زیبا نہ دیکھا تھا اور اس کے دیکھنے کی آرزو تھی۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ جب وہ شعلہ رُو ان کے ساتھ شریک لشکر ہو گی۔

تو کبھی نہ کبھی اس کی زیارت کا موقعہ مل ہی جائے گا۔

انہیں یہ بات بھی معلوم تھی کہ شہزادی ہیلن جس قدر خوبصورت ہے۔ اسی قدر بہادر اور شہسوار بھی ہے۔ اس لیے میدانِ جنگ میں وہ ضرور نکلے گی۔ اور اس وقت اس کی چاند سی صورت دیکھنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اب عیسائی اس دن کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب کہ وہ مصر کی جانب کوچ کریں اور رشکِ قمر حور وش شہزادی ان کے ساتھ چلے۔

تھیوڈوس نے جمعرات کو یہ تقریر کی۔ جمعہ کے روز دوپہر کے بعد ایک سوار طرابلس کی طرف سے گھوڑا دوڑا کر آیا۔ اور سیدھا سبیطلہ کے قلعہ میں چلا گیا۔ چونکہ وہ تنہا تھا۔ اس لیے بعض لشکریوں نے اسے دیکھا اور بعض نے دیکھا ہی نہیں۔ جن لوگوں نے دیکھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید وہ اس بات کی خوشخبری لے کر آیا ہے۔ کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کو ہزیمت دے کر بھگا دیا ہے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں بادشاہ مصر پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی نہ کر دے۔

انہیں مسلمانوں کی دولت لوٹنے اور ان کی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کرنے کی بڑی طمع دامن گیر ہو گئی تھی۔ نیز شہزادی ہیلن کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا اس لیے ان کی تمنا تھی کہ بادشاہ مسلمانوں پر ضرور یورش کرے۔

طرابلس سے جو سوار آیا تھا۔ وہ شہر سبیطلہ میں داخل ہو کر شاہی قصر کی طرف دوڑا۔ اور ایوان قیصری کے پاس جا کر رکا۔ پہرہ والوں سے کہا "اعلیٰ حضرت شہنشاہ افریقہ سے اطلاع کر دو کہ طرابلس سے ایک قاصد آیا ہے۔ جو نہایت اہم خبریں حضور والا کے گوش گزار کرنا چاہتا ہے۔"

یہ قاصد وہی تھا۔ جو ابھی چند روز ہوئے آیا تھا۔ اور واپس گیا تھا۔ پہرہ والوں نے فوراً شہنشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے اسے اپنے کمرہ خاص میں طلب کر لیا۔ قاصد محل میں داخل ہوا۔ جو نہایت عالیشان محل تھا۔ اس نے اس سے پہلے اس خوبصورت اور شاندار قصر کو اور اس کی آرائش و زیبائش کو نہ دیکھا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب کمرہ خاص کے قریب پہنچا۔ تو اس نے سینکڑوں پری جمال لڑکیوں اور عورتوں کو کھڑے دیکھا۔ وہ سب نہایت خوبصورت تھیں۔ بیش قیمت ریشمی لباس اور سونے کے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔ ان کی پیاری پیاری صورتیں آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہی تھیں۔

قاصد انہیں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ عورتوں کے قریب جب وہ پہنچا تو اسے روک کر کہا گیا کہ ٹھہرو۔ ابھی شہزادی ریلین اپنے باپ سے کچھ باتیں کر رہی ہے۔

اس قاصد نے بھی شہزادی کے حسن و جمال کی تعریف سنی تھی۔ اسے بھی اس گل اندام کو دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ اس نے سوچا کہ جب حوروش شہزادی کمرہ سے باہر نکلے گی۔ تب وہ اسے دیکھ کر اپنی آرزوئے دید پوری کر لے گا۔ یا تو وہ گھور گھور کر سیم تن عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یا اب کمرہ کے دروازہ کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں شہزادی کمرہ سے باہر نکلی۔ لیکن اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ قاصد اس کے عارض تاباں کی ذرا سی ہی جھلک دیکھنے پایا تھا کہ وہ برق وش زنان خانہ کی طرف چلی گئی۔

قاصد کی نگاہوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ وہ اس کا روئے تاباں نظر بھر کر بھی نہ دیکھ سکا۔ اس کی نگاہوں نے اس پری رو کا تعاقب کیا۔ وہ ایسی دیدہ زیب پوشاک پہنے ہوئے تھی۔ کہ دیکھنے والا دل پکڑ کر ہی رہ جاتا تھا۔ اس کی رفتار میں عجیب نزاکت و دل کشی تھی۔

جب وہ دور نکل گئی اور وہ تمام عورتیں اور لڑکیاں بھی چلی گئیں جو وہاں کھڑی تھیں۔ تب ایک خادمہ نے قاصد کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑھ کر کمرہ میں داخل ہوا۔ اور سلام کے لیے سجدہ میں گر گیا۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوا تب جرجیر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اسے پہچان کر کہا۔ " اوہو تم پھر آ گئے ؟"

قاصد نے کہا " جی ہاں حضور! میں پھر حاضر ہو گیا "

جرجیر: اور اس مرتبہ شاید فتح کی خوشخبری سنانے آئے ہو "

قاصد نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا " کاش! میں فتح کی مبارکباد دینے آتا "

جرجیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا " تو کیا پھر مدد طلب کرنے آئے ہو "

قاصد: نہیں حضور! اب مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

جرجیر: عجیب باتیں کہہ رہے ہو۔ تم، آخر کیا ہوا۔

قاصد: حضور مسلمانوں نے طرابلس فتح کر لیا۔

یہ سن کر جرجیر حیران رہ گیا۔ اسے یقین ہی نہ آیا۔ کہ قاصد نے وہی کہا ہے۔ جو اس نے

سنا ہے۔ اسے خیال ہوا کہ شاید اس کی سماعت نے دھوکا کھایا۔ اس اطمینان کے لیے پھر پوچھا۔ "کیا طرابلس مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے ؟"

قاصد: جی ہاں۔

جرجیر: حرقوص کہاں گیا۔

قاصد: میدان جنگ میں مارا گیا۔

جرجیر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا " افسوس! برا ہوا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ مسلمان قلعہ کے اندر پہنچے کیسے۔

قاصد: اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔

جرجیر: کیا مسلمانوں نے قلعہ پر دھاوا نہیں کیا تھا۔

قاصد: نہیں معلوم یہ ہوا ہے کہ وہ رات کو اچانک قلعہ میں گھس آئے۔

جرجیر: بغیر فصیل توڑے ہوئے۔

قاصد: جی ہاں۔

جرجیر: تم طرابلس میں پہنچ گئے تھے۔

قاصد: میں پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ بدبخت مسلمانوں نے مشہور قلعہ کو فتح کر لیا جو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

جرجیر: فتح طرابلس کے واقعات تمہیں کس سے معلوم ہوئے۔

قاصد: کچھ لوگوں کو مسلمانوں نے قلعہ سے باہر نکال دیا ہے۔ وہ راستہ میں مجھے ملے تھے۔

جرجیر: ان سے کیا حالات معلوم ہوئے تمہیں۔

قاصد: انہوں نے بتایا کہ رات کو سب حسب معمول آرام اور اطمینان سے پڑے سو رہے تھے کہ پچھلی رات کے وقت اچانک شور ہوا کہ مسلمان آ گئے۔ تمام قلعہ میں ہلڑ مچ گیا۔ جب لوگ گھروں سے نکل کر باہر آئے تو دیکھا کہ جنگ ہو رہی ہے۔ صبح کے وقت حرقوص مارے گئے اور طرابلس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جرجیر: کچھ پروا نہیں۔ میں ان بدبخت مسلمانوں سے حرقوص اور طرابلس والوں کا انتقام لوں گا۔ میرے پاس ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرار ہے۔ آج جمعہ ہے۔ پرسوں لشکر کوچ کرے گا۔

مسلمانوں کی موت انہیں کھینچ کر میرے سامنے لائی ہے۔ میرے جانباز سپاہی ان کے ٹکڑے کر ڈالیں گے تم جاؤ اب آرام کرو۔ پرسوں تم بھی لشکر کے ساتھ چلنا۔

قاصد نے سجدہ میں گر کر پھر سلام کیا اور وہاں سے واپس آیا۔ جرجیر نے ایک خادم کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس خادم نے قاصد کو مہمان خانہ میں ٹھہرا دیا۔

شام تک سبیطلہ میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ مسلمانوں نے طرابلس کا مشہور قلعہ فتح کر لیا۔ رفتہ رفتہ اس لشکر میں اس بات کی شہرت ہو گئی کہ طرابلس عیسائیوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ عیسائی سپاہیوں کو اس کا افسوس بھی ہوا اور مسلمانوں کی جسارت پر غصہ بھی آیا۔

انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ ان تمام مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے جنہوں نے حرقوس کو قتل کر کے طرابلس فتح کر لیا تھا۔

اب عیسائی بڑی بے صبری سے اتوار کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ تاکہ روانہ ہو کر مسلمانوں سے لڑ کر انہیں ہزیمت دیں۔ اور ان سے طرابلس کی شکست کا انتقام لیں۔

نظّارۂ جمال

سبیطلہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا۔ کئی کئی منزل کے مکان تھے۔ آبادی گنجان تھی اور چونکہ اہل شہر متمول تھے۔ بازار کسی قدر قرینہ میں تھے۔ دکانوں میں ہر چیز صاف اور ستھری اور زیادہ تعداد میں رہتی تھی۔ خصوصاً صراف، بزاز، جوہری اور سامان آرائش رکھنے والوں کی دکانوں میں ہزاروں لاکھوں روپے کی مالیت کا سامان ہوتا تھا۔

صبح، شام اور رات کو ان بازاروں میں خوب چہل پہل عورتیں اور مرد کثرت سے خرید و فروخت کرنے آتے تھے۔

شاہی قصر کے قریب کچھ محلات تو ان کنیزوں کے تھے۔ جو بادشاہ، بیگم اور شہزادی ہیلن کی خدمت میں رہتی تھیں۔ اور ان سے ذرا آگے وزیر اعظم کا عالی شان قصر تھا۔ اس سے کچھ بڑھ کر سپہ سالار کا دیوان تھا۔ اور اس دیوان سے امیروں اور رئیسوں کے محلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ مارقوص جرجیر کا سپہ سالار تھا اور سلوانوس سپہ سالار کا بیٹا تھا۔

یوں تو شہزادی پر نہ معلوم کتنے اور کون کون سے لوگ فریفتہ تھے لیکن سلوانوس گویا اس پر جان دیتا تھا۔ اس نے دو چار مرتبہ ہی اس حوروش کو دیکھا تھا۔ مگر جب اسے وہ دیکھتا تھا۔ اس کی رگ رگ میں شعلۂ عشق بھڑک اٹھتا تھا۔ اور ہر مرتبہ آتش محبت اور تیز ہو جاتی تھی۔

لیکن حوروش ہیلن کو دیکھنا بھی آسان نہ تھا۔ وہ ایک جلیلۃ القدر شہزادی تھی۔ دیوان شاہی میں رہتی تھی۔ اس کا دیدار مشکل ہی سے ہوتا تھا۔ اس کی بہت سی کنیزیں اور سہیلیاں تھیں۔ لیکن اسے خصوصیت اپنی ایک سہیلی لوسیا سے تھی۔ وہ اس کی راز دار تھی۔ اور یہ بات سب کو معلوم تھی۔ سلوانوس بھی جانتا تھا۔ اس نے لوسیا کو تحائف دے کر اپنے اوپر مہربان کر لیا تھا۔ اور اسے اپنی محبت کی داستان بھی سنا دی تھی۔ اور وہ اس سے ہمدردی کرنے لگی تھی۔

ایک روز سلوانوس لوسیا کے پاس اس کے محل میں پہنچا لوسیا نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنے کمرہ خاص میں لے گئی۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

لوسیا بھی نہایت حسین و جمیل تھی۔ امیرانہ شان سے رہتی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بڑی مہربانی کی سلوانوس! کیسے کیسے تشریف لائے؟"

سلوانوس نے کہا۔ "کئی روز سے تمہیں دیکھا نہ تھا دیکھنے چلا آیا۔"

لوسیا نے ہنستے ہوئے کہا "سلوانوس میں شہزادی نہیں ہوں۔"

سلوانوس نے اس کے سیم وتن کو دیکھ کر کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم شہزادی نہیں ہو۔ لیکن جس سے شہزادی محبت کرتی ہے اس کی وہ سہیلی ہو۔ اور چونکہ میں شہزادی کی ہر اس چیز اور ہر اس عورت سے محبت کرتا ہوں۔ جو اس کی نظروں میں محبوب ہو۔ اس لیے تم سے قدرتی طور پر محبت ہونا ضروری ہے۔"

لوسیا: لیکن سلوانوس آخر تمہاری محبت کا انجام کیا ہوگا۔

سلوانوس: تم اس کا فکر نہ کرو۔

لوسیا: کیوں؟

سلوانوس: مقدس اسقف اعظم نے وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ اس کام میں میری پوری پوری مدد کریں گے۔

لوسیا: تب تو تمہارے لیے امید کی جھلک ہے۔

سلوانوس: ہاں! اور امید کی اس شعاع نے میری زندگی کو سنبھال رکھا ہے۔

لوسیا: لیکن آپ کو معلوم ہے کہ قسطنطین نے اپنے بھتیجے کے لیے شہنشاہ جرجیر کو پیغام دیا ہے۔

سلوانوس: مجھے معلوم ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اسے کامیابی نہ ہوگی۔

لوسیا: کس بنا پر آپ کا یہ خیال ہے۔

سلوانوس: جب تک یہ جنگ جاری ہے اس وقت تک شہزادی کی شادی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ جرجیر لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے اس حورِ طلعت کو میدانِ جنگ میں لے جانا چاہتے ہیں۔

لوسیا: تو شہزادی کے ساتھ ہمیں بھی سب کو جانا پڑے گا۔

سلوانوس: یقیناً! اور یہ میری خوش قسمتی ہوگی کہ تم بھی حورِوش شہزادی کے ساتھ رہو گی۔

لوسیا: غالباً آپ بھی جنگ پر جائیں گے۔

سلوانوس: ضرور جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میری قسمت کا ستارہ میدان جنگ ہی میں چمکے گا۔

لوسیا نے مسکراتے ہوئے کہا "حضرت مسیح کریں کہ ایسا ہی ہو۔"

سلوانوس: تم نے کبھی میرا ذکر شہزادی سے کیا بھی تھا۔

لوسیا: ہاں ایک مرتبہ کیا تھا......

سلوانوس: کس وقت۔

لوسیا: جب کہ میدانِ جنگ میں جانے والوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی گئی تھی۔

سلوانوس: اس مصروفیت کے عالم میں کیا توجہ دی ہوگی۔

لوسیا: نہیں انہوں نے فہرست کو بڑے غور سے پڑھا تھا۔

شاہ قسطنطین ہرقل اعظم کا بیٹا تھا اور ہرقل اعظم عیسائیوں کا شہنشاہ اس کا پایہ تخت پہلے انطاکیہ تھا۔ بعد میں قسطنطنیہ ہوا جب وہ قسطنطنیہ بھاگ کر آیا تو افریقہ میں جاکر خود مختار ہوگیا۔

سلوانوس: خدا معلوم انہیں یاد بھی رہا ہے۔

لوسیا: اگر میری صلاح مانو تو شہزادی کے جال سے دستبردار ہو جاؤ۔

سلوانوس: یہ ناممکن ہے۔ میری زندگی کا مدار شہزادی کے حصول پر ہے۔

لوسیا: مگر شہزادی کا ملنا......

سلوانوس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "تم اس کا فکر نہ کرو۔"

لوسیا: مگر آپ کی تشریف آوری۔

سلوانوس: ایک خاص غرض سے ہے۔

لوسیا: فرمائیے۔

سلوانوس: پری پیکر شہزادی نظارہ جمال ہوئے عرصہ ہوگیا ہے اگر تم مہربانی کرو تو میری آرزوئے دید پوری ہو سکتی ہے۔

لوسیا: یہ ناممکن ہے۔

سلوانوس: ایسی دل شکن بات نہ کہیے۔

لوسیا: سوچیے میں کیسے اور کیا آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔

سلوانوس: تم شہزادی کی رازدار ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس وقت اور کہاں جاتی ہے۔ پاس سے نہ سہی دور ہی سے اسے دکھلا دو۔

لوسیا: میں ایسی جرأت نہیں کر سکتی۔

سلوانوس ناامید ہوگیا۔ مگر فوراً ہی اس کا چہرہ بشاش ہوگیا۔ اس نے ایک خوبصورت چاندی کی صندوقچی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالی اور اسے کھول کر اس میں سے ایک ہار نکالا۔ جو نہایت خوبصورت اور بہت زیادہ قیمتی تھا۔

لوسیا نے للچائی ہوئی نگاہوں سے ہار کو دیکھنا شروع کیا۔ سلوانوس نے لوسیا سے دریافت کیا "یہ ہار کیسا ہے؟"

لوسیا: نہایت اچھا ہے۔

سلوانوس: تمہیں پسند ہے۔

لوسیا: بہت زیادہ پسند ہے۔

سلوانوس نے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لو یہ تمہاری نذر ہے۔"

لوسیا نے مشکورانہ نظروں سے دیکھ کر کہا "آپ کا شکریہ"

سلوانوس: لوسیا! مجھ پر مہربانی کرو۔ اس شعلہ رو کو ایک نظر دکھاؤ۔

لوسیا: ایک شرط پر۔

سلوانوس: کس شرط پر؟

لوسیا: جس جگہ میں تمہیں چھپا کر کھڑا کر دوں وہیں کھڑے رہو۔ جوشِ محبت میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھو جو تمہاری رسوائی اور میری بداعتمادی کا سبب بن جائے۔

سلوانوس: اطمینان رکھو۔ میں بڑے ضبط و تحمل سے کام لوں گا۔

لوسیا: تو سنو! شہزادی ابھی یہاں آنے والی ہے۔ اور اسی کمرہ میں بیٹھے گی۔ جس میں تم اور میں دونوں بیٹھے ہیں۔

سلوانوس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا "میں عمر بھر مشکور رہوں گا۔ تمہارا لوسیا"

لوسیا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا "اچھا تو جلدی کرو۔ میرے ساتھ آؤ"

سلوانوس اٹھا۔ لوسیا چلی۔ سلوانوس اس کے پیچھے چلا۔ دونوں کمرے سے نکل کر غلام گردش میں آئے اور وہاں سے کئی کمروں میں ہوتے ہوئے ایک مختصر کمرہ میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ اس کمرہ کے عین پشت پر واقع تھا۔ جس میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی یہ دونوں بیٹھے تھے۔

لوسیا نے کہا "تم یہاں اس دریچہ کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں اس کمرے کے تمام دروازوں کے پردے کھولے دیتی ہوں۔ جس سے اس کمرے میں ایسا اندھیرا ہو جائے کہ شہزادی یا اور کسی کو اس کے برابر والے کمرے سے یہاں کی کوئی چیز نظر نہ آئے۔

سلوانوس: بڑی مہربانی ہوگی۔

لوسیا نے جلدی جلدی پردے چھوڑ دیے۔ اور دریچہ کے پردے کو اس طرح چھوڑا۔ جس سے اس میں جھری رہ گئی۔

سلوانوس کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے ابھی سے اپنی آنکھیں دریچہ پر لگا دیں۔ جس سے وہ

بآسانی دوسرے کمرے میں دیکھنے لگا۔

لوسیا وہاں سے چلی گئی۔ اور بہ عجلت دوسرے کمرے میں پہنچی۔ فوراً ہی اسے معلوم ہوا کہ شہزادی آگئی ہے اور اس کے محل میں داخل ہو رہی ہے۔ وہ جلدی سے دوڑی اور دروازے پر شہزادی کا استقبال کیا۔ شہزادی ہیلن کے ساتھ اس وقت بھی کئی سہیلیاں اور کنیزیں تھیں۔ وہ سب پری رخسار تھیں۔ ان کے جھرمٹ میں شہزادی بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے ستاروں میں چاند۔

ہیلن نہایت ہی خوبصورت تھی۔ اس کا چہرہ گول۔ آنکھیں بڑی بڑی سرگیں اور غزال جیسی آنکھوں سے کہیں زیادہ دلکش تھیں۔ جسم سڈول تھا، قد موٹا سا۔ رخسارے آتشناک تھے۔ دانت ہموار اور دُرِ ناسفتہ کی طرح سفید تھے۔ اس کے لبوں پر ہر وقت تبسم کھلتا رہتا تھا۔ اس کے چہرے میں کچھ ایسی دلکشی تھی کہ جو ایک نظر دیکھ لیتا تھا ہزار جان سے فریفتہ ہو جاتا تھا۔

لوسیا، ہیلن اور پری جمال سہیلیاں کنیزوں کے ساتھ صحن اور غلام گردش طے کر کے اس کمرے میں آئیں۔ جس میں سلوانوس اور لوسیا ابھی تھوڑی دیر پہلے بیٹھے تھے۔

ہیلن ایک کوچ پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں خوبصورت پرندوں کے پروں کی پنکھی تھی۔ وہ خود ہی اپنے رخسارِ آتشیں پر پنکھی جھلنے لگی۔ اگرچہ قدرے خنکی تھی۔ لیکن شہزادی ہیلن کو آتشِ حُسن سے پسینہ پر پسینہ چلا آ رہا تھا۔

سلوانوس دریچہ میں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس شمعِ حُسن کی روح نواز صورت دیکھ کر کچھ کھویا سا گیا اور خود بخود ہو کر ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھنے لگا۔

باب ۱۲

حسینوں کا چہل

شہزادی نہایت تمکنت اور شان کے ساتھ کوچ پر نیم دراز تھی۔ وہ ایسا چست مگر دلفریب لباس پہنے ہوئے تھی۔ کہ اس کے سڈول بازو بھرا بھرا سینہ اور بروج شباب یعنی ثمر جوانی سب نظر آ رہے تھے۔ اور ہر چیز دیکھنے والے کو بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ گردن اور سینہ کا کچھ حصہ جو کھلا ہوا تھا شہابی رنگ کی صراحی معلوم ہو رہا تھا۔

لوسیا نے مسکرا کر کہا "شہزادی آج تو اس قدر گرمی بھی نہیں ہے۔ کہ پسینہ آجائے۔ اور پنکھی جھل جھل کر خشک کیا جائے"

شہزادی نے لوسیا کی طرف دیکھ کر کہا "گرمی نہیں ہے۔ مجھے تو بہت زیادہ گرمی معلوم ہو رہی ہے"

لوسیا: جانتی ہو گرمی کیسی ہے۔

ہیلن: میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آفتاب میں آج کچھ حدت آگئی ہے۔

لوسیا: یہ بات نہیں ہے۔ آتشِ حسن سے آپ کو گرمی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ہیلن یہ سن کر مسکرانے لگی۔ اس کے پرنور چہرہ پر روشنی کی لہریں دوڑنے لگیں اور وہ پیکر نور معلوم ہونے لگی۔

سلوانوس دریچہ کے آئینہ میں سے اس حور وش کو دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا ہوا میں وجد اور بڑھتی جاتی تھی۔ اور وہ دل کی پیاس بجھانے کے لیے شعلہ رو کو برابر دیکھ رہا تھا۔

ہیلن کو بالکل بھی معلوم نہ تھا۔ کہ کوئی مرد قریب ہی سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر اسے ذرا بھی علم ہو جاتا۔ تو آفت آجاتی۔ بیباک دیکھنے والے کو سخت سزا ملتی۔ اور جو سازش دید میں شریک سمجھا جاتا اس پر بھی آفت آتی۔

لوسیا نے کہا "گلاب کے پھولوں میں نزہت و شادابی کہاں ہے۔ جو آپ کے پھول سے رخساروں میں ہے۔ حضرت مسیح کی قسم اس چاند سے چہرہ کو دیکھنے والا مبہوت رہ جاتا ہے۔

ایک اور سہیلی نے کہا "آپ نے چاند سے مناسبت دی۔ حضور کے چہرہ کو، چاند روشن ہے لیکن اس کی روشنی میں دلکشی نہیں ہے۔ گلاب کا شاداب پھول اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ زیادہ دلفریبی نہیں ہے۔ میں سوچا کرتی ہوں۔ کہ شہزادی کے چہرے کو کس چیز سے تشبیہ دوں۔ لیکن ابھی تک میری سمجھ میں کوئی ایسی چیز ہی نہیں آئی۔"

دوسری سہیلی نے مسکرا کر کہا "یہ آفتاب حسن ہیں۔"

پہلی سہیلی: نہیں بلکہ پیکر نور ہیں۔"

دوسری سہیلی: گرمی حسن سے پسینہ پر پسینہ چلا آرہا ہے۔

پہلی سہیلی نے ہنس کر شہزادی کی طرف دیکھا اور کہا "اے حضور دیکھیے کم بخت پسینہ بہہ بہہ کر بروج شباب تک پہنچ گیا ہے۔ ذرا پسینہ پونچھ ڈالیے۔ دیکھیے ؎

گرمی حسن ہے سینہ سے پسینہ پونچھو

بہے جاتے ہیں جوانی کے ثمر پانی میں !!

ہیلن نے پنکھی کوچ پر رکھ کر کہا "میں نے پنکھی کیا جھلی تمہیں سب کو ایک بات ہی ہاتھ آگئی تعریفوں کے پل باندھ دیے"

لوسیا: حضور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم آپ کے حسن کی تعریف ہی نہیں کر سکتیں۔ خدا نے جس قدر حسین تم کو بنایا ہے......"

ہیلن نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "ایسی اور عورت ہی پیدا نہیں ہوئی"

لوسیا: میرا یہ ہی خیال ہے۔

پہلی سہیلی: ابھی تک تمہارا خیال ہی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ شہزادی پر سینکڑوں وہ شہزادے فریفتہ ہیں جو ایک نظر انہیں دیکھ چکے ہیں۔

دوسری سہیلی: یہ ہی بات ہے۔ صرف دیکھنے والے ہی گرویدہ نہیں ہیں بلکہ جنہوں نے نہیں دیکھا وہ ہوس دید میں مرے جاتے ہیں۔

لوسیا : اور بے چارہ سلوانوس . . . . .

پہلی سہیلی : اس کا برا حال ہے ۔

لوسیا : غریب کی حالت نہایت ہی خراب ہے۔ اگر شہزادی نے اسے تسلی نہ دی تو اندیشہ ہے کہیں وہ جانِ شیریں نہ کھو بیٹھے ۔

شہزادی : میں اب سمجھی ۔

لوسیا : کیا سمجھا حضور نے ۔

شہزادی : تم سب سلوانوس سے ملی ہوئی ہو۔ اس لیے اس کی حالتِ زار بیان کر رہی ہو ۔

پہلی سہیلی : حضرت مسیح کی قسم ہے۔ مجھ سے نہ سلوانوس ملے ہیں نہ انہوں نے اپنی کیفیت بیان کی ہے۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ ان کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے ۔

لوسیا : میں نے انہیں دیکھا ضرور ہے۔ مگر وہ جانتے ہیں کہ میں حضور کے دامن سے وابستہ ہوں۔ اس لیے انہیں مجھ سے کچھ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔ البتہ میں نے دیکھ کر معلوم کر لیا ہے کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔

ہیلن : ہوگی ۔

پہلی سہیلی : ہاں ہوگی۔ اب حضور کس کس کا خیال کریں ۔

ہیلن : دیکھو اب لشکر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ مجھ سے بھی کہا جا رہا ہے کہ میں بھی ساتھ چلو ۔

لوسیا : معلوم ہوا ہے مسلمانوں نے طرابلس فتح کر لیا ہے ۔

ہیلن : یہ صحیح ہے اور اب وہ افریقیہ کے مشہور شہر سبیطلہ کی طرف بڑھے آ رہے ہیں ۔

لوسیا : لیکن شہزادی صاحبہ کیا آپ واقف نہیں ہیں کہ مسلمان کس قدر وحشی، غیر متمدن اور جابر و ظالم قوم ہے ۔

ہیلن : خوب جانتی ہوں۔ لیکن اسقف اعظم یہ ہی چاہتے ہیں ۔

لوسیا : مگر حضور انکار کر دیں ۔

ہیلن : یہ ناممکن ہے۔ شہنشاہ کا بھی یہ ہی منشا ہے ۔

لوسیا : جب تو جانا ہی پڑے گا ۔

ہیلن : خود جانا پڑے گا۔ عیسائیوں کی متواتر شکستوں سے اسقفِ اعظم اور حضور شہنشاہ نے مشورہ کیا ہے کہ میں بھی میدانِ جنگ میں چلوں ۔

لوسیا نے مسکرا کر کہا "میں اب سمجھی گویا اسقف اعظم اور حضور شہنشاہ کا یہ خیال ہے کہ میدانِ جنگ میں آپ کی موجودگی سے عیسائیوں کو ڈھارس رہے گی اور ہر بہادر ملک و قوم پر مر مٹے گا لیکن فرار کے ننگ کو گوارا نہ کرے گا؟"

ہیلن : اب جو کچھ بھی ان کا خیال ہو ۔

پہلی سہیلی : ان کا یہ ہی خیال ہوا ہوگا۔ اور یہ ہے بھی ٹھیک بات جب لشکر کو معلوم ہوگا کہ افریقیہ کی حور، شہر سبیطلہ کی حسن کی دیوی۔ حسن و جمال کا نیر تاباں فوج کے ساتھ موجود ہے اور جانباز سپاہیوں کی سرفروشانہ جد و جہد دیکھ رہی ہیں۔ تو ہر شخص اپنی قوت سے زیادہ لڑے گا اور یقین واثق ہے کہ مسلمانوں کو شکست دے کر عیسائی مصر و شام فتح کر لیں گے ۔

لوسیا : لیکن وحشی مسلمانوں کی صورت، حضور شہزادی صاحبہ اور ہم سب کیسے دیکھ سکیں گے۔

دوسری سہیلی : میں تو ان کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر فنا ہو جاؤں گی ۔

ہیلن : خیر یہ بات تو نہیں ہے۔ مسلمان بھی انسان ہیں۔ مگر ہاں وہ وحشی ہیں اور اس لیے ان کی صورت ڈراؤنی ہوگی۔ میرا جی تو نہیں چاہتا کہ میں ان وحشیوں کے سامنے جاؤں ۔

لوسیا : تو آپ حضور شہنشاہ سے کیوں یہ بات نہیں کہہ دیتی ہیں ۔

ہیلن : نہیں ذرا اس میں اپنی سبکی سمجھتی ہوں۔ اور تمام سننے والے یہ خیال کریں گے کہ میں مسلمانوں سے ڈر گئی ہوں"۔

ہیلن کے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اس کی دلیری اور بہادری کی بھی شہرت تھی ۔

لوسیا نے کہا "لیکن اگر حضرت مسیح نہ کریں۔ میدانِ جنگ میں دوسری صورت واقع ہوگئی تب کیا ہوگا ۔

ہیلن : حضور شہنشاہ اور حضرت۔ اسقفِ اعظم کا خیال ہے کہ اگر میں لشکر کے ساتھ رہوں گی تو عیسائیوں کو شکست ہرگز نہ ہوگی ۔

لوسیا، کیا محترم اسقفِ اعظم بھی تشریف لے جائیں گے۔

ہیلن، ہاں وہ بھی بہت سے پادریوں کو لے کر چل رہے ہیں۔

لوسیا، جب تو چلیے کچھ حرج نہیں ہے۔

دوسری سہیلی؛ اس لیے کہ حضرت اسقف اعظم کی موجودگی سے خیر و برکت نازل ہوگی۔ اور مسلمانوں پر خدا اور اس کے بیٹے کا قہر و غضب ٹوٹ پڑے گا۔

لوسیا، بات تو ٹھیک کہی تم نے۔ اگر حضرت اسقفِ اعظم نے مسلمانوں کو بددعا دے دی تو وہ یقیناً فنا ہوجائیں گے۔

ہیلن، میرے دل کو بھی کچھ اسی خیال سے تقویت ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے جانے کی حامی بھرلی ہے۔

دوسری سہیلی، دراصل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسقف اعظم یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضور شہزادی صاحبہ کی شہرت دنیا جہان میں ہوجائے۔ اور ساری عیسائی دنیا میں یہ مشہور ہو کہ شہزادی ہیلن کے ذریعہ سے افریقہ والوں کو فتح ہوئی۔

لوسیا؛ یہ ہی بات ہے حضرت اسقفِ اعظم کو شہزادی صاحبہ سے بڑی محبت ہے۔

ہیلن، اس کا مجھے اعتراف ہے۔ وہ کبھی کسی کے پاس نہیں جاتے مگر میرے پاس دوسرے تیسرے روز ضرور آتے ہیں۔ میں ان کے تقدس کی قائل ہوں۔ اچھا اب لوسیا تم بھی تیار ہوجاؤ اور اپنی سہیلیوں کو بھی تیار کرلو۔ اور خدا سے دعا مانگو کہ وہ ہمیں فتح دے۔

لوسیا؛ میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گی لیکن حضور کچھ افسردہ خاطر ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔

ہیلن؛ میرا دل مسلمانوں کے مقابلہ میں جانے سے گھبراتا ہے نہ معلوم کیوں؟

لوسیا؛ شاید اس وجہ سے کہ مسلمانوں کی وحشیانہ جور و جبر کی داستانیں بڑے شد و مد سے سننے میں آرہی ہیں۔

ہیلن؛ یا اس وجہ سے کہ عیسائیوں کی شکست کا اندیشہ ہے۔

پہلی سہیلی؛ اس کا مطلق اندیشہ نہ کیجیے۔ حضرت اسقف اعظم کی موجودگی میں عیسائیوں کو شکست ہونا ناممکن ہے۔

ہیلن: خدا کی ذات سے یہ ہی توقع ہے۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ مجھے آئے بہت کافی دیر ہوچکی ہے۔

یہ کہتے ہی ہیلن اٹھی اور چلی۔ اس کی سہیلیوں اور کنیزوں کی پلٹن اس کے پیچھے روانہ ہوئی۔ وہ لوسیا کے قصر سے نکل کر اپنے ایوان کی طرف چل پڑی اور لوسیا وہیں رہ گئی۔

پُرجوش عیسائیوں کی روانگی

جب شہزادی رخصت ہوگئی۔ تب لوسیا سلوانوس کے پاس آئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اب تک دریچہ کے پاس بیٹھا جھانک رہا ہے۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ اس نے بلند آواز سے کہا سلوانوس! تم اب کیا دیکھ رہے ہو۔

سلوانوس اس کی آواز سن کر چونکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ لوسیا کو دیکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر دریچہ کی طرف دیکھنے لگا۔

لوسیا کو خیال ہوا کہ شاید اس کے کمرہ خاص میں کوئی اور لڑکی آگئی ہے اور سلوانوس اسے دیکھنے میں محو ہورہا ہے۔ وہ بڑھ کر اس کے قریب جا کھڑی ہوئی اور اس نے جھانک کر آئینہ میں سے دوسرے کمرہ میں دیکھا وہ برابر جھانک رہا تھا۔ لوسیا کو سخت حیرت ہوئی اس نے اس کے شانہ پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔

سلوانوس پھر چونکا۔ اس نے پھر پیری رو لوسیا کو دیکھا۔ اس وقت وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا سلوانوس کیا دیکھ رہے ہو۔

سلوانوس نے آہستگی سے جواب دیا، شہزادی کو!

لوسیا! چپ رہو کہیں وہ خبردار نہ ہوجائے۔

لوسیا کو اندیشہ ہوا کہ اس کے حواس نہ جاتے رہے ہوں۔ اس نے کہا۔ کہاں ہے شہزادی؟

سلوانوس: تمہارے کمرے میں بیٹھی ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے پھر جھانکا۔ لیکن اس مرتبہ فوراً ہی اپنی نظر ہٹالی۔ اور لوسیا کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، وہ تو چلی گئیں۔

لوسیا نے ہنس کر کہا، اب چلی گئیں۔ انہیں گئے عرصہ ہوا۔

سلوانوس: کیوں دھوکا دیتی ہو مجھے۔ میں تو انہیں ابھی تک دیکھ رہا تھا۔

لوسیا: اور میں انہیں رخصت کر کے تمہارے پاس آئی تھی۔

سلوانوس: پھر وہاں کون بیٹھا تھا۔

لوسیا: تمہارے تخیل نے اس گل اندام کی تصویر کو پیش نظر رکھا۔

سلوانوس: شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن پری جمال لوسیا: میں تمہارا مشکور ہوں۔ بہت زیادہ شکر گزار۔ میں نے آج تک اتنے قریب سے اس رشک قمر کو نہیں دیکھا تھا۔ اُف کس قدر حسین و جمیل ہے وہ۔ اس کا چہرہ کس قدر دلکش، رنگ کتنا سرخ و سفید، آنکھیں کس قدر پیاری، مژگاں کس قدر کٹیلی ابرو کیسے بانکے، ماتھا کیسا روشن، سر کے بال کتنے گھونگریالے، اور سنہرے جیسے ریشم کے لچھے اور......

لوسیا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، بس کیجیے بس۔ اس کی کس کس چیز کی تعریف آپ کریں گے؟

سلوانوس: تعریف ناممکن ہے۔ اس آسمانی پری کے کسی عضو کی تعریف کرنا بھی انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس کی آنکھیں حضرت مسیح کی قسم ایسی پیاری۔ ایسی دلفریب اور ایسی دلکش آنکھیں آج تک بھی نہیں دیکھی ہیں۔ اور ان سے جو روشنی خارج ہو رہی تھی۔ نور سحر سے زیادہ دیدہ زیب تھی۔ اور جب وہ مسکراتی تھی تو سفید دانتوں کی چمک سے بجلی سی کوند جاتی تھی۔

لوسیا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، معاف کیجیے۔ میرے خیال میں آپ اپنے حواس تک کھو بیٹھے ہیں سلوانوس۔

سلوانوس: حواس........ ہاں اس حسن کی دیوی کو دیکھ کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے تھے۔ سوچتا ہوں۔ جسے اس کی ہم نشینی نصیب ہوگی وہ کتنا خوش قسمت ہوگا۔

لوسیا: وہ جنگ پر جا رہی ہیں۔

سلوانوس: مجھے معلوم ہے۔ میں بھی جا رہا ہوں اور شاید تم بھی چلو گی۔

لوسیا: میں تو شہزادی کے دم کے ساتھ ہوں۔ جہاں وہ تشریف لے جائیں گی۔ میں بھی جاؤں گی۔

سلوانوس: یہ اچھا ہے کہ اگر تم وہاں ہوگی تو شاید میں اس شعلہ رو کو بار بار دیکھ سکوں۔

لوسیا: اب یہ بات مشکل ہے۔ جب تک شہزادی یہاں رہی میں برابر ڈرتی رہی۔ اگر تمہاری موجودگی کا اسے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو میری خیر نہ تھی۔

سلوانوس: مگر شبہ ہی کیوں ہو جاتا۔

لوسیا: اچھا اب میں شہزادی کے پاس جا رہی ہوں۔

سلوانوس: جاؤ میں بھی رخصت ہوتا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھا اور ایک مرتبہ اور لوسیا کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد لوسیا بھی قصر شاہی کی طرف چلی گئی۔

سسیلیہ کے باشندوں کو اتوار کا بڑا انتظار تھا۔ آخر اتوار بھی آ گیا۔ صبح کو شاہی گرجا میں لوگوں کا جم غفیر پہنچ گیا۔ تھیوڈوس نے گرجا کو کئی روز پہلے سے آراستہ و پیراستہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس روز تو نوعروس کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کی آرائش کو دیکھ کر لوگ نہایت محظوظ و مسرور ہوئے۔

اس گرجا میں زیادہ آدمی نہ آ سکتے تھے۔ بہت تھوڑے آدمی اندر آ سکے۔ انہوں نے نماز پڑھی اور جو باہر رہ گئے نماز نہ پڑھ سکے۔

تھیوڈوس نے لوگوں کو جوش دلانے کے لیے ایک لمبی تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا کہ مسلمانوں نے خداوند کے مولود مسکن پر قبضہ کر لیا ہے۔ یروشلم (بیت المقدس) جیسا پاک مقام وحشی عربوں کے زیر تحت ہو گیا ہے۔ خدا کے بیٹے کو ان سے بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اسے مسلمانوں کے ناپاک قدموں سے پاک کرو۔ جو اس لڑائی میں مارے جائیں گے وہ شہید ہوں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔

عیسائیوں میں بڑا جوش و خروش پھیلا۔ تھیوڈوس نے ایک بڑی سیاہ لکڑی کی صلیب نکالی۔ اس کے اوپر کے ٹکڑے پر خون سے جمع (+) کا نشان بنا ہوا تھا۔ اور اس کے گرد جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تھیوڈوس نے صلیب ہاتھ میں لے کر کہا۔ اس صلیب میں اس مقدس لکڑی کا تختہ لگا ہوا ہے جس پر خدا کے بیٹے کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ سرخ نشان حضور کے پاک خون کا ہے۔ عیسائیو روؤ خوب جی کھول کر روؤ۔

تمام عیسائیوں نے رونا شروع کر دیا۔ خود تھیوڈوس نے بھی رونا شروع کر دیا۔ دیر تک سب

روتے رہے۔ آخر جب یہ گریہ و زاری کا جوش کم ہوا۔ تو تھیوڈوس نے برکت کا ہاتھ جرجیر کی طرف بلند کیا۔

اب سب لوگ گرجہ سے باہر نکلے۔ اگرچہ لشکر سبیطلہ سے ادھر مقیم تھا لیکن نماز پڑھنے کے لیے تمام سپاہی شاہی گرجا کے سامنے آ گئے تھے۔ اور ان کا سامان بیس ہزار لشکر کے ساتھ دن نکلتے ہی روانہ کر دیا گیا تھا۔

شہنشاہ جرجیر شاہی محل میں گیا۔ اور شاہانہ لباس زیب تن کر کے برآمد ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی پری جمال بیٹی ہیلن بھی تھی۔

اس وقت شہزادی نے جو لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس میں سنہری لیس لگی ہوئی تھی۔ اور سارے لباس میں جواہرات کے ٹکڑے بڑی کاریگری سے آویزاں کیے گئے تھے۔ جو جھلملا رہے تھے۔ اس کے نازک سر پر نیم دائرہ کا نہایت خوبصورت تاج تھا۔ اس کے لباس، زیورات اور تاج نے اس کے حسن میں چار چاند لگا رکھے تھے۔ اس کی صورت ایسی چمکنے لگی تھی کہ اس کی طرف دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

آج وہ بے نقاب تھی اور اس کے حسن کی شعاعیں ماحول کو منور کر رہی تھیں۔ ہزاروں نگاہیں اس کے بے عیب حسین و جمیل چہرہ پر پڑ رہی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں پادریوں کی ایک جماعت آئی جو چاندی کی انگیٹھیاں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھی۔ ان انگیٹھیوں میں بخورات جل رہے تھے۔ اور ان کی خوشبو سے فضا معطر ہو رہی تھی۔

پادری آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے جاتے تھے۔ انہوں نے پہلے بادشاہ کو باری باری دھونی دی اور پھر شہزادی کو۔ اس کے بعد وہ چلے ان کے پیچھے شاہ اور شہزادی چلی۔ گرجا کے احاطہ کے باہر لشکر کمربستہ کھڑا تھا۔ اور راستہ کے دونوں کناروں پر تماشائیوں کا ہجوم تھا۔

جب بادشاہ گرجا کے دروازہ پر آیا تو تھیوڈوس نے اس کے اور شہزادی کے گلوں میں سونے کے ہار ڈالے۔ ان ہاروں میں یاقوت، زمرد، لعل اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

تھیوڈوس نے ایک صلیب سرخ رنگ کی بادشاہ کے سینہ پر اور دوسری شہزادی کے گداز سینہ پر رکھ دی۔ گویا سینٹ کی جانب سے ان دونوں کو مجاہدوں کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اب تھیوڈوس بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جوں ہی یہ لوگ تماشائیوں اور لشکر کے قریب پہنچے سب لوگ ان کی تعظیم کے لیے جھک گئے۔ چونکہ تمام لشکر گھوڑوں پر سوار تھا اس لیے سارے سوار جھکتے چلے گئے۔

سب سے پہلے بادشاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ لشکر نے نقل و حرکت کی۔ گھوڑے بڑھے اور شاہی سواری روانہ ہوئی۔ جب تقریباً ۲۵ ہزار سوار چلے گئے۔ تب شہزادی کی رتھ آئی۔ یہ وہی مطلّا رتھ تھا۔ جس پر شہزادی اکثر سوار ہوا کرتی تھی۔ اس میں اس وقت ۵ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اور ان گھوڑوں پر شہزادی کی حسین و جمیل کنیزیں سوار تھیں۔

شہزادی ہیلن رتھ میں بیٹھ گئی۔ رتھ چلی اس کے عقب میں اس کی سہیلیوں کی رتھیں روانہ ہوئیں۔ اور ان کے پیچھے کنیزوں کی سواریاں چلیں۔ ان کے بعد پھر لشکر روانہ ہوا۔

جب پھر پچاس ہزار لشکر روانہ ہو چکا تب پادریوں کی جماعت خچروں پر سوار آئی۔ ایک کوتل خچر ساتھ تھا جس پر نہایت بیش قیمت زین کسا ہوا تھا۔ اس خچر پر تھیوڈوس سوار ہو گیا۔ اس کے پیچھے پادریوں کی سفید پوش جماعت چلی۔ اور پادریوں کے بعد بقیہ لشکر روانہ ہوا۔

یہ لشکر شہر کے بڑے بڑے بازاروں سے گزرا۔ ہر راستہ اور ہر بازار میں لوگوں کا اژدھام تھا ہر سڑک انسانوں سے لبریز تھی۔ اور ہر مکان اور ہر دکان کی چھت پر عورتیں، لڑکیاں اور بچے سپٹے پڑے تھے۔

جو شخص تماشا دیکھنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پھول تھے۔ بادشاہ اور شہزادی دونوں پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ خصوصاً شہزادی کی رتھ پھولوں سے بھر گئی تھی۔

نہایت خوش آئند فوجی باجے بجائے جا رہے تھے۔ سبیطلہ والے پرشور نعرے لگا رہے تھے۔ تمام شہر ان کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔

جب لوگوں نے بادشاہ کے سینہ پر صلیب آویزاں دیکھی تو ان میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ اور جب شہزادی کو دیکھا تو دیوانہ وار چلانے لگے۔

شہزادی تکیہ کا سہارا لیے اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا گداز سینہ ابھرا ہوا تھا۔ اور وہ سرخ صلیب ہر شخص کو صاف نظر آ رہی تھی۔

شہزادی کے سینہ پر صلیب دیکھتے ہی عورتوں اور مردوں کا جوش دگنا تگنا ہو گیا۔ مگر یہ جوش صرف ہانڈی کا ابال تھا۔ عورتوں اور مردوں میں سے لشکر کے ساتھ جانے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ جوش و خروش کا دعویٰ صرف زبانی تھا۔ چونکہ ایک لاکھ لشکر تھا۔ اس لیے دوپہر کے بعد تک سبیطلہ کی سڑکوں

اور بازاروں سے گزرتا رہا۔ جب اس لشکر کا آخری سپاہی بھی گزر گیا۔ تب عیسائیوں نے کہا، "ہمارا یہ عظیم الشان لشکر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دے گا۔"

اس طرح سے جرجیر ایک لاکھ اور بیس ہزار لشکر جرار لے کر مسلمانوں کو فنا کرنے کے لیے سبیطلہ کے قلعہ سے نکل کر روانہ ہوا۔

شوخ سلمیٰ

اسلامی لشکر طرابلس سے سبیطلہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اور جس ترتیب سے زویلہ سے طرابلس کی جانب بڑھا تھا۔ اسی ترتیب سے طرابلس سے سبیطلہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔

سب سے آگے ابن عمر پانچ ہزار مجاہدین لے کر چلے۔ ان کے بعد ابن عباس۔ ابن جعفر۔ حضرت حسن اور حضرت حسین تین تین ہزار جانبازان اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے سرور ایک ہزار شیرانِ اسلام کے ساتھ خواتین عرب کی معیت میں چلے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد باقی تمام لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ زویلہ کا فرماں روا ارسانوس بھی تھا۔

ایک سردار دوسرے سے تین چار میل کے فصل سے روانہ ہوا تھا۔ اسلامی شیر نہایت ہی جوش اور شان و شوکت سے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ فکر نہ تھا کہ دشمنوں کے ملک میں بے شمار دشمنانِ اسلام کے سامنے جا رہے ہیں۔

انہیں جہاد کا شوق و شغف تھا۔ اور اس لیے سر ہتھیلیوں پر لیے افریقہ جیسے خطرناک ملک میں بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں بڑی بے خوفی سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ موت کا وقت طریقہ اور جگہ سب کچھ خدا نے جس نے انہیں پیدا کیا ہے مقرر کر دیا ہے۔ یعنی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی ایک بات کو بھی نہیں بدل سکتی۔ اس لیے انہیں کوئی فکر نہ تھا۔

سب سے بڑی بات یہ بھی تھی کہ ان کی زندگی اور موت خدا کے لیے تھی۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا چند روزہ ہے۔ اور یہ "سجن المومنین یعنی مومنوں کے جیل خانہ ہے۔" جس قدر جلد ممکن ہو اسس

جیل خانہ سے نکل کر اس جگہ پہنچ جائیں۔ جہاں کوئی فکر، کوئی پریشانی، کوئی تکلیف اور کوئی غم نہیں ہے وہ جگہ جنت الفردوس ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا دارِ محن ہے۔ یہاں خوشی اور بے فکری کا نام بھی نہیں ہے۔ ہر وقت ہر انسان کو ہجوم غم و آلام سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ کوئی بھی خدا کا بندہ خوش نظر نہیں آتا۔ لیکن دنیا کے طالب پھر بھی اس کی طلب میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ تکلیفیں، ذلتیں اور غم اٹھاتے ہیں لیکن دنیا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کے طلب گار بزدل ہوتے ہیں۔ وہ موت سے ڈرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ موت ایک لمحہ بھی نہیں ٹل سکتی۔ مسلمان نہ موت سے ڈرتا ہے۔ نہ زندگی کی خواہش کرتا ہے۔

ہر مسلمان اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جہاد میں شہید ہونے والے مسلمان جنت الفردوس کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ زندگی سے شہادت کی موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

باب ۱۳

عجیب کرشمہ

الغرض مسلمان بڑی بے فکری سے اندرون ملک میں گھستے چلے جارہے تھے۔ اور افریقہ کے اس حصہ کو طے کر رہے تھے۔ جو اپنی گوناگوں بوالعجبیوں سے عام شہرت رکھتا تھا۔

ایک روز اسلامی لشکر ایک وسیع میدان میں فروکش تھا۔ سرور جس جگہ ٹھہرے تھے۔ وہاں چند درخت کھڑے تھے۔ ان کے پتے تقریباً ۴ انچ مربع اور نہایت صاف وشفاف تھے۔ درخت بڑے بلند اور تناور تھے۔

سرور کا خیمہ ایک درخت کے نیچے تھا۔ ان کے غلام نے آگ جلا کر کھانا تیار کرنا شروع کر دیا جب آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ اور آگ کی گرمی درخت کی شاخوں اور پتوں تک پہنچی۔ تو ان سے ترشح شروع ہوگیا۔ اور ننھی ننھی پھوار سی پڑنے لگی۔

سرور: ان کا غلام اور دوسرے لوگ جو وہاں بیٹھے تھے۔ یہ عجیب کیفیت دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ساون کے مہینے میں پھوار پڑ رہی ہو۔

کئی آدمیوں نے درخت کے نیچے سے نکل کر آسمان کی طرف دیکھا۔ مطلع صاف تھا۔ نہ گھٹا تھی نہ بادل تھا۔ لیکن درخت کے نیچے برابر بارش ہو رہی تھی۔

سرور نے آگ بجھوا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں ترشح بند ہوگیا۔ یہ بات دیکھ کر مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اس درخت میں ہی یہ خاصیت ہے۔ کہ جب اس کے نیچے آگ جلائی جاتی ہے تو پھوار پڑنے لگتی ہے۔ اور اچھا خاصا ساون کا سا لطف آجاتا ہے۔

مسلمان عربستان کے رہنے والے تھے۔ وہاں کوئی ایسا درخت نہ تھا۔ انہیں بڑی حیرت تھی سرور کے غلام نے درخت سے ہٹ کر آگ روشن کر کے کھانا تیار کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ درخت

افریقہ میں درخت گریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور قدرت نے اس میں یہ خاصیت پیدا کی ہے۔ کہ جب اس کے نیچے آگ جلائی جاتی ہے۔ تو وہ رونے لگتا ہے۔ اور اس کے پتوں اور شاخوں سے پانی کی پھوار برسنے لگتی ہے۔

اسی روز شام کو سرور نے سویرے ہی کھانا کھایا اور عشاء سے پہلے سراپردہ کی طرف گئے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نکلا ہوا چمک رہا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نکلا ہوا چمک رہا تھا۔ چاندنی نے سفید چادر پھیلا رکھی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک خیمہ سے چند قدم آگے بڑھی ہوئی ایک عربی دوشیزہ کھڑی ہے انہیں خیال ہوا کہ وہ کوئی اور لڑکی ہے۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو پہچان لیا وہ سلمیٰ تھی۔

سرور آہستہ آہستہ دبے قدموں اس گل رخ کی طرف بڑھے۔ اور اس کے پاس پہنچ کر انہوں نے آہستہ سے اس کے نازک کندھے پر ہاتھ رکھا۔

سلمیٰ نہ معلوم کس خیال میں مستغرق تھی۔ وہ ڈر کر اچھل پڑی اور فوراً ہی پیٹی میں سے خنجر کھینچا اور جوش میں آکر پلٹی۔ اس طرح کہ جیسے وہ حملہ کرنے والی ہے۔

لیکن جوں ہی اس نے گھوم کر دیکھا اور اسے سرور نظر آئے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"جلئیے بچ گئے آپ"

اس کی صورت چاندنی کے عکس میں جگمگا رہی تھی۔ سرور نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "جی کیوں نہیں۔ ڈر کر تو اچھل پڑیں"

سلمیٰ: اس کا مجھے اعتراف ہے۔ آپ کے اچانک آنے اور کندھے پر ہاتھ رکھنے سے میں ڈر گئی تھی۔ لیکن فوراً مجھے جوش اور غصہ آگیا.....

سرور نے قطع کلام کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اور تم نے ان نازک ہاتھوں میں خنجر لے کر مجھے ڈرانا چاہا"

سلمیٰ: نہ صرف ڈرانا بلکہ وار کرنے کا قصد کر لیا تھا۔ مگر خیریت ہوئی کہ آپ پر نظر پڑ گئی اور آپ بچ گئے۔

سرور نے اس سیم تن کے رخ زیبا پر نظریں گاڑھ کر کہا "ورنہ تم مجھے مار ڈالتیں"

سلمیٰ سہم گئی۔ اس نے کہا "خدا نہ کرے۔ لیکن آپ نے ایسی غلطی کیوں کی"

سرور: دراصل میں یہ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ تم بہادر بھی ہو۔

سلمٰی نے مسکرا کر کہا، آپ کیوں سمجھتے آپ تو اپنے آپ ہی کو بہادر سمجھتے ہیں۔

سرور: مگر میں بہادر نہیں ہوں۔

سلمٰی: جس قدر آپ بہادر ہیں۔ میں خوب جانتی ہوں۔

سرور: جب تو میں بڑا خوش نصیب ہوں۔

سلمٰی: آپ شاید طرابلس فتح کر کے اترا گئے ہیں۔

سرور: اور تم شاید مجھ سے کچھ خفا ہو گئی ہو۔

سلمٰی: خفا.... لیکن یہ تو بتلایئے آپ یہاں اس وقت آئے تھے کیوں۔

سرور: میں ایک بات کہنے آیا تھا۔

سلمٰی: کیا؟

سرور: میرے خیمہ کے نزدیک ایک عجیب وغریب درخت ہے۔

سلمٰی: کیا بات ہے اس درخت میں۔

سرور: جب اس کے نیچے آگ جلائی جاتی ہے۔ تو اس کے پتوں اور شاخوں میں سے پانی برسنے لگتا ہے۔

سلمٰی: خوب عجیب بات ہے یہ تو۔

سرور: کیا تم دیکھنا چاہتی ہو۔

سلمٰی نے شوخ نگاہوں سے دیکھ کر کہا، "مہربانی کیجیے، میں سمجھ گئی"

سرور نے اس کے رخ روشن پر نگاہیں جما کر کہا "کیا سمجھا ہے تم نے"

سلمٰی: آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ چلوں"

سرور: مگر تم ....

سلمٰی نے قطع کلام کرتے ہوئے مسکرا کر کہا "مجھے فرصت نہیں ہے"

سرور: لیکن یہاں کھڑی ہوئی تم کیا کر رہی تھیں"

سلمٰی: میں چاندنی کو دیکھ کر لطف اٹھا رہی تھی"

سرور: مگر اس درخت کا نظارہ بھی تم کو حیران کر دے گا۔

سلمٰی: جی میں آپ کے ساتھ چلوں اور کوئی لڑکی دیکھ لے تو مفت میں بدنام ہو جاؤں یہ ہی چاہتے ہیں نا آپ"

سرور: اس میں بدنامی کیا ہوتی۔ آخر تو تم میری ......

سلمٰی نے ذرا تیز نظروں سے دیکھ کر کہا "خوب۔ میں گویا آپ کی ہوں۔ شاید کنیز.....

سرور اس خوف سے کہ سلمٰی بگڑ گئی ہے ڈر گئے۔ انہوں نے جلدی سے کہا "کنیز... نہیں۔ تم میری راحت روح ہو۔ ذریعہ راحت ہو"

سلمٰی: لیکن آپ اپنا حق کیا جتا رہے تھے۔

سرور: میں بھی تو کہہ رہا تھا مگر تم خفا ہو گئیں۔ ناخوشی کو دور کر دو سلمٰی۔

انہوں نے یہ فقرہ کچھ ایسی عاجزی کے لہجہ میں کہا کہ شوخ وشریر سلمٰی پگھل گئی۔ اس نے کہا "میں ناخوش نہیں ہوں"

سرور نے اطمینان کا سانس لے کر کہا "خدا کا شکر ہے"

سلمٰی ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے ہموار دانتوں کی سفید لڑیاں نظر آنے لگیں۔ جو بالکل موتیوں کی طرح شفاف تھیں۔ سرور کی نگاہوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔

سلمٰی نے کہا "میرا تنہا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔

سرور: تم فضول ڈرتی ہو۔

سلمٰی: اگر آپ میری جگہ ہوتے تو جانتے۔

ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خیمہ کے اندر سے آواز آئی۔ "بیٹی سلمٰی"

یہ اس کے باپ خبیب نے آواز دی تھی۔ سلمٰی گھبرا گئی۔ اس نے جلدی سے سرور سے کہا "ابا جان آواز دے رہے ہیں کہیں وہ یہاں نہ آ جائیں"

یہ کہتے ہی وہ چلی۔ مگر دو قدم ہی گئی تھی کہ خبیب خیمہ سے باہر نکل آئے انہیں دیکھتے ہی سلمٰی کا چہرہ فق پڑ گیا۔ اور سرور بھی گھبرا گئے۔ اب اتنا موقعہ بھی نہ رہا تھا کہ وہ کسی طرف کو ٹل جاتے۔

خبیب نے پہلے سلمٰی کو اور پھر سرور کو دیکھا۔ انہوں نے تیز لہجہ میں کہا "سلمٰی! خیمہ کے اندر جاؤ"

سرور تم یہاں کیسے آئے تھے ؟

سلمٰی تو چلی گئی۔ سرور نے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور کہا ،، میں آپ سے یہ کہنے آیا تھا کہ میرے خیمہ کے پاس دو درخت کھڑے ہیں۔ جن کی یہ خاصیت ہے کہ جب ان کے نیچے آگ جلائی جاتی ہے تو وہ برسنے لگتے ہیں۔ میں سلمٰی سے بھی یہ ہی بات کہہ رہا تھا۔

خبیب : یہ ملک عجیب ہے۔ یہاں گوناگوں عجائبات ہیں۔ مگر سرور تمہارا سلمٰی سے باتیں کرنا مناسب نہیں ہے۔

سرور : آئندہ میں احتیاط رکھوں گا۔

خبیب : مجھے خوشی ہے کہ تم فاتح طرابلس کہلاتے ہو۔ لیکن جب تک افریقہ کی جنگ کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اور سلمٰی کا ہاتھ شرعی طور پر تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے۔ اس وقت تک اس سے باتیں کرنے کی کوشش نہ کرو۔

سرور : انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔

خبیب : میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں زیادہ سے زیادہ عزت اور دولت عطا کرے۔

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ سرور کو بڑا افسوس ہوا کہ اس نے سلمٰی سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ کیوں خبیب کو ناخوش کر دیا۔ اس وقت وہ اپنی نگاہوں میں آپ ہی حقیر ہو گئے۔

چند لمحہ وہ اسی جگہ کھڑے یہ سوچتے رہے۔ کہ خبیب سلمٰی کو بھی سرزنش کریں گے۔ ان کی وجہ سے اس معصوم کو بھی ندامت اٹھانی پڑے گی۔ انہوں نے چاہا کہ خیمہ میں جا کر خبیب سے کہہ دیں کہ اس میں سلمٰی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ خطا خود میری ہے۔ مگر ہمت نہ پڑی کہ خیمہ میں چلے جاتے۔ آخر پشیمان ہوتے ہوئے وہاں سے اپنے خیمے کی طرف چل پڑے۔

افریقہ کے عجائبات

اسلامی لشکر کا یہ ورد تھا کہ صبح کی نماز پڑھتے ہی سبیطلہ کی طرف روانہ ہو جاتا اور دوپہر کو کسی مناسب جگہ قیام کر لیتا۔

جن جنگلوں، پہاڑی دامنوں اور ریگ زار سے یہ رسالہ گزرا۔ ان میں عجیب عجیب باتیں دیکھیں ایسی جو کبھی سننے میں بھی نہ آئی تھیں۔

گھنے جنگلوں میں ایسے انسان دیکھے، جو مادر زاد برہنہ تھے جنہیں افریقی بن مانس کہتے تھے۔ اور جو درختوں پر گھونسلے بنا کر رہتے تھے۔ یہ بڑے ہی نڈر ہوتے ہیں۔ انسانوں کو مار کر کھا جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ لگے رہتے تھے۔ تاکہ موقع پا کر کسی کو لے بھاگیں۔ لیکن ایک مسلمان بھی ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اور نہ مسلمانوں نے انہیں مارنا یا ستانا مناسب سمجھا۔

ایک درخت کی ایک مرتبہ مسلمانوں نے شاخیں تراشیں اس میں سے خون جاری ہو گیا مسلمانوں کو تعجب ہوا۔ ارسانوس نے بتایا کہ اس درخت کا نام لوہیرا ہے۔ اس کا یہ ہی خاصہ ہے کہ اس کی کوئی شاخ تراشی جاتی ہے تو خون بہنے لگتا ہے۔

ایک سفید رنگ کا درخت تھا جس کی لمبی لمبی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس قدر نرم کہ رسی کی طرح ان کا استعمال کیا جا سکتا تھا معلوم ہوا کہ اہل افریقہ ان درختوں کو خاص طور پر بوتے تھے۔ اور ان کی نرم شاخوں سے بُنتے ہیں۔ جو کئی کئی سال چلتے ہیں۔

ایک اور سفید رنگ کا تناور درخت دیکھا گیا۔ اس کی شاخیں نہایت خوب صورت تھیں۔ مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم ہوئیں۔ اور کئی مجاہدین نے کچھ شاخیں تراشنی چاہیں۔ لیکن بڑی بڑی تیز کلہاڑیوں نے اس پر مطلق اثر نہیں کیا۔ جب وہ زور سے کلہاڑی مارتے تھے۔ جواچٹ جاتی تھی۔ ارسانوس کچھ دیر تو دیکھتے رہے۔ آخر بولے۔ ،، یہ درخت کاکرو کہلاتا ہے۔ لوہے سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اس پر کلہاڑی کا اثر تو کیا ہو سکتا ہے۔ آرا اور ریتی کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ہم افریقی لوگ اس کی شاخیں لوہے کے شہتیروں کے بجائے چھتوں میں لگاتے ہیں۔

ایک روز اسلامی لشکر ایک دریا کے کنارے پر فروکش تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دریا کے پانی میں چھوٹے چھوٹے درخت اگے ہوئے ہیں۔ اور ان کے اوپر متعدد چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی قسم کی کوئی چیز رکھی ہے۔

مسلمان انہیں دیکھنے کے لیے پانی میں گھس گئے۔ جب وہ درختوں کے قریب پہنچے تو نہایت چمکدار تیتریاں ان کے اوپر سے اڑیں۔ اور دریا میں جا گریں۔ جب غور سے مسلمانوں نے دیکھا تو

وہ سفید مچھلیاں تھیں۔ جو ان درختوں پر گھونسلے بنا کر رہتی تھیں۔ اور وہ مسلمانوں کو دیکھ کر اڑیں اور فوراً دریا میں کود گئیں۔

یہ مچھلیاں نہایت خوبصورت اور بالکل سفید تھیں۔ ان کے پر اس قسم کے تھے جو تھوڑی بہت پرواز اور تیرنے کا کام خوب دیتے تھے۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ درختوں پر جو گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں انڈے رکھے ہیں کسی میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی نظر آئے۔ مجاہدین نے نہ انڈوں کو چھیڑا اور نہ بچوں کا ہاتھ لگایا صرف انہیں دیکھ کر وہ لوگ پیچھے ہٹ آئے۔

اسی دوران وہاں ارسانوس بھی آگیا۔ انہوں نے کہا "مسلمانوں! خداوند عالم نے اس ملک افریقیہ کو دنیا کا عجائب خانہ بنا لیا ہے۔ جس قدر عجائبات یہاں ہیں۔ شاید ہی کسی ملک میں ہوں۔ لیکن تمام عجوبہ چیزوں میں نہایت ہی عجیب جو چیز ہے۔ وہ یہ ہی درخت ہے۔ اس کی صفات تو میں پھر بتاؤں گا۔ لیکن تم اس وقت اس کی تھوڑی سی شاخیں تراش لاؤ۔ مگر ذرا موٹی موٹی لانا۔"

مسلمانوں نے بہت سی موٹی موٹی شاخیں کاٹ لیں۔ ارسانوس نے کہا "اب ان شاخوں کے موٹے موٹے ٹکڑے کر ڈالو" مسلمانوں نے دو دو انگل کے ٹکڑے کر ڈالے۔ ارسانوس وہیں بیٹھ گئے انہوں نے کہا۔ اب ان ٹکڑوں کو پکاؤ۔"

مسلمان ہانڈیاں اٹھا لائے۔ چولہے بنائے اور پانی میں ان ٹکڑوں کو ڈالا آگ جلائی اور پکانے لگے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جوں جوں لکڑیاں پکتی جاتی تھیں۔ نرم ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تیار ہو گئیں۔ تو مچھلی کے گوشت کی طرح ملائم ہو گئی تھیں۔

ارسانوس نے کہا "اب انہیں کھاؤ اور تھوڑی سی مجھے بھی دو۔"

مسلمانوں نے چند ٹکڑے اسے دیے۔ اور خود بیٹھ کر کھانے لگے۔ ابن جعفر، ابن عبداللہ اور سرور بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی کھانا شروع کیا۔

مسلمان یہ دیکھ کر سخت متحیر ہوئے کہ ان لکڑیوں کا مزا بالکل تازہ گوشت کا سا تھا۔ اور گوشت بھی مچھلی کا۔ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھنی ہوئی مچھلیاں کھا رہے ہوں۔

سرور نے ارسانوس سے مخاطب ہو کر کہا "نہایت ہی عجیب قسم کا یہ درخت ہے۔"

ارسانوس نے کہا "جیسا یہ عجیب ہے۔ ویسی ہی یہ عجیب خاصیتیں بھی رکھتا ہے۔ اب سنیے اگر دس پندرہ روز متواتر اس کی لکڑیاں کھائی جائیں۔ تو بڈھے جوان اور جوان نوجوان بن جاتے ہیں۔ چہرہ کی جھریاں دور ہو جاتی ہیں۔ سفید بال گر کر ان کی جگہ سیاہ بال نکل آتے ہیں۔ اگر دانت گر گئے ہوں تو وہ دوبارہ نکل آتے ہیں۔ طاقت مردمی از سرنو عود کر آتی ہے۔ بڑھاپا اکثر دور ہو جاتا ہے۔ بارہا یہ بھی تجربہ ہوا ہے کہ جب کوئی آدمی مرنے لگتا ہے اور اسے اس درخت کی پتلی شاخوں کا شوربہ پلایا جاتا ہے تو دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔"

یہ باتیں سن کر مسلمانوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اگلے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر نے پھر کوچ کر دیا۔ اور ایک ریگستان میں جا کر ٹھہرے۔ اس ریگ زار میں دور دور تک درختوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور اگر کہیں درخت کھڑے بھی تھے تو دور دور اور وہ بھی ایک ایک [illegible] دو۔

مسلمانوں نے وہیں بیابان میں قیام کر دیا۔ جب رات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ سامنے روشنی کا مینار کھڑا ہوا ہے۔ جس میں سینکڑوں شاخیں ہیں۔ اور ہر شاخ عجیب قسم کی سفید روشنی سے چمک رہی ہے۔

اس روشنی کو دیکھ کر مسلمانوں کو بڑا تعجب ہوا انہوں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر دیکھا تو نظر آیا کہ ہر طرف روشنی کے مینار جگمگا رہے ہیں۔ وہ بڑے متعجب ہوئے اور حیران تھے کہ الٰہی یہ روشنی کہاں سے پیدا ہو رہی ہے۔ پھر روشنی بھی صاف اور بجلی کی روشنی کی طرح سفید تھی۔

مسلمان دوڑ کر ان روشنی کے میناروں کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو وہ درخت تھے۔ جن کے تنے شاخیں اور پتے سب روشن ہو رہے تھے۔ مسلمان قدرت خدا کا یہ کرشمہ دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے اکثر مسلمانوں نے کہا۔

"اے خدائے کردگار! کوئی نہیں جانتا تو نے کس ملک میں اور کیا کیا عجائبات پیدا کیے ہیں تیری شان عجیب ہے۔ اور تیری قدرتیں نرالی ہیں۔"

جب مسلم مجاہدین ان روشنی کے درختوں کو دیکھ کر آئے تو خواتین عرب نے بھی دیکھنے کی خواہش

[illegible] افریقہ کے عجائبات۔ ہم نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اسی کتاب سے اخذ کیا ہے

کی۔ عبداللہ بن سعد نے سرور کے نام حکم بھیجا کہ وہ تمام عورتوں کو اپنے ہمراہ لے جاکر عجیب و غریب درخت دکھا لائیں۔ چنانچہ انہوں نے عورتوں کو کہلا بھیجا کہ جو روشنی والے درختوں کو دیکھنا چاہتی ہوں، وہ چلیں۔

سب عورتیں تیار ہوکر سراپردہ سے باہر نکل آئیں۔ خبیب بھی اپنی پری زاد بیٹی سلمٰی کو لے کر آ گئے اور سرور کے پاس آ کر کہا، "چلو سرور ہم تینوں ساتھ چلیں گے۔"

سرور کو اب تک شرم و ندامت دامن گیر تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ خبیب ان سے کچھ ناراض ہو گئے ہیں۔ اسی لیے انہیں ان کے خیمہ پر جانے اور ان سے کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اب جب کہ خبیب حورِ وش سلمٰی کو اپنے ساتھ لے کر خود ان کے پاس آئے۔ اور ان کے ساتھ چلنے کی استدعا کی تو وہ خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا "چلیے۔"

خواتینِ عرب کے غول آگے چلے۔ سرور ہتھیار لگا کر ان کے پیچھے ہوئے اور سرور کے ساتھ خبیب اور سلمٰی روانہ ہوئے۔

جب عورتیں درخت کے پاس پہنچیں تو اس کی روشنی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے تمام درخت اور درخت کی تمام شاخیں اور پتے نور کے بنے ہوئے ہیں۔ نہایت ہی سفید اور تیز روشنی ان میں سے نکل رہی تھی اور عجیب روشنی نے دور تک تمام میدان روشن کر رکھا تھا۔

جو عورتیں درخت کے پاس جا کر کھڑی ہوئیں۔ تو درخت کی روشنی سے ان کے چہرے چمکنے لگے۔ خصوصاً حورِ وش سلمٰی کا چہرہ بقعۂ نور بن گیا۔ سرور کی نظر اتفاقاً اس کے رخِ روشن پر پڑ گئی۔ تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے درخت نے سلمٰی کے حسن سے کسبِ ضیا کی ہے۔

جب کہ سرور اس حور جمال کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی ہوشربا نگاہیں بھی ان سے چار ہو گئیں وہ ان کی گستاخانہ نظریں اور گرم نگاہیں دیکھ کر شرما گئی۔

خبیب حیرت سے درخت دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا، "سرور واقعی یہ اسرارِ قدرت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ خدا نے ان درختوں کو کس قدر روشنی عطا کی ہے اور کیسی عجیب اور پیاری روشنی ہے۔"

سرور حسن کی گہرائیوں میں غوطہ کھا رہے تھے۔ وہ چونکے انہوں نے کہا "حقیقت یہ ہی ہے کہ خدا کے بے شمار عجائبات میں سے یہ بھی ایک عجوبہ ہے۔"

تھوڑی دیر بعد اس درخت اور اس کی عجیب و غریب روشنی کو دیکھ کر یہ سب لوٹے۔ عورتیں آگے چلیں اور سرور، خبیب اور سلمٰی پیچھے روانہ ہوئے۔ خبیب نے کہا، "خدا کی قسم کیسے کیسے عجائباتِ قدرت ہیں۔"

سرور: "اور ابھی کیا ہے۔ ہم نے افریقہ دیکھا ہی کہاں ہے۔ نہ معلوم کیا کیا اسرارِ قدرت پنہاں ہیں۔"

خبیب: "یہ ہی بات ہے۔"

سلمٰی: "اس درخت کی روشنی کیسی پیاری معلوم ہوتی ہے۔"

سرور: "اور جس چیز پر اس درخت کی روشنی پڑتی ہے وہ بھی جگمگا اٹھتی ہے۔"

خبیب: "بالکل سچ کہا تم نے۔ میں نے دیکھا تھا۔ تمہارا چہرہ بھی جگمگانے لگا تھا۔"

سلمٰی نے شوخ نگاہوں سے سرور کو دیکھا۔ اور مسکرانے لگی۔ سرور نے کہا، "بچوں اور لڑکیوں کی صورتیں کیسی دلفریب ہو گئی تھیں۔"

خبیب: "ہاں میں نے بھی اپنی سلمٰی کو دیکھا تھا۔ اس کی صورت بھی چمک اٹھی تھی۔"

اب سرور کے مسکرانے کی باری تھی۔ وہ سلمٰی کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ سلمٰی نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ جب سب عورتیں سراپردہ میں داخل ہو گئیں اور خبیب اور سلمٰی بھی چلے گئے۔ تب سرور بھی اپنے خیمہ پر آ گئے۔ اور دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی اس لشکر نے آگے کو کوچ کر دیا۔

باب ۱۴

اسلامی سفیر

اسلامی لشکر کوچ و قیام کرکے ایک روز ایک نہایت ہی وسیع اور پر بہار سبزہ زار میدان کے کنارہ پر مقیم ہوا۔ یہ میدان ہر طرف حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے چپہ چپہ پر سرسبز گھاس کھڑی لہلہا رہی تھی ہزاروں متفرق قسم کے درخت کھڑے تھے۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی تھے۔

یہ میدان ہموار نہیں تھا بلکہ کہیں کہیں ٹیلے تھے۔ کہیں کھائیاں تھیں۔ اور کہیں طشتری کی طرح پھیلا تھا اور کہیں کٹورا نما۔ یہ کیفیت اس کے کناروں کی تھی۔ اور بیچ میں ڈیڑھ دو میل مربع بالکل ہموار تھا۔ اس وسیع میدان کو ایک ہی دریا کی کئی شاخیں سیراب کرتی تھیں۔

مسلمان اس کے کنارہ پر دور تک خیمہ زن تھے۔ اسلامی لشکر وہاں جمع ہو گیا تھا۔ اس جگہ سے شہر سبیطلہ صرف دو منزل کے فاصلہ پر تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ اس لشکر کے ساتھ نوبیلہ کا حکمران ارسانوس بھی تھا۔ اس کے ہمراہ اس کے ڈھائی سو سپاہی بھی تھے۔ جو عیسائی تھے۔ ان میں سے کئی سواروں کو ارسانوس نے جاسوسی پر مامور کر دیا تھا۔ جو جرجیر اور اس کے لشکر کی خبریں روزانہ لاتے رہتے تھے۔ سب سے آخری خبر جو وہ لائے تھے۔ وہ یہ تھی کہ جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کا عظیم الشان لشکر لے کر چل پڑا ہے۔ اور صبح شام ہی میں اس میدان میں آنے والا ہے۔

مسلمان کل انتیس ہزار ہی تھے۔ اور دشمن ان سے چہار گنا تھے۔ جو بڑے جوش و خروش سے انہیں پامال کرنے کے لیے آ رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں پر ان کی کثرت اور اپنی قلت کا مطلق بھی اثر نہ ہوا جس بے فکری سے وہ بڑھ کر یہاں تک آئے تھے۔ اسی بے فکری سے وہ اب بھی مقیم تھے۔ اور عیسائیوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

آخر سہ شنبہ (منگل) کے روز دوپہر کے وقت عیسائی لشکر نمودار ہوا۔ جو بڑے کروفر کے ساتھ آ رہا تھا۔ اور جس کا لامتناہی سلسلہ افق تک ڈوبا ہوا تھا۔

عیسائی دستے نہایت شان کے ساتھ آ آ کر میدان میں پھیلتے جاتے تھے۔ اور ڈیرے خیمے نصب کر کر کے فروکش ہوتے جاتے تھے۔

چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لیے تہائی میدان ان سے لبریز ہو گیا۔ خیموں، چھولداریوں اور سائبانوں کا ایک عظیم الشان شہر آباد ہو گیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی عبداللہ بن سعد امیر عسکر اسلامیہ نے مسلمانوں سے کہا "شیر دل مجاہدو! دشمن اپنی پوری قوت پورے ساز و سامان اور پورے جاہ و حشم کے ساتھ تمہیں کچل ڈالنے کے لیے آیا ہے۔ جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ گویا ایک مسلمان کے مقابلہ میں صرف چار عیسائی ہیں۔ یہ تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ہم وہ ہیں جو یرموک[٭] کے مشہور مقام پر ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار دشمنوں سے لڑ چکا ہے۔ خدا کی مدد اور اس کا فضل و کرم شامل حال ہے۔ تو انشاء اللہ ہم اس عیسائی لشکر کے پرخچے اڑا دیں گے۔ جو ہمیں پامال کرنے آیا ہے۔ مگر اس کے قبل کہ جنگ شروع ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی کے حکم کے بموجب ایک سفارت شہنشاہِ افریقیہ کی خدمت میں صلح کے سلسلہ میں بھیجوں اس عرصہ میں تم تیاریاں مکمل کر لو۔ اور ہر وقت ہوشیار رہو۔ تاکہ دشمن تم لوگوں کو غافل سمجھ کر کسی وقت تم پر یورش نہ کر دے۔ ہر دستہ کے کچھ نہ کچھ آدمی رات بھر جاگتے۔ اور لشکر کے گرد گشت لگاتے رہیں۔"

مسلمانوں نے ان تمام باتوں پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ امیر لشکر نے اسی وقت سرور، ابن عباس اور ابن جعفر طیار سے کہا کہ تم تینوں شہنشاہ جرجیر کے دربار میں جاؤ۔ اور اسے اور اس کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر نہ مانیں تو جزیہ دینے پر آمادہ کرو۔ گفتگو سختی سے نہ کرنا۔ بلکہ مسلمانوں کے اخلاق کے بموجب نہایت نرمی اور بڑے حلم سے کرنا۔ تم ابھی روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری واپسی کا منتظر رہوں گا۔

یہ تینوں نوجوان تھے قریشی تھے۔ اور بڑے جلیل القدر صحابہ کے بیٹے تھے۔ نہایت بہادر، نڈر اور گفتگو کرنے میں بیباک تھے۔

٭ یرموک دمشق کے قریب ایک چشمہ تھا جس میدان سے یہ چشمہ بہتا تھا اس کا نام بھی یرموک ہی تھا۔

تینوں اپنے اپنے خیمہ پر پہنچے۔ اور مسلح ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اس وقت انہوں نے پورا عربی لباس پہن رکھا تھا۔ عربی ہتھیار لگا رکھے تھے۔ پشت پر ڈھال اور ڈھال پر ترکش لٹک رہا تھا۔

جب یہ تینوں سوار ہو کر چلے، تو ارسانوس انہیں راستہ میں ملا اس نے دریافت کیا، کیا آپ جرجیر کے پاس جا رہے ہیں؟

ابن عباس نے کہا، ہاں! ہم تینوں شہنشاہ افریقہ کی ہی خدمت میں جا رہے ہیں۔

ارسانوس: اور شاید صلح کا پیغام لے کر۔

ابن عباس، صلح کا پیغام یا درخواست لے کر نہیں بلکہ ترغیب دینے۔

ارسانوس، مگر آپ جرجیر سے واقف نہیں ہیں۔ وہ کسی تحریص یا ترغیب میں ہرگز نہ آئے گا۔

ابن عباس: تحریص دینا ہمارا کام نہیں ہے۔ البتہ ترغیب دینا ضرور ہمارا کام ہے۔

ارسانوس: میں عرض کروں۔ جرجیر نہایت مدمغ، مغرور اور سرکش بادشاہ ہے۔ اس وقت جس جھنڈے کے نیچے ایک لاکھ بیس ہزار بہادر اور آزمودہ کار افریقی عیسائی موجود ہیں۔ وہ لشکر کی کثرت پر پھولا ہوا ہے۔ تمہاری قلت دیکھ کر اسے یقین ہو گیا ہو گا کہ وہ بزور تمہیں شکست دے کر بھگا دے گا۔ اس لیے وہ کسی ترغیب کو بھی منظور نہ کرے گا۔

ابن عباس: ہم خود بھی اس بات کو جانتے ہیں۔

ارسانوس: پھر آپ کیوں سبک سر ہونے کے لیے اس کے پاس جا رہے ہیں۔

دراصل ارسانوس نہیں چاہتا تھا کہ صلح ہو جائے۔ وہ اس فکر میں تھا کہ جنگ ہو، اور کسی جہت سے وہ حور وش ہیلن کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اسے شاید خوف تھا کہ کہیں یہ مسلمان جرجیر سے دب کر صلح کر کے افریقہ سے واپس چلے جانے پر رضامند نہ ہو جائیں۔ اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسلامی سفارت عیسائی شہنشاہ کے پاس جائے۔

لیکن اسے یہ بات معلوم نہ تھی کہ مسلمان اپنے خلیفہ کا حکم ماننا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور خلیفہ وقت نے انہیں صلح کی دعوت دینے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ ابن عباس نے کہا، ہمارے خلفاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اول دشمنوں کو صلح کی دعوت دینے کا حکم دیتے رہے ہیں اور جب دشمن نہ مانے تب لڑائی کی اجازت دیتے تھے۔ ہمارے موجودہ

خلیفہ نے بھی یہ ہی حکم دیا تھا کہ پہلے ہی ہم صلح کی دعوت دیں جب وہ نہ مانے تب جنگ شروع کر دیں۔

ارسانوس: بہتر ہے آپ کوشش کر لیں۔ لیکن امید ہے کہ آپ ایسی باتیں نہ کریں گے جن سے اسلام اور مسلمانوں کو خفیف ہونا پڑے۔

ابن عباس: اطمینان رکھیے ایسا نہ ہو گا کوئی مسلمان بھی ایسی گفتگو نہیں کیا کرتا جس سے یہ واضح ہو سکے کہ وہ ڈر یا دب گیا ہے۔

ارسانوس: مجھے معلوم ہوا ہے کہ لشکر کے ساتھ رشکِ قمر شہزادی ہیلن بھی آئی ہے۔ وہ ہی غیرتِ حور جس کے حسن جہان آرا کا شہرہ دنیا جہاں میں ہے۔

ابن عباس: سنا تو ہم لوگوں نے بھی یہ ہی ہے۔

ارسانوس: مجھے میرے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ سبیطلہ کا اسقفِ اعظم بھی مع مقدس جماعت کے آیا ہے۔ شہزادی اور اسقفِ اعظم کے آنے کی وجہ سے عیسائیوں کا جوش و خروش بڑھا ہوا ہے انہیں یہ بالکل یقین ہے کہ فتح ان کی ہی ہو گی۔ کیونکہ آج تک کسی مہم میں اسقفِ اعظم شریک نہیں ہوئے تھے۔

ابن عباس: مگر فتح و شکست تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ارسانوس: خیال یہ ہے کہ آپ کو حسن کے جال میں پھنسانے کے لیے شہزادی کو بنا سنوار کر دربار میں بٹھایا جائے گا۔ اور پھر آپ لوگوں کو بلا کر گفتگو کی جائے گی۔

ابن عباس: ابھی عیسائیوں نے مسلمانوں کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ کوئی مسلمان بھی حسن و خوبصورتی کا متوالا ہو کر اعلائے دینِ حق سے باز نہیں رہ سکتا۔ گویا کسی مسلمان پر بھی رشکِ منور کے حسن و جمال کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

ارسانوس: میں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے آپ کو ان باتوں سے آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔

ابن عباس: نہایت اچھا کیا آپ نے۔

ارسانوس: ممکن ہے کہ تھیوڈوس اسقفِ اعظم مذہبی مباحثہ شروع کر دے۔

ابن عباس: یہ تو ہم چاہتے ہی ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو بہت جلد اسقف زچ ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر ان تینوں نے اپنے گھوڑے عیسائی لشکر کی طرف بڑھا دیے۔ جب وہ لشکر کے قریب پہنچے۔ تو عیسائیوں کے محافظ دستہ نے انہیں روک دیا۔ اور ان کے افسر نے ان سے دریافت کیا "آپ کون ہیں اور کس لیے آئے ہیں"

ابنِ جعفر نے کہا "ہم اسلامی سفیر ہیں۔ تمہارے شہنشاہ سے صلح کے متعلق گفتگو کرنے آئے ہیں"

افسر نے تمسخرانہ لہجہ میں کہا "بس لشکر دیکھتے ہی ڈر گئے۔ ایسا تھا تو افریقہ پر چڑھ کر ہی کیوں آئے تھے"

ابنِ جعفر کو طیش آ گیا۔ انہوں نے کہا "زیادہ گوئی مت کرو۔ ورنہ تمہارا سر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم اتمامِ حجت کے لیے صلح کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر ہماری تلواریں انہیں سیدھا کر دیتی ہیں"

جب افسر نے ابنِ جعفر کو جوش و غضب میں بھرا ہوا دیکھا تو وہ ڈر گیا۔ اس نے کہا "آپ خفا نہ ہوں۔ میں بادشاہ کو ابھی اطلاع کرائے دیتا ہوں"

چنانچہ اس نے کئی سواروں کو دوڑا دیا۔ اور ان تینوں غازیانِ اسلام سے کہا "آپ گھوڑوں سے اتر کر آرام فرمائیں۔ بادشاہ کا خیمہ یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اتنی دور آنے جانے اور شہنشاہ سے اجازت طلب کرنے میں کچھ وقت لگے گا"

ابنِ جعفر نے کہا "تمہارا شکریہ۔ تم نے مناسب مشورہ دیا ہے۔

یہ تینوں گھوڑوں سے اتر کر ایک درخت کے سایہ میں زمین پر اس طرح بیٹھ گئے کہ اگر ان پر کوئی شخص حملہ کرنا چاہے۔ تو وہ فوراً ہی خبردار ہو جائیں۔

اس طرح بیٹھ کر وہ اپنی طلبی کا انتظار کرنے لگے۔

اسلامی سفیر عیسائی شہنشاہ کے دربار میں

تینوں اسلامی سفیر نہایت آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان سواروں کا انتظار کر رہے تھے، جو ان کی آمد کی اطلاع بادشاہ کو کرنے گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد سوار واپس آئے۔ اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلے جب وہ لشکر میں داخل ہوئے۔ اور انہوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ تو جس طرف اور جہاں تک نظر گئی سپاہیوں کا سیلاب نظر آیا۔

عیسائی لشکر نہایت قاعدہ میں مقیم تھا۔ میلوں تک لمبی سنتریں تھیں۔ خیمے طریقے میں نصب تھے۔ اور خیموں کے سامنے سائبان کھنچے ہوئے تھے۔ گھوڑے خیموں کے پیچھے بندھے تھے۔ اور گھوڑوں کے پاس چھولداریاں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلامی سفیروں کی اطلاع سارے عیسائی لشکر میں ہو گئی تھی۔ کیوں کہ ہر طرف سوار زرہ بکتر پہنے، ہتھیار لگائے۔ پرے جمائے کھڑے تھے۔

غالباً انہوں نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے فوجی نمائشیں کی تھیں مسلمان ان سواروں کے دستوں کو دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ پندرہ بیس سنتریں عبور کرنے کے بعد وہ ایک کھلے میدان میں پہنچے۔ یہاں انہیں مارقوس شاہ جرجیر کا سپہ سالار تین ہزار سواروں کے ساتھ مسلح کھڑا ہوا ملا۔ اس نے ان اسلامی سفیروں کا استقبال کیا۔ وہ ریشمی لباس، سونے اور جواہرات کے زیورات پہنے ہوئے تھا۔

وہ ان تینوں مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ اب جن سنتروں سے یہ لوگ گزرے۔ اس میں سوار نہایت فوق البھڑک وردیاں پہنے اور عمدہ گھوڑوں پر سوار کھڑے نظر آئے۔ خیمے بھی نہایت شان دار اور خوبصورت تھے۔ سائبان بھی اچھے تھے۔ اور جس قدر سامان خیموں کے اندر کا نظر آتا تھا۔ وہ بھی بیش قیمت تھا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک درباری خیمہ کے سامنے جا کر رکے۔ یہ خیمہ نہایت عالی شان اور بڑا ہی خوبصورت تھا۔ اور اتنا وسیع تھا کہ اس میں دس ہزار سے زیادہ کرسیاں آجاتی تھیں۔

اس درباری خیمہ کے چاروں طرف بے شمار سوار قطار در قطار کھڑے تھے۔ جو اعلیٰ قسم کی وردیاں پہنے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔

درِ خیمہ پر پہنچ کر پہلے مارقوس گھوڑے سے اترا۔ پھر سفرائے اسلام اترے۔ اب مارقوس نے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا "ہم عیسائیوں کا یہ فوجی آئین ہے کہ جب کسی بادشاہ یا شہنشاہ کے حضور میں جاتے ہیں۔ تو ہتھیار اتار ڈالتے ہیں۔ لہٰذا مہربانی فرما کر آپ بھی ہتھیار اتار ڈالیں"

سرور نے کہا، "آپ کا قانون آپ کے لیے ہے۔ دوسری قوموں کے واسطے نہیں۔ ہم ہتھیار نہیں رکھتے۔"

مارقوس: مگر آپ کو اس میں خوف کیا ہے۔

سرور: خوف کچھ نہیں۔ لیکن یہ بات عقلمندی سے بعید ہے۔ اگر تم بے وفائی کرو۔ تو ہم نہتے کیا کر سکتے ہیں۔

مارقوس: لیکن ہتھیار ہونے پر بھی تم تین آدمی کیا کر سکتے ہو۔

سرور: کچھ نہیں! لیکن کم سے کم ہم تمہارے ایک ہزار آدمیوں کو قتل کر کے شہید ہوں گے۔

مارقوس ہنسا۔ اس نے کہا، "مسلمان کس قدر یاوہ گو ہوتے ہیں۔"

سرور نے نہایت سنجیدگی سے کہا، "اگر صلح نہ ہوئی تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ ہم سچ کہتے تھے یا جھوٹ۔"

مارقوس: تو آپ ہتھیار نہ دیں گے؟

سرور: بے شک۔ ہم ہتھیار کبھی نہ دیں گے۔

مارقوس: اچھا آپ ٹھہریں۔ میں شہنشاہ سے عرض کر لوں۔

وہ خیمہ کے اندر گیا۔ اور تھوڑی دیر میں واپس آکر کہا، "چلیے شہنشاہ نے آپ کو ہتھیار بندی باریاب ہونے کی اجازت دے دی ہے۔"

مارقوس کی رہبری میں سفیر خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ خیمہ کے اندر کا حصہ نہایت ہی بیش قیمت کپڑے کا ہے قسم قسم کی خوبصورت جھالریں لگی ہوئی ہیں۔ اور خوب ہی آراستہ و پیراستہ ہے۔ فرش رومی قالینوں کا ہو رہا ہے۔ اور قالینوں پر کرسیاں پڑی ہوئی ہیں۔ کرسیوں پر درباری فوق البھڑک لباس اور حسب مراتب و حیثیت زیورات پہنے نہایت شان سے بیٹھے ہیں۔

خیمہ کے عین بیچ میں ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ اور اس تخت پر جرجیر نہایت تمکنت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اور اس کے برابر میں اس کی حور لقا بیٹی شہزادی ہیلین ملکہ حسن بیٹھی تھی۔

جرجیر بھی [illegible] لباس اور جواہرات کے زیورات پہنے بیٹھا تھا۔ سر پر نہایت درخشاں

تاج تھا۔ چند کمسن مگر حسین لڑکیاں پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی ہیں۔

لیکن شہزادی ہیلن نے جو لباس اس وقت زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ نہایت ہی دلفریب تھا وہ بھی سونے اور جواہرات کے زیورات سے لدی ہوئی تھی۔ لباس اور زیورات کی ضو نے اس چاند سے زیادہ روشن چہرہ کو اس وقت ایسا جگمگا دیا تھا۔ کہ اس کے برق پاش رُخِ مصفا پر نگاہیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ وہ بھی بڑی شان اور نزاکت کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے پیچھے اس کی خادمائیں کھڑی مکھیاں اڑا رہی تھیں۔

جوں ہی مسلمان خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ تمام عیسائیوں کی نگاہیں ان پر پڑیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلامی سفیر بھی بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے ہوں گے۔ مگر جب ان کی سادہ اور سفید عبائیں، عباؤں پر ڈھیلی ڈھالی چادریں، سروں پر نیلے رنگ کے عمامے اور عماموں کے اوپر رومال پڑے ہوئے دیکھے۔ تو وہ کمال متحیر ہوئے۔

مارقوس سفیروں کو لے کر آگے کو بڑھتا رہا۔ اور شہنشاہ جرجیر کے تخت کے سامنے جا کر رکا۔ اس نے کہا، "مسلمانو! تم افریقہ کے شہنشاہ کے حضور میں آگئے ہو۔ لہذا زمین بوس ہو کر سلام کرو۔"

ابن عباس نے کہا، "زمین بوس ہونے سے سجدہ کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اور سجدہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں کیا جا سکتا۔ جو انسان انسان کو یا کسی اور چیز کو سجدہ کرتا ہے۔ وہ کافر ہے۔"

درباری ابن عباس کی یہ بے باکانہ گفتگو سن کر بڑے متعجب ہوئے۔ جرجیر نے کہا، "رہنے دو اگر یہ لوگ سلام نہیں کرتے تو تم بھی انہیں مجبور نہ کرو۔ یہ تہذیب اور شائستگی سے ناواقف ہیں۔"

ابن عباس نے کہا، "اے شاہ افریقہ! ہم نے تمہاری تہذیب، تمہارا تمدن اور تمہاری شائستگی دیکھ لی۔ تم بادشاہ ہو کر اپنے آپ کو عام انسانوں سے افضل اور بہتر سمجھتے ہو۔ اسی لیے خدا بن کر اونچے تخت پر بیٹھے ہو۔ اور چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں سجدہ کریں۔ لعنت ہے ایسی تہذیب پر۔ ہمارے امیرالمومنین جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ جن کا نام سن کر ہی سلاطین عالم کانپ جاتے ہیں۔ کبھی وہ عام آدمیوں سے اونچے نہیں بیٹھتے۔ بادشاہ رعایا کا محافظ ہوتا ہے اور محافظ کو عرف عام میں خادم کہتے ہیں۔ اس طرح بادشاہ رعایا کا خادم ہوا، نہ کہ خدا۔"

اس برجستہ اور دلیرانہ گفتگو کا اثر عیسائیوں پر کافی ہوا۔ جرجیر کچھ برہم ہو گیا۔ مگر اس نے ضبط

کر کے کہا، "خیر یوں سہی، کہ وہ تمہاری تہذیب ہے اور یہ ہماری۔ اب تو یہ بتاؤ کہ تم کس لیے آئے ہو۔"

اب ابن جعفر نے کہا، "اے بادشاہ! ہم آئے تھے صلح کا پیغام لے کر۔ لیکن تمہاری شان تمکنت دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوتی ہے جو شخص اپنے رتبہ کو عام انسانوں سے زیادہ سمجھے، اس کی عقل و خرد میں شبہ ہی ہوتا ہے۔ ہمیں امید نہیں رہی کہ تم سنجیدگی سے ہمارے امیر عسکر کے پیغام پر غور کرو گے۔ مگر پھر بھی ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ اور اس لیے تمہارے سامنے اپنے سردار کا پیغام ضرور پہنچا دیں گے۔"

جرجیر کو ان کی یہ گفتگو سخت ناگوار گزری۔ وہ غضبناک ہو گیا۔ اور سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تم فضول باتیں نہ کرو۔ جو پیغام تمہیں دینا ہے دے دو۔"

سرور نے کہا، "وہ پیغام مجھ سے سنیے۔ ہمارے امیر المومنین نے جو شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں، ہمیں یہ حکم دیا تھا کہ ہم جنگ ہونے سے پہلے آپ کو صلح کی ترغیب دیں۔ چنانچہ ہم ان کے حکم کی تعمیل کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

جرجیر: لیکن آپ نے صلح کی شرائط تو پیش ہی نہیں کیں۔

سرور: صبر سے سنیے۔ میں بیان کر رہا ہوں۔ صلح صرف دو شرطوں پر ہو سکتی ہے۔ پہلی تو یہ ہے کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ۔ تمہاری املاک اور تمہاری حکومت بجنسہ تمہارے پاس رہیں گی۔ اور کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔"

یہ سن کر جرجیر کو بڑا طیش آیا۔ تمام درباری بھی نہایت برہم ہوئے اور غصہ سے بھری ہوئی نگاہوں سے سفیروں کو دیکھنے لگے۔

جرجیر نے درشت لہجہ میں کہا، "کیا تم ایک یہ عیسائی شہنشاہ سے توقع رکھتے ہو؟"

ابن جعفر نے کہا، "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تمہاری تمکنت اور تمہارا فخر و غرور دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ تم صلح و آشتی کی طرف ہرگز ہرگز راغب نہ ہو گے۔"

جرجیر: جانتے ہو تم نے کیسی سخت بات میرے حضور میں کہی ہے۔ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو ایسی سزا دیتا کہ دنیا سن کر تھرا جاتی۔

ابن عباس: یہ ہی زعم ہے جو عیسائیوں سے ان کی سلطنتیں چھنوا رہا ہے۔

جرجیر: مہربانی کر کے سخت لہجے میں گفتگو نہ کیجیے۔

سرور: آپ بھی درشت لہجہ اختیار نہ کریں۔ آپ نہیں جانتے کہ ہم ان شیروں کی اولاد ہیں۔ جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے پرعظمت درباروں میں نہایت صفائی سے گفتگو کی ہے۔ ہم ڈرنے والے نہیں ہیں۔ جیسی کہو گے ویسی ہی سنو گے۔ ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

جرجیر: میں احتیاط رکھوں گا۔

سرور: ایک بادشاہ کو متحمل مزاج ہونا ضروری ہے۔ اچھا اگر تم مسلمان ہونا نہیں چاہتے تو جزیہ دو۔ یہ کوئی ذلت آمیز ٹیکس نہیں ہے۔ بلکہ حفاظت کے صلہ میں لیا جاتا ہے۔

جرجیر کو پھر غصہ آیا۔ مگر وہ پی گیا اور اس نے کہا، "میں اس بات کو نامنظور کرتا ہوں۔"

سرور: لیکن سوچیے ان دونوں باتوں سے انکار کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں آپ چاہتے ہیں کہ بندگان خدا کا خون بہے۔

جرجیر: جو کچھ بھی تم سمجھو۔ بس تمہاری یہ ہی دو شرطیں ہیں۔

سرور: جی ہاں۔

جرجیر: مجھے یہ دونوں منظور نہیں ہیں۔

سرور: تب تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

جرجیر: مگر میں تم پر شفقت و مہربانی کرتا ہوں۔ اگر تم واپس چلے جاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مصر پر حملہ نہ کروں گا۔

سرور: ہمیں آپ کی شفقت و مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم پر ہمارا خدا مہربان ہے اور اسی کی مہربانی ہم چاہتے ہیں۔ آپ مصر پر تو اس وقت حملہ کر سکیں گے جب ہمارے ہاتھوں سے بچ جائیں گے۔"

جرجیر کو پھر غصہ آیا۔ اس نے کہا، "اچھا اب آپ اس گفتگو کو بند کر دیجیے۔ مجھے طیش آ رہا ہے۔"

ابن عباس: مگر ایک وقت ایسا آئے گا جب تم اس وقت کی گفتگو کو یاد کر کے پچھتاؤ گے۔"

جرجیر: یہ کوئی نہیں جانتا کہ میں پچھتاؤں گا یا تم۔

سرور: ہم نے اپنے خلیفہ کے حکم کے بموجب اپنے سپہ سالار کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے اور آپ نے رد کر دیا۔ اب خدا اس کی مدد کرے گا جو حق پر ہوگا۔

جرجیر: میں بہت جلد میدانِ جنگ میں تمہیں اس کا جواب دوں گا۔

سرور: بہت خوب ہم انتظار کریں گے۔

جتنے عرصہ گفتگو جاری رہی مسلمانوں نے نظر اٹھا کر بھی شہزادی سیلن کی طرف نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ جب سے افریقہ میں داخل ہوئے اسی وقت سے اس کے حسن و جمال کی تعریفیں سنتے چلے آئے تھے البتہ آتے ہی ایک سرسری نظر سب کے ساتھ اس پر بھی ڈال لی تھی۔

جب یہ گفتگو ختم ہوگئی تو تینوں سفیر چلے۔ خیمہ سے باہر نکلے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف چل پڑے۔

باب ۱۵

پُرلطف گفتگو

ارسانوس کو یہ فکر دامن گیر ہوگیا۔ کہ کہیں اسلامی سفیر جرجیر سے مصالحت نہ کرلیں۔ اس لیے وہ کچھ متذبذب اور پریشان تھا۔ وہ اپنے خیمہ پر نہیں گیا۔ بلکہ ادھر ادھر گھومتا اور سفیروں کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

آخر سفیر واپس ہوئے اس نے دیکھا۔ وہ جھپٹ کر ان کے پاس پہنچا اور دریافت کیا، کیا مصالحت ہوگئی؟

ابنِ عباس نے کہا، نہیں! تمہارا خیال صحیح تھا۔ جرجیر کو اپنے لشکر کی کثرت پر بڑا ناز ہے اس نے مصالحت سے انکار کردیا!

ارسانوس کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے کہا، میں پہلے ہی جانتا تھا کہ مغرور و متکبر جرجیر ہرگز صلح نہ کرے گا!

اب اطمینان سے ارسانوس اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور سفیر امیر عسکر حضرت عبداللہ بن سعد کے پاس پہنچے۔ اور انہیں اپنی اور جرجیر کی گفتگو سے آگاہ کردیا۔

عبداللہ نے کہا، میں نے خود بھی یہ سمجھا تھا کہ جرجیر ہرگز ہرگز ہماری شرائط میں سے کوئی شرط بھی قبول و منظور نہیں کرے گا۔ لیکن ہم نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کردی۔ اتمام حجت ہوگئی اب ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ نہ معلوم کس وقت اور کس طرف سے دشمن حملہ کردے!

اسی وقت عبداللہ نے تمام افسروں اور سرداروں کے پاس کہلا بھیجا کہ ہر دستہ فوج ہر وقت جنگ و پیکار کے لیے مستعد رہے۔ اور رات کو حفاظت و نگرانی کے لیے زیادہ اہتمام کیا جائے۔

سرور جب خیمہ پر آئے۔ تو معلوم ہوا خبیب نے انہیں بلایا تھا۔ انہیں فکر ہوا کہ نہ معلوم کیوں انہیں طلب کیا گیا ہے۔ وہ اسی وقت سراپردہ کی طرف چل پڑے۔ اور خبیب کے خیمہ کے سامنے جا کر ٹھہرے اور سوچنے لگے کہ آواز دیں یا نہیں۔ ابھی اسی فکر میں تھے کہ دروازہ کا پردہ اٹھا اور ایک حسین چہرہ کی جھلک نظر آئی۔

یہ حوروش سلمیٰ تھی جو جھانک رہی تھی۔ سرور نے اس عربدہ کو دیکھ کر کہا "مجھے عم بزرگوار نے بلایا تھا" ذرا ٹھہریے کہا۔ خیمہ کے اندر چلی گئی۔ فوراً ہی خبیب کی آواز آئی "سرور اندر چلے آؤ" سرور جھجکتے ہوئے خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ مسلمانوں کے دیگر خیموں کی طرح اس خیمہ میں بھی کسی قسم کا آرائش کا سامان نہ تھا۔ قناتوں پر یا تو ہتھیار لٹک رہے تھے۔ یا مشکیزے اور جو اور کھجوروں کے تھیلے فرش سیاہ کمبل کا تھا۔ خبیب چوب کے سہارے سے بیٹھے تھے ان سے کچھ فاصلہ پر دوسری طرف حوروش سلمیٰ بیٹھی تھی۔

سرور نے نہایت ادب سے خبیب کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا "آؤ سرور بیٹھو"

سرور سر جھکا کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ خبیب نے کہا "مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم سفارت پر بھیجے گئے تھے"

سرور: جی ہاں میں، ابن عباس اور ابن جعفر گئے تھے۔

خبیب: اسی لیے میں نے کہلا دیا تھا۔ کہ تم جب آؤ تو میرے پاس چلے آؤ کیونکہ مجھے وہاں کے واقعات معلوم کرنے کا بڑا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

سرور: میں خبر پاتے ہی چلا آیا۔

خبیب: تم نے کچھ اندازہ کیا کہ عیسائیوں کا لشکر کس قدر ہے۔

سرور: عیسائی لشکر کی تعداد تو جاسوسوں کے ذریعہ سے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی۔ ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ میں نے جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو جہاں تک بھی نگاہ گئی عیسائیوں کا سیلاب نظر آیا۔

خبیب: جرجیر کو دیکھا تھا۔

سرور: اسی سے گفتگو ہوئی تھی۔

خبیب: کس عمر کا آدمی ہے۔

سرور: چالیس پینتالیس سال کی عمر ہوگی۔ قوی الجثہ اور تندرست آدمی ہے۔

خبیب: کیا گفتگو ہوئی۔

سرور نے تمام گفتگو جو ہوئی تھی۔ سنا دی خبیب نے کہا میں خوب جانتا تھا۔ کہ جرجیر ہرگز ہماری شرطوں میں سے کوئی شرط بھی نہ مانے گا۔ جب کہ اس کے پاس سوا لاکھ لشکر ہے وہ کیسے مان جاتا۔ سنا ہے اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی آئی ہے۔

لڑکی کا ذکر سنتے ہی حوروش سلمیٰ نے سرور کی طرف دیکھا۔ سرور نے جواب دیا "جی ہاں! اس کی لڑکی بھی اس کے ساتھ ہے"

خبیب: بڑی بہادر بتائی جاتی ہے۔

سرور: مگر اس کے چہرہ اور جسم سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی۔

خبیب: کیا نحیف الجثہ ہے وہ۔

سرور: کچھ ایسی نحیف الجثہ بھی نہیں ہے۔ میں نے تو اس کے بدن میں لوچ دیکھا ہے۔

خبیب: شاید وہ حسین زیادہ ہے۔

سرور: بے شک بڑی خوب صورت ہے۔

سلمیٰ کے چہرہ پر رشک کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔

خبیب نے دریافت کیا "وہ بھی دربار میں موجود تھی"

سرور نے جواب دیا "جی ہاں! وہ اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ ایک تو ہے ہی وہ حسین دوسرے ریشمی چست لباس پہنے تھی۔ اور سارے لباس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ جو جھلملا رہے تھے۔ زیورات کے تھے۔ ان کی ضو سے اس کی صورت اور بھی جگمگا رہی تھی۔

خبیب: عیسائیوں میں پردہ نہیں ہے۔ ارسانوس نے مجھے بتایا تھا کہ ہزاروں بہادر عیسائی تو محض شہزادی کی وجہ سے لڑنے آئے ہیں۔

سرور: ایسا ہی میں نے بھی سنا ہے۔

حبیب : شاید کل جرجیر میدان میں آجائے ۔

سرور نے کہا "میرا خیال بھی یہ ہی ہے ۔

کچھ دیر اور گفتگو کر کے سرور تو چلے آئے ۔ چونکہ اب احتمال تھا کہ کہیں عیسائی شب خون نہ ماریں ۔ اس لیے ہر دستہ فوج میں سے کچھ لوگ گشت و نگرانی پر مامور ہوگئے تھے ۔ اگرچہ سراپردہ لشکر کے عین وسط میں تھا ۔ مگر سپہ سالار کے حکم کے بموجب سرور نے بھی گشت شروع کر دیا تھا ۔ صرف سو سواروں کو ساتھ لے کر وہ سراپردہ کے گرد گھوم رہے تھے ۔

طریقہ یہ تھا کہ سراپردہ کے فاصلہ پر پہرہ والے پھرتے رہتے تھے ۔ مگر مل کر نہیں متفرق ہو کر ۔ سرور گشت کرتے ہوئے جب ایک مرتبہ حبیب کے خیمہ کے سامنے پہنچے تو انہوں کسی کو وہاں پھرتے ہوئے دیکھا ۔ چاند نکلا ہوا چمک رہا تھا ۔ چاندنی چٹک رہی تھی ۔ رات کا قدرتی سکوت ہر طرف پھیلا ہوا تھا ۔ اگرچہ ابھی زیادہ رات نہیں گئی تھی ۔ لیکن سراپردہ کے طفل و زن آرام کرنے لگے تھے ۔ اور اس لیے خاموشی کا تسلط ہوگیا تھا ۔

سرور اس سایہ کی طرف تیزی سے جھپٹے جو انہیں نظر آیا تھا ۔ ان کے بڑھتے ہی سایہ پیچھے ہٹنے لگا ۔ یہ اور آگے بڑھے کچھ دور چل کر سایہ کھڑا ہو گیا ۔ اور جب سرور اس کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ سلمیٰ کھڑی ہے ۔ سرور نے کہا "تم سلمیٰ ہو"۔

چاند کی روشنی میں سلمیٰ کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن ہو رہا تھا ۔ اس نے لمبی لمبی انگلیاں اٹھائیں اور انگشت شہادت اپنے ہونٹوں پر رکھ کر آہستگی سے کہا "آہستہ بولیے "۔

سرور اس حور وش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے ۔ انہوں نے کہا "تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں"۔

سلمیٰ : میں شب ماہ کی سیر کا لطف اٹھا رہی تھی ۔

سرور : تمہیں چاندنی رات بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے ۔

سلمیٰ : جی ہاں ! کیسے شہزادی کو آپ نے دیکھا ہے ۔

سرور : ہاں دیکھا ہے ۔

سلمیٰ : بہت زیادہ خوبصورت ہے وہ ۔

سرور : بے شک خوبصورت ہے ۔

سلمیٰ : اسے دیکھنے ہی کے لیے آپ وہاں گئے ہوں گے "۔

سرور : مجھے اس کے دیکھنے کا اشتیاق نہ تھا ۔

سلمیٰ : مگر دیکھنے کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سرور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "دوبارہ دیکھنے کی آرزو پیدا نہ ہوئی ۔

سلمیٰ : مگر وہ حسین ہے بے حد حسین ۔

سرور : اس سے انکار نہیں ہو سکتا ۔ لیکن میری نگاہوں میں تم اس سے زیادہ خوبصورت ہو ۔ اگر وہ ماہِ افریقہ ہے تو تم نیّرِ عرب ہو ۔

سلمیٰ نے مسکرا کر سرور کو دیکھا ۔ سرور نے کہا "کیا تمہیں یقین نہیں آیا میری بات کا "۔

سلمیٰ نے شوخی کے لہجہ میں کہا "اگر تم کہو تو میں یقین کر لوں "۔

سرور : میرے کہنے سے نہ کرو ۔

سلمیٰ : بس ناخوش ہوگئے آپ ۔

سرور : مجھے ناخوش ہونے کا کوئی حق نہیں ہے ۔

سلمیٰ : مجھ سے غلطی ہوئی سرور معاف کر دو ۔

سرور یہ فقرہ سن کر نہایت خوش ہوئے ۔ انہوں نے کہا "سلمیٰ ! میں تم سے کسی حالت میں بھی ناخوش نہیں ہو سکتا ۔ لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں ۔

سلمیٰ : چاندنی کا لطف اٹھا رہی تھی ۔

سرور : یہ بات نہیں ہے ۔

سلمیٰ : اور کیا بات ہے ۔

سرور : تم یہ معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ میرے دل پر شہزادی کے حسن کا کوئی اثر تو نہیں ہوا ہے ۔

سلمیٰ : آپ کا خیال غلط نہیں ہے میں نے سنا ہے کہ شہزادی نہایت ہی حسین ہے ۔

سرور : اگر تم سچ پوچھو تو میں نے اسے اچھی طرح دیکھا بھی نہیں ہے ۔ اور نہ دیکھنا چاہتا ہوں ۔

سلمیٰ : تو یہ آپ نے کس پر احسان کیا ہے ۔

سرور : اس کا فیصلہ تو تم ہی خوب کر سکتی ہو ۔

سلمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا، "میں تو آپ کو بہت سیدھا سمجھتی تھی۔"

سرور: معاف کرنا تم نے ہی مجھے ایسا بنا دیا ہے۔

سلمیٰ: ذرا اور کوشش کرو۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔

یہ کہتے ہی وہ ہنستی ہوئی چلی۔ سرور نے کہا، "ذرا ٹھہرو سلمیٰ۔" سلمیٰ رک گئی۔ بولی، "کیسے کیا کہنا ہے۔"

سرور: اس روز تم بزرگوار نے تو تم کو کچھ نہیں کہا تھا۔

سلمیٰ: بالکل بھی نہیں۔

سرور: خدا کا شکر ہے (کچھ سوچ کر) مگر وہ تمہیں کچھ کہہ نہیں سکتے۔

سلمیٰ: کیوں۔

سرور: تم جیسی نازنین کو کوئی کیسے کچھ کہے۔

سلمیٰ نے شوخی سے ہنستے ہوئے کہا، "اچھا اب زیادہ بڑھ چلے ہیں آپ۔"

یہ کہتے ہی اس نے السلام علیکم کہا۔ اور تیزی سے چلی گئی۔ اور سرور دیکھتے ہی رہ گئے۔

خونریز جنگ

جس روز سفیر واپس آئے۔ اس کے دوسرے ہی دن جب کہ مسلمان صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے کہ عیسائی لشکر میں نقل و حرکت شروع ہوئی۔ نقاروں کی مہیب صداؤں کی گونج نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ عیسائی میدان جنگ میں آنے والے ہیں۔

عبداللہ نے فوراً سواروں کو دوڑا کر تمام سرداروں کے پاس حکم بھیج دیا کہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچ جائیں۔

جس سردار کو اطلاع ہوتی گئی۔ اپنی فوج کو مسلح ہونے کا حکم دے کر خود بھی تیار ہونے لگا۔

جب آفتاب طلوع ہوا تو عیسائی لشکر میدان میں آ کر ادھر ادھر پھیلنے لگا۔ اور ان کی ہر فوج میں باجے بجنے لگے۔

تھوڑی دیر میں نمازیان اسلام کے دستے بھی میدان میں جا جا کر عیسائیوں کے سامنے صف

بستہ ہونے لگے۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں سارا لشکر میدان میں پہنچ گیا۔

عبداللہ نے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ میمنہ پر ابن عمر میسرہ پر ابن عباس، ساقہ پر حضرت حسن میسرہ کے بازو پر حضرت حسین، میمنہ کے بازو پر ابن جعفر کو متعین کیا۔ قلب میں وہ خود ٹھہرے۔ سرور کو حکم دیا کہ وہ سراپردہ کی نگرانی اور حفاظت بھی کرتے رہیں۔ اور جس طرف مسلمانوں پر شدید یورش دیکھیں ان کی مدد بھی کریں۔

جرجیر نے تمام لشکر سے مسلمانوں پر حملہ کرنا اپنی سبکی خیال کیا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان تیس ہزار کے قریب ہیں۔ اس لیے اس نے صرف ساٹھ ہزار عیسائیوں کو میدان جنگ میں لا کھڑا کیا۔ اور انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

اس لشکر کے ساتھ چیدہ چیدہ جنگ جو سردار تھے۔ مارقوس سپہ سالار تھا۔ اور خود وہ بھی تھا اپنے بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی عیسائی لشکر سیلاب کی طرح بڑھنا شروع ہوا۔ ہزاروں بیرقیں اور سینکڑوں علم ہوا میں لہراتے آگے بڑھے۔

عبداللہ نے بہت جلدی گھوڑا بڑھا کر صفوں کے سامنے گشت لگایا اور مجاہدین اسلام کو مخاطب کر کے کہا۔

"دلیران اسلام! دشمن نے اپنے لشکر کی کثرت کے زعم میں طوفانی موجوں کی طرح بڑھتا آ رہا ہے تم مسلمان ہو۔ اور مسلمان خاموش چٹانوں کی طرح ایسے طوفانوں کا مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ نصاریٰ کی کثرت کا مطلق خیال نہ کرو۔ وہ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے بزدل انسان ہیں۔ وہ بندے ہیں۔ جن سے خدا اس وجہ سے ناخوش ہو گیا ہے۔ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا کہنا شروع کر دیا ہے مذہب کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے۔

بہادران اسلام! تم خدا کے پرستار ہو۔ عیش و عشرت سے متنفر ہو۔ جفاکش ہو۔ خدا کے لیے مرتے اور خدا کے لیے جیتے ہو۔ خدا تم سے خوش ہے۔ وہ تمہارا حامی و مددگار ہے۔ اس نے ہمیشہ تمہاری مدد کی ہے۔ انشاءاللہ اب بھی وہی مدد کرے گا۔

اے مجاہدین اسلام! جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ حوریں شہیدوں کے استقبال کے لیے دروازوں پر آ کھڑی ہوئی ہیں۔ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اپنی جبلی شجاعت سے جنت الفردوس

میں داخل ہونے کا استحقاق پیدا کرو۔

اے اسلام کے مایۂ ناز فرزندو! جوہرِ شجاعت دکھانے کا وقت آگیا ہے۔ شمشیرِ آبدار کے ہاتھ دکھاؤ۔ قوتِ بازو کو صرف کرو۔ اور بے دھڑک دشمنوں پر جا ٹوٹو۔ اور ان پر یہ ثابت کر دو کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ اور اس کا مقابلہ کرنا کوہ بے ستون کو کاٹ کر جوئے شیر کا لانا ہے۔

اس مختصر تقریر کو سن کر مسلمانوں کے دلوں میں جوش و ولولہ کا طوفان اُمنڈ آیا۔ ہر مجاہد کا چہرہ جوشِ شجاعت سے چمک اٹھا۔

اس عرصہ میں عیسائی لشکر اسلامی عسکر کے قریب آگیا تھا۔ عیسائی تلواریں سونتے، گھوڑوں پر سوار جوشِ شجاعت سے جھومتے چلے آرہے تھے چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے ان کی صفیں میلوں لمبی تھیں۔

مسلمان بھی ان کے برابر ہی برابر پھیل گئے تھے۔ جب عیسائی بہت ہی قریب آگئے۔ تب عبداللہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تو مسلمان اپنی اپنی جگہ پر سنبھل گئے اور غیظ و غضب کی بھری نگاہوں سے عیسائیوں کو دیکھنے لگے۔

عیسائی بڑے جوش و خروش سے اس طرح بڑھتے چلے آرہے تھے۔ جیسے وہ آتے ہی مسلمانوں کو قتل ہی کر ڈالیں گے۔

اب عبداللہ نے دوسرا نعرہ بلند کیا۔ مسلمانوں نے فوراً ہی بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں سنبھال لیں۔ چونکہ عیسائی برابر بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں سے صرف چند ہی قدم کے فاصلہ پر رہ گئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر عبداللہ نے تیسرا نعرہ بھی لگا دیا۔ اس مقدس نعرہ کی تکرار تمام لشکر نے کی۔ اور ان کے نعرہ تکبیر سے سارا میدان گونج اٹھا۔ نعرہ لگاتے ہی مسلمان شیروں کی طرح جھپٹے اور عیسائیوں پر جا ٹوٹے اور کچھ اس زور قوت سے حملہ آور ہوئے کہ عیسائی جو بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑھتے چلے آرہے تھے گھبرا کر ٹھٹھک گئے۔ اور اتنے میں وہ سنبھلیں کہ مسلمانوں نے جلدی جلدی وار کر کے ان کی پہلی صف میں سے سینکڑوں نہیں، ہزاروں بہادروں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔

لیکن عیسائی بھی جلد ہی سنبھل گئے اور انہوں نے بھی جوش و طیش میں آکر مسلمانوں پر نہایت

شدت سے حملہ کر دیا۔ اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔

جب شیرانِ اسلام نے اپنے کچھ بھائیوں کو شہید ہوتے دیکھا۔ تو ان کے جوش و غضب کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس تیزی اور دلیری سے بڑھ بڑھ کر حملے شروع کیے کہ عیسائی گھبرا گئے۔

ہر مسلمان بپھرا ہوا شیر بن گیا۔ اور عیسائیوں کو اس طرح قتل کرنے لگا جیسے وہ بے جان پتلے ہوں۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کی پہلی صف تمام و کمال قتل کر کے بچھا دی۔ اور دوسری صف میں سے بھی سینکڑوں عیسائیوں کو مار کر اس میں رخنے ڈال دیے۔ اور اس طرح بہت سے مسلمان تیسری صف پر جا ٹوٹے۔

اس طرح سے جنگ کی آگ بھڑک کر دور تک جا پہنچی اور اس کے شعلے انسانوں کو جلانے لگے۔ چونکہ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے سفید آبدار تلواریں ہر طرف بلند ہو رہی تھیں۔ کچھ تلواریں جو انسانوں کو کاٹ چکی تھیں۔ وہ خون آلودہ تھیں۔

جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان جوش و خروش سے انہیں قتل کر رہے ہیں۔ اور ان کی تلواروں سے بچنا مشکل ہے۔ تو وہ بھی جانیں دینے اور جانیں لینے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ بھی غضبناک ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور اس دلیری سے حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کی صفوں کو توڑنے لگے۔

فریقین ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کرنے لگے۔ تلواریں اپنا جوہر دکھانے لگیں۔ جنگجو بہادروں نے سروں کی بازیاں لگا دیں۔ خون کی چھینٹیں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ سر اولوں کی طرح گرنے لگے اور کٹے ہوئے درختوں کی طرح دھڑوں پر دھڑ گرنے لگے۔

جوں جوں آفتاب اونچا ہوتا جاتا تھا۔ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑکتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب دوپہر کا وقت ہوا تو لڑائی عین شباب پر پہنچ گئی۔

عیسائی اور مسلمانوں کی بہت سی صفیں ٹوٹ چکی تھیں۔ اور عیسائی مسلمانوں اور مسلمان عیسائیوں میں گھس کر جنگ کر رہے تھے۔ اور متخاصمین کچھ ایسے لڑائی میں مصروف تھے۔ کہ نہ ادھر ادھر دیکھتے تھے نہ خیال کرتے تھے کہ وہ تنہا ہیں یا ان کے اور ساتھی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ سب اپنے اپنے حال میں گرفتار تھے۔ اور بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

لڑنے والوں پر کچھ ایسی محویت طاری تھی کہ یہ بھی نہ دیکھتے تھے کہ دشمنوں پر حملہ کر رہے ہیں یا دوستوں پر گویا دوست دشمن کی پہچان ہی باقی نہ رہی تھی۔

حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں ایک ہاتھ میں ڈھال اور ایک میں تلوار لیے کچھ ایسے جوش میں آکر لڑ رہے تھے کہ عیسائی ہر چند انہیں بڑھنے سے روکنا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہ رکتے تھے۔ انہوں نے صفوں پر صفیں الٹ دی تھیں۔ کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے۔ وہ ایک، دو آدمیوں پر حملہ ہی نہ کرتے تھے۔ بلکہ گروہوں یا صفوں پر ٹوٹتے تھے۔ اور جب تک اس گروہ یا صف کا۔ خاتمہ نہ کر ڈالتے تھے۔ دم نہ لیتے تھے۔

دونوں ہاشمی نوجوان شیروں کی طرح دھاڑتے اور دشمنوں کو چیرتے پھاڑتے پھر رہے تھے جس طرف نکل جاتے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرا دیتے تھے۔ جن لوگوں پر حملہ کرتے تھے۔ انہیں بے سر ہی کا رستہ چھوڑتے تھے۔

چونکہ وہ نوعمر تھے۔ اس لیے انہیں عیسائی ناتجربہ کار سمجھ کر حملہ کرتے تھے۔ مگر جب وہ ان کے حملے کو روک کر اپنے وار کرتے تھے۔ اور انہیں تیغوں کی باڑھوں پر رکھ لیتے تھے۔ تو عیسائی گھبرا کر ادھر ادھر دبنے لگتے تھے۔ لیکن وہ آل طالب انہیں بچنے ہی نہ دیتے تھے۔ اور جھپٹ جھپٹ کر جلد جلد حملہ کر کے انہیں ٹھکانے لگاتے تھے۔

عیسائی غصہ میں بھر بھر کر حملے کرتے تھے۔ پیچ و تاب کھا کھا کر تلواریں مارتے تھے۔ مگر اب تک بھی ان شیروں میں سے کسی کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکے تھے۔ اور تو اور ان کے مبارک جسموں میں سے کسی کے تن طاہر پر تلوار کا ایک خط نہ آیا تھا۔ اور ان شیروں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے تھے۔ جس طرف نکل جاتے تھے۔ دشمنوں کی لاشیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔

آخر کار لڑتے لڑتے دن ڈھل گیا۔ عبداللہ نے دیکھا۔ چونکہ ابھی تک تمام لشکر مصروف جنگ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے پچاس آدمیوں کو اذان دینے کا حکم دیا۔

جب پچاس آدمیوں نے مل کر اذان دی۔ اور مسلمانوں نے سنی تو ان کا جوش اور بھی بڑھ گیا۔ اور زیادہ ہی تندہی سے جنگ کرنے لگے۔

جب کہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔ عبداللہ تقریباً نصف لشکر لے کر پیچھے ہٹے۔ اور نماز کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا۔

"مسلمانو! نماز ایسا فریضہ ہے۔ جس کی معافی ہوش و حواس کی حالت میں بالکل نہیں ہے۔

باری تعالیٰ کا حکم ہے۔ فان خفتم فرجالا او رکبانا۔ یعنی اگر لڑائی کا خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز ادا کر لو۔"

اے اسلام کے شیدائیو! نماز ہرگز نہ چھوڑنا۔ انسان نماز میں خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ مسلمان وہ ہی ہے جو نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے فرضوں کی نیت باندھی۔ جب ایک رکعت پڑھ چکے تھے تو جو لشکر نماز پڑھ رہا تھا۔ سلام پھیر کر جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہوا اور میدان جنگ میں پہنچ کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارنے لگے۔

اس آواز کو سنتے ہی وہ مسلمان جو لڑ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹے اور جو لوگ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

اس طرح سے وہ آدھا لشکر جواب تک لڑ رہا تھا۔ پیچھے ہٹ آیا اور جلدی سے دوسری رکعت میں شریک ہو گیا۔ چونکہ سفر اور جنگ میں نماز قصر ہو جاتی ہے۔ یعنی چار فرض کے صرف دو فرض ہی رہ جاتے ہیں۔ اس لیے دوسری رکعت پڑھ کر یہ لوگ جلدی سے اٹھے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پھر میدان جنگ میں جا پہنچے۔ اور خوں ریز جنگ شروع ہو گئی۔ چار گھڑی دن رہے تک نہایت جوش و خروش سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر جرجیر نے اس وقت اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور عیسائی پیچھے ہٹنے لگے۔

عبداللہ نے بھی اپنے لشکر کو لوٹنے کا اشارہ کیا۔ اور مسلمان بھی لوٹنے لگے۔ اس طرح عصر کے وقت جنگ بند ہو گئی۔ اور بغیر فتح و شکست کا فیصلہ ہونے دونوں فریق اپنے اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد عیسائیوں اور مسلمانوں کے گروہ زخمیوں اور مردوں کو اٹھانے کے لیے میدان جنگ میں پہنچے۔ تو پہلے زخمیوں کو اٹھایا اور پھر مردوں کو۔ معلوم ہوا کہ چھ ہزار عیسائی زخمی ہوئے ہیں۔ اور بیس ہزار مارے گئے۔ مسلمان دو سو زخمی تھے۔ اور ایک سو ستر شہید ہوئے تھے۔

فریقین کے مردوں کو دفن کرنے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کا انتظام شروع کر دیا۔

باب ۱۶

عجیب لالچ

مسلمانوں کا خیال تھا کہ عیسائی دوسرے روز بھی لڑائی کے لیے میدان میں نکلیں گے۔ کیونکہ ابھی صرف بیس ہزار عیسائی مارے گئے تھے۔ اور ایک لاکھ موجود تھے۔ لیکن عیسائی اس روز صف آرا نہیں ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی اپنی طرف سے پیش دستی کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ عبداللہ بن سعد نے اعلان کروا دیا کہ جب تک عیسائی میدان میں نہ نکلیں مسلمانوں کو بھی نہ نکلنا چاہیے۔ البتہ ہوشیار اور مستعد ہر وقت رہنا چاہیے۔ تاکہ عیسائی ان کی غفلت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اور کسی وقت اچانک حملہ کر کے انہیں نقصان نہ پہنچائیں۔

چنانچہ مسلمان ہوشیار اور مستعد ہو گئے اور ہر قسم کی احتیاط کرنے لگے۔ ادھر عیسائیوں کے دلوں پر کچھ مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ چونکہ آدھا عیسائی لشکر شریک جنگ ہوا تھا۔ اس لیے جو فوجیں لڑائی میں شریک نہ ہوئی تھیں۔ ان کے سوا شریکِ جنگ ہونے والے فوجیوں سے مسلمانوں کی جنگ کے دل ہلا دینے والے واقعات ہی سن سن کر خوفزدہ ہو گئے تھے۔ خود مارقوس سپہ سالار اور جرجیر کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت و دلیری کا سکہ جم گیا تھا اور ایک ہی روز میں بیس ہزار سپاہیوں کے مارے جانے اور چھ ہزار زخمی ہو جانے سے انہیں بڑی تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ انہیں اندیشہ ہو گیا تھا کہ اگر یہ ہی جنگ اور جنگ میں کشتوں کی نوبت رہی۔ تو مسلمان یقیناً عیسائیوں کا خاتمہ کر ڈالیں گے۔

چنانچہ جرجیر نے دوسرے روز میدانِ جنگ میں نکلنے کی جرأت نہیں کی۔ بلکہ اپنے لشکر میں اعلان کروا دیا کہ چونکہ گذشتہ روز کی لڑائی کی وجہ سے سپاہی تھک گئے تھے۔ اس لیے دو چار روز آرام کر لیں۔

اس اعلان کے کرنے سے اس کا یہ منشا تھا کہ لشکر والوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ اس پر

مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی ہے۔

اس نے شام کے وقت مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ تمام چھوٹے بڑے افسروں، پادریوں، مارقوس اور تھیوڈوس کو طلب کیا۔ جب وہ سب آ گئے تو اس نے کہا، مسیحی جانبازو! گذشتہ روز جو جنگ ہوئی ہے اس میں عیسائیوں کو جس قدر نقصان پہنچا ہے۔ تمہیں سب کو معلوم ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا آدھا لشکر ہی مسلمانوں کو کافی ہو گا۔ لیکن ہمارے سپاہیوں کی دون ہمتی نے کل کا معرکہ سر نہ کرنے دیا۔ آج ہم نے اسی لیے میدان میں نکلنا مناسب نہ سمجھا۔ کہ اگر آج بھی ہمارے سپاہیوں کی بزدلی سے کل ہی جیسا واقعہ ہوا تو کہیں ہمارے لشکر کی ہمت پست نہ ہو جائے۔ جرجیر نے سانس لیا۔ لوگ اطمینان اور خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔

مارقوس نے کہا، اعلیٰحضرت کو یاد ہو گا کہ میں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ سارے لشکر پر حملہ کیا جائے۔

جرجیر: ہاں مابدولت کو یاد ہے۔

مارقوس: اگر سارا لشکر مسلمانوں پر ایک دم ٹوٹ پڑتا۔ تو کل ہی مسلمانوں کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

جرجیر: ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جتنے دور میں مسلمان لڑ رہے تھے۔ وہاں کس قدر موت کی گرم بازاری ہو رہی تھی۔ کس طرح سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ ایں جانب نے مسلمانوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک تو کیا۔ دو لاکھ کے بھی قابو میں آنے والے نہیں۔

مارقوس: حضور والا کا یہ خیال اس وجہ سے ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے سپاہی اسی بہادری کے ساتھ نہیں لڑ سکے۔ جس کی توقع تھی۔

جرجیر: یہ ہی بات ہے۔

مارقوس: میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔

جرجیر: کیا؟

مارقوس: اگر مسلمانوں کا بڑا سردار جوان کے لشکر کا سپہ سالار ہے۔ اور جسے وہ امیر کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔ کسی طرح مارا جائے تو مسلمان شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور اس طرح بگڑی ہوئی بات بن جائے گی۔

تھیوڈوس: آپ نے وہ بات کہی جو میں کہنے والا تھا۔

جرجیر: لیکن کیا تم اس بات کو معمولی سمجھتے ہو؟

مارقوس: معمولی نہیں۔ بلکہ نہایت اہم ہے۔ مگر کوئی ایسا لالچ دیا جائے۔ جس سے ہر سپاہی اور ہر افسر اسے قتل کرنے کے لیے جان تک لڑا دے۔

جرجیر: میں مسلمانوں کے سردار کو قتل کرنے والے کو قلعہ جم بطور جاگیر کے دیدوں گا۔

جم کا قلعہ شہر سبیطلہ سے دو منزل آگے پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ اس کے گرد و نواح کا علاقہ نہایت سرسبز اور زرخیز تھا۔

تھیوڈوس نے کہا "نقدی یا جاگیر کا لالچ ایسا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہر سپاہی اور ہر سردار اپنی جان لڑا دے"۔

جرجیر: پھر اور ایسی کیا چیز ہے جسے انعام کے طور پہ دیا جا سکے۔

تھیوڈوس: اعلیٰ حضرت کے سامنے زبان کھولتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔

جرجیر: خوف کرنے کی ضرورت نہیں اس وقت ملک و قوم کی عزت کا سوال ہے۔ بے خوفی سے کہو۔

تھیوڈوس: دراصل یہ جنگ محض ملک پر نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی لڑائی ہے۔ عیسائیت اور اسلام کا سوال ہے۔ مجھے مصر اور شام کے واقعات و حالات معلوم ہیں۔ وہاں جب سے مسلمانوں کا تسلط ہوا ہے۔ عیسائیت مٹتی جا رہی ہے۔ اور اسلام ترقی کر رہا ہے۔ بے وقوف، بزدل عیسائی مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ ہی کیفیت چند روز رہی تو ان دونوں ممالک میں ایک بھی عیسائی باقی نہ رہے گا۔ مجھے یہ بھی خوف ہے کہ (حضرت مسیح نہ کریں)، بدبخت وحشی مسلمانوں نے افریقہ کو بھی فتح کر لیا تو یہاں سے بھی عیسائیت رخصت ہو جائے گی۔

جرجیر: یہ ہی خوف مجھے بھی ہے۔

تھیوڈوس: اس وقت عیسائیوں کو اپنی عزیز ترین چیزیں قربان کر دینی چاہئیں۔ ملک، دولت اولاد اور جانیں غرض کسی چیز سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیے۔ یہ ہی عیسائیوں کے امتحان کا وقت ہے۔ خدا اور خداوند اس عیسائی کو جنت میں داخل کریں گے۔ جو آج ان کے پیارے مذہب کو بچانے کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جائے......

تھیوڈوس کو جوش آ گیا اور اس نے تقریر کرنی شروع کر دی تھی۔ جرجیر اور تمام حاضرین نہایت خاموشی اور توجہ سے اس کی تقریر سن رہے تھے۔

اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کون عیسائی نہیں جانتا کہ خداوند (حضرت عیسیٰ) خدا کا بیٹا ہے (نعوذ باللہ) وہ جو کہہ دیتے تھے۔ وہ ہی ہو جاتا تھا۔ لیکن خدا نے ان کا امتحان لیا۔ اور بے رحم اور ظالم و سفاک یہودیوں نے خداوند کو کانٹوں کا تاج پہنا کر صلیب پر چڑھا دیا۔

عیسائیوں کا یہ ہی اعتقاد ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں یا موسائیوں نے کانٹوں کا تاج پہنا کر صلیب پر چڑھایا اور پھانسی دے دی۔ یہ دنیا جہان کے عیسائیوں کے گناہوں کے کفارہ میں پھانسی دی گئی تھی۔

عیسائیوں میں بھی اس قدر فرقے ہیں کہ شمار نہیں کیے جا سکتے۔ لیکن دو فرقے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک پروٹسٹنٹ اور دوسرا کیتھولک۔ ان دونوں فرقوں کے مذہبی اعتقادات میں بعد المشرقین ہے۔

عیسائی فرقوں میں بھی اتفاق و اتحاد نہیں ہے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو فنا کرنے کی فکر میں دن رات مصروف رہتا ہے لیکن جب کسی دوسرے مذہب والوں سے اور خصوصاً مسلمانوں سے کوئی معاملہ آ پڑتا ہے۔ تو عیسائیوں کے تمام فرقے ایک ہو جاتے ہیں۔

تھیوڈوس نے پھر کہنا شروع کیا "جب کہ خدا نے اپنے بیٹے کا بھی امتحان لیا۔ تو اب ان کے بعد کون ایسا ہے۔ جس کا امتحان نہ لیا جا سکے یہ اب تلا اور امتحان کا وقت ہے۔ اس لیے ہم عیسائیوں کو اپنی ہر چیز قربان کر دینی چاہیے۔

جرجیر: آپ نے بالکل درست فرمایا۔ ہر عیسائی کو اپنی ہر عزیز چیز بھی قربان کر ڈالنی چاہیے میرے خیال میں تم عیسائی اس کے لیے تیار ہوں گے۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ "ہم تیار ہیں"

تھیوڈوس: مجھے عیسائیوں سے یہ ہی توقع ہے۔

جرجیر: لیکن ذکر تھا۔ اس انعام کا جس کے خیال سے ہر عیسائی لڑائی میں جان لڑا دے۔

تھیوڈوس: میں اسی کو بیان کرنے والا ہوں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں حضور کی طبع اقدس اس بات کو سن کر مکدر نہ ہو جائے۔

جرجیر: میں پکا عیسائی ہوں اور اس لیے کسی بات سے بھی ناخوش نہ ہوں گا۔ خواہ میرے خاندان ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتی ہو۔

تھیوڈوس: اعلیٰ حضرت روشن ضمیر ہیں۔ آپ نے وہ بات معلوم کر لی ہے۔ جو میں عرض کرنے والا ہوں۔

جرجیر: آپ بلا کسی جھجک کے کہیں۔

تھیوڈوس: عالی مرتبت شہنشاہ! آپ اعلان کر دیں۔ کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ کر لائے گا۔ آپ اس کے ساتھ شہزادی ہیلن کی شادی کر دیں گے۔

جرجیر یہ بات سن کر ششدر رہ گیا۔ وہ بادشاہ تھا اور عیسائی بادشاہ۔ وہ اس قدر مغرور تھا کہ سوائے شاہوں کے اور آدمیوں کو حقیر اور کمتر سمجھا جاتا تھا۔ اور عیسائی بادشاہ اکثر ایسا ہی سمجھتے تھے۔

تھیوڈوس جرجیر کو خاموش اور شش و پنج میں دیکھ کر سمجھ گیا کہ جرجیر کو یہ بات منظور نہیں ہے اس نے اس کی طبیعت کو گرمانے کے لیے کہا "یہ مشورہ میں نے بغیر سوچے سمجھے نہیں دیا ہے۔ ایک تو حضور کا یہ ایثار حضور والا کو ساری دنیا میں دین دار مشہور کر دے گا۔ دوسرے ہر پیادہ ہر سوار ہر افسر اور ہر سردار جی توڑ کر لڑے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کی صفیں چشم زدن میں الٹ دی جائیں گی۔ کشتوں کے پشتے لگ جائیں گے اور انہیں یقیناً ہزیمت دے دیں گے۔

جرجیر: آپ یہ سب کچھ فرما رہے ہیں۔ لیکن میری حمیت اور خاندانی شرافت ہچکچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہزادی کی منظوری بھی حاصل کرنی ضروری ہے۔

تھیوڈوس: مطلق نہ ہچکچائیے۔ یہ ثواب کا کام ہے۔ دل مضبوط کر کے اعلان کر دیجیے۔ اول تو یہ کہنا ہی مشکل ہے کہ جب مسلمان کثرت سے مارے جائیں گے۔ تو ان کا سردار میدان جنگ میں جما رہے گا ممکن ہے کہ وہ بھاگ ہی جائے یا کسی ذریعہ سے یہ خبر سن کر کہ ہر عیسائی اس کے سر کا خواہاں ہے۔ وہ گوشہ نشین ہو جائے۔ ایسی صورت میں بھی مسلمانوں کی شکست یقینی ہے۔ رہا شہزادی کی منظوری کا سوال اسے میں حاصل کر لوں گا۔

جرجیر: بے شک یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کا سردار ڈر کر ہی بھاگ جائے اور اس کے بھاگتے ہی مسلمان بھی بھاگ کھڑے ہوں۔

تھیوڈوس: جی ہاں! یہ بہت اغلب ہے۔

جرجیر نے جوش میں آ کر کہا "اچھا تو میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا میں اس کے ساتھ اپنی پری جمال بیٹی شہزادی ہیلن کی شادی کر دوں گا۔ اس بات کا مطلق خیال نہ کروں گا کہ وہ کوئی معمولی سپاہی ہے یا اعلیٰ افسر۔"

یہ بات سن کر وہ تمام لوگ خوش ہو گئے۔ جو اس وقت وہاں موجود تھے خصوصاً تھیوڈوس کو بڑی خوشی ہوئی۔ "قوم کو آج اعلیٰ حضرت کی دینداری کا ثبوت مل گیا۔ اب فتح یقیناً عیسائیوں کی ہے۔"

مارقوس نے کہا، آج تک یہ ایثار کسی بادشاہ نے نہیں کیا ہے۔ جو بھی سنے گا۔ عزت و حرمت سے حضور والا کا نام لے گا۔"

جرجیر: تم سب اس بات کو خوب جانتے ہو۔ کہ میری بیٹی مجھے کس قدر عزیز و محبوب ہے اور کیسے کیسے شہزادے اس کے خواہاں ہیں۔ مگر میں نے اسے نیلام پر چڑھا دیا ہے۔ اور اس کی قیمت مسلمانوں کے سردار کا سر ہے۔ جو کاٹ لائے گا۔ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا۔ تمام لشکر میں اس اعلان کی منادی کرا دو۔"

مارقوس نے "بہتر ہے" کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی بادشاہ بھی اپنے خیمے کی طرف چل دیا۔ اور جو لوگ جمع ہوئے تھے وہ بھی چلے گئے۔

ہورش ہیلن کا تذبذب

تھیوڈوس دربار خیمہ سے نکل کر جس وقت چلا تو نہایت خوش تھا۔ ایسا خوش جیسے اس نے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو۔ وہ مسرت اور بشاشی کے دریا میں غوطے کھاتا شہزادی ہیلن کے خیمہ کی طرف جا رہا

۵۔ از تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۴۹۶ مصنف مولانا اکبر شاہ خاں صاحب

تھا۔ غالباً اس کا یہ ارادہ تھا کہ جس طرح اس نے جرجیر کو سمجھا بجھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دی جائے اسی طرح شہزادی کو بھی اس بات پر آمادہ کر کے خود اس سے بھی یہ اعلان کرا دے کہ وہ اسی کے ساتھ شادی کرے گی جو مسلمان سردار کا سر کاٹ لائے گا۔

چنانچہ وہ شہزادی کے خیمہ پر جب پہنچا تو تمام پہرہ والے سپاہی اس کے سامنے جھک گئے اور ایک نے جلدی سے اٹھ کر ایک خادمہ کو اطلاع دی کہ اسقف اعظم تشریف لائے ہیں۔ خادمہ نے شہزادی سے کہا۔ وہ ان کی عقیدت مند تھی۔ جلدی سے اٹھ کر ان کی پیشوائی کے لیے لپکی۔

تھیوڈوس جب خیمہ کے اندر داخل ہوا تو شہزادی دروازے کے قریب آ چکی تھی۔ وہ جلدی سے اسقف کے سامنے مؤدب کھڑی ہو کر اس کے جبّہ کے پلیے دامن کو اپنے نازک ہاتھوں سے چومنے لگی۔

تھیوڈوس نے اپنے ہاتھ ہوا میں پھیلا کر اسے برکت دی اور پھر آہستہ سے اس کے خوبصورت سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

شہزادی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اسقف کی کمر میں جو لمبی تسبیح اڑسی ہوئی تھی۔ اس کے دانوں سے کھیلتی ہوئی بولی، بڑی مہربانی کی آج آپ نے۔ آپ کی تشریف آوری تھا میرے لیے باعث صد ہزار افتخار ہے۔"

تھیوڈوس نے اس کے نرم و نازک مگر سرخ و سفید رخساروں پر نظریں جما کر کہا، میں ایک خاص بات کہنے کے لیے آیا ہوں۔"

ہیلن نے کوچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، چلیے اور فرمایئے کیا ارشاد ہے۔"

تھیوڈوس ہیلن کے ساتھ چلنے لگا۔ اس وقت شہزادی کا نے سفید ریشم کا ڈھیلا لباس پہن رکھا تھا جو نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید لباس کے ہمشکل ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ اس کے رخساروں اور گالوں پر سرخی زیادہ تھی۔ اس لیے سفیدی میں شہابی رنگ جھلک رہا تھا۔

ہیلن اور تھیوڈوس دونوں ایک ہی کوچ پر جا بیٹھے۔ تھیوڈوس نے کہا، شہزادی تم اس قدر خوبصورت ہو کہ میں نے اس پیرانہ سالی کے باوجود آج تک تمہاری جیسی پیاری صورت والی رشک قمر لڑکی نہیں دیکھی۔"

ہیلن مسکرانے لگی۔ اس نے شوخی کی نگاہوں سے تھیوڈوس کو دیکھ کر کہا "آپ کے اس انتخاب کا بہت بہت شکریہ۔"

تھیوڈوس: میں یہ چاہتا ہوں کہ جس قدر تم حسین ہو۔ اور جس درجہ تمہارے بے مثال حُسن کی دنیا جہان میں شہرت ہے۔ اس سے زیادہ تمہاری دینداری، حب الوطنی اور مذہب پرستی کا بھی شہرہ ہو جائے۔

ہیلن: یہ بات تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔

تھیوڈوس: ہاں میرے ہاتھ میں ہے۔ اور میں نے اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔

ہیلن: کیا انتظام کیا ہے آپ نے؟

تھیوڈوس: میں نے وہ تدبیر کی ہے جس سے ان بدبخت مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے کے لیے ہر عیسائی بہ دل و جان آمادہ ہو جائے۔ اور ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر ڈالا جائے۔ کیا آپ میری اس کام میں مدد کریں گی؟

ہیلن نے آسمانی پری کی طرح مسکرا کر کہا، ضرور مدد کروں گی۔"

تھیوڈوس: مجھے یہی توقع تھی آپ سے۔ سینے مسلمانوں کو قتل کر ڈالنے اور فنا کر دینے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے انہیں کسی ایسے انعام کا لالچ دینا ضروری ہے۔ جس کے حصول کے لیے وہ دل و جان سے سعی کریں۔"

ہیلن: بالکل ٹھیک ہے۔

تھیوڈوس نے شہزادی کے سرخ و سفید رخساروں کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا، میں نے اور شہنشاہ جرجیر نے ان کے لیے وہ انعام تجویز کیا ہے۔ جس کو حاصل کرنے کے لیے ہر جانباز عیسائی اپنی جان تک لڑا دے گا۔

ہیلن: اور وہ کیا چیز ہے مقدس باپ؟

تھیوڈوس: شہزادی! وہ چیز تم خود ہو۔

"میں ہوں" شہزادی نے حیرت بھری نظروں سے تھیوڈوس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

تھیوڈوس نے نہایت سنجیدگی سے کہا، ہاں شہزادی صاحبہ وہ تم ہی ہو۔ آج ہر عیسائی کو تم سے دیدہ نادیدہ محبت ہے۔ عیسائی دنیا تمہیں چاہتی ہے۔ جس وقت عیسائیوں کو معلوم ہو گا کہ تمہیں انعام میں دینے..........

ہیلن نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "پہلے ایک بات بتایئے۔"

تھیوڈوس: پوچھو۔

ہیلن : یہ انعام کیسے اور کسے دیا جائے گا۔

تھیوڈوس : معاف کرنا میں اس بات کو بیان کرنا ہی بھول گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت شہنشاہ معظم نے یہ طے کیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کی شادی تمہارے ساتھ کی جائے گی۔

ہیلن یہ بات سن کر کچھ متفکر ہو گئی۔ اس نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگی۔ تھیوڈوس اسے دیکھتا رہا۔ اسے خیال ہوا کہ شاید شہزادی کچھ کہے گی۔ لیکن جب وہ دیر تک بھی نہ بولی۔ تب تھیوڈوس ہی نے کہا "کس فکر میں پڑ گئیں تم شہزادی؟"

اب ہیلن نے اپنا سر اٹھا کر تھیوڈوس کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ حضور بادشاہ سلامت نے کیا کیا؟"

تھیوڈوس : کیوں۔ کیا تمہیں اس رائے میں اختلاف ہے۔

ہیلن : اختلاف ہونا ہی چاہیے۔

تھیوڈوس : کیوں؟

ہیلن : اس لیے کہ شاہی خاندان کی لڑکی کی شادی عام عیسائیوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔

تھیوڈوس : اس بات کو تمام عیسائی جانتے ہیں۔

ہیلن : پھر انہوں نے کیسے بے عزتی کی بات کو گوارا کر لیا۔

تھیوڈوس : محض اس لیے کہ بقائے ملک و قوم کا انحصار اسی بات پر ہے۔

ہیلن : لیکن مقدس باپ! یہ تو بڑے ننگ و عار کی بات ہے۔

تھیوڈوس : بے شک ہے۔ لیکن اپنے ملک کی خاطر۔ اپنی قوم کی خاطر۔ اور اپنے قابل احترام باپ کی خاطر تم یہ بات قبول کر لو۔

ہیلن : پس ہم چشموں میں سبک سر ہو جاؤں گی۔

تھیوڈوس : ہرگز نہیں بلکہ اور عزت بڑھے گی۔ جب دنیا میں تمہاری شہرت ہو گی اور شہزادیاں تم رشک کریں گی۔

ہیلن : لیکن شہنشاہ ہرقل نے اس بات کو کیوں گوارا نہیں کیا۔

تھیوڈوس : وہ ضرور گوارا کر لیتے۔ لیکن ان کے کوئی شہزادی نا کتخدا نہ تھی۔

ہیلن : مگر شہنشاہ ایران نے بھی اس بات کو اچھا نہ سمجھا۔ حالانکہ ان کی کئی دوشیزہ لڑکیاں تھیں۔

تھیوڈوس : سچ ہے اور چونکہ انہوں نے نسلی فخر کیا۔ اسی لیے ان کی سلطنت تباہ ہو گئی۔ اور وہ خانماں خراب ہو کر جلاوطنی کی حالت میں مرے۔

یہ اشارہ شاہ ایران یزدجرد کی طرف تھا۔ اس بادشاہ نے بلا وجہ مسلمانوں سے جنگ مول لی اور آخر اپنا سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں دے کر فرار ہو گیا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ۳۱ھ ہجری میں مقام آکسس پر جلاوطنی کی حالت میں مارا گیا۔

ہیلن : لیکن میرا دل اس ذلت کو گوارا نہیں کرتا۔

تھیوڈوس : میری بھولی بیٹی! یہ ذلت نہیں۔ عزت ہے۔

ہیلن : غالباً آپ ہی نے بادشاہ سلامت کو یہ مشورہ دیا ہو گا۔

تھیوڈوس : یہ سچ ہے۔ شہزادی! اس سے میرا اور حضور بادشاہ سلامت کا یہ منشا ہے کہ عیسائیوں میں ایسا سرفروشانہ جذبہ پیدا ہو جائے۔ جس سے وہ مسلمانوں کے پرخچے اڑا دیں اور انہیں شکست دے کر بھگا دیں۔

ہیلن نے تھیوڈوس کی طرف دیکھ کر کہا "شکست دے کر بھگا دیں گے"

تھیوڈوس : ہاں۔ مقصد یہی ہے۔ اسلامی سپہ سالار کے سر کی شرط بھی اسی وجہ سے لگائی گئی ہے۔ خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کا سپہ سالار جب یہ سنے گا کہ اس سر پر بازی لگائی گئی ہے۔ تو عیسائی جی توڑ کر لڑیں گے اور وہ بھاگ جائے گا۔

ہیلن کے چہرہ پر کچھ رونق آ گئی۔ اس نے کہا "یہ بات میری سمجھ میں اب آئی ہے"

تھیوڈوس : تو کیا تم اسے منظور کرتی ہو۔

ہیلن : اگر جب بادشاہ سلامت اس کی منظوری دے چکے ہیں۔ پھر میری منظوری کی کیا ضرورت ہے۔

تھیوڈوس : اس معاملہ کا تعلق براہ راست تم سے ہے۔ اس لیے تمہاری منظوری بھی ضروری ہے۔

ہیلن : کیا اس کام میں کچھ ثواب کی بھی امید رکھنی چاہیے۔

تھیوڈوس : بہت زیادہ ثواب ملے گا شہزادی۔

ہیلن : تب تو مجھے منظور رہے۔

تھیوڈوس خوش ہوگیا۔ اس نے کہا، اب یقیناً عیسائی دل و جان سے لڑیں گے۔ اور فتح پا کر ہی واپس ہوں گے۔"

ہیلن: حضرت مسیح ایسا ہی کریں۔

تھیوڈوس: اب جو آئندہ جنگ ہو گی اس میں تمہیں بھی شرکت کرنی پڑے گی۔

ہیلن: میں بڑی خوشی سے شریک ہوں گی۔

تھیوڈوس اٹھا۔ شہزادی حسبِ معمول دو زانو ہو کر اس کے جبہ کو بوسہ دیا۔ تھیوڈوس نے اسے برکت دی اور خیمہ سے نکل کر وہ ایک طرف روانہ ہوگیا۔

باب ۱۷

شیرانِ اسلام کا دبدبہ

تھیوڈوس اب بھی اپنے خیمہ میں نہیں گیا۔ بلکہ ایک لمبی سفر کو طے کرنے لگا۔ تقریباً نصف سفر طے کرنے کے بعد وہ ایک عالی شان خیمہ پر پہنچا اور اندر داخل ہوا۔ اس خیمہ کے اندر رئیسانہ ساز و سامان تھا۔ اور ایک طرف کوچ پر مارقوس بیٹھا تھا۔

یہ خیمہ مارقوس ہی کا تھا۔ جوں ہی اس نے تھیوڈوس کو دیکھا اس کی تعظیم کے لیے اٹھا۔ اور اس کی طرف لپکا۔ اس کے پاس پہنچ کر اس قدر جھکا کہ سر زمین سے لگ گیا۔

اس طرح وہ سلام کر کے اٹھا اور اسقفِ اعظم کے دامن کو بوسہ دے کر بولا "زہے قسمت کہ حضور تشریف لائے۔"

تھیوڈوس نے کہا "میں تمہیں دیکھنے اور تمہاری حالت کا اندازہ کرنے آیا تھا۔"

مارقوس: میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں۔ آئیے تشریف رکھیے۔"

تھیوڈوس بڑھ کر اس کوچ پر بیٹھ گیا۔ جس پر مارقوس بیٹھا تھا۔ اور مارقوس ایک کرسی ان کے پاس سرکا کر اس پر بیٹھ گیا۔

تھیوڈوس نے پوچھا "کیسے اب شہزادی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

مارقوس نے جواب دیا "اس کی محبت میری رگ رگ میں بسی ہوئی ہے۔"

تھیوڈوس: کیا تم اس کے خیال کو دل سے نہیں نکال سکتے۔

مارقوس: یہ اتنا ہی ناممکن ہے۔ جتنا کہ گوشت سے ناخن کا جدا کرنا۔

تھیوڈوس: مگر اچھا ہوتا کہ تم اس رشکِ قمر کے خیال سے باز آجاتے۔

مارقوس: میں اس بات کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

تھیوڈوس: لیکن شہزادی کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

مارقوس: میں جانتا ہوں مگر اسے حاصل کرنے کے لیے میں اپنی جان تک دینے کے لیے تیار ہوں

تھیوڈوس: یہ سمجھ لو کہ محبت میں جانبازی ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔

مارقوس: میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن مجھے آپ کی وجہ سے بڑی تسلی ہے۔

تھیوڈوس: میں تمہارے کام سے غافل نہیں ہوں۔

مارقوس: میں جانتا ہوں کہ حضور میرے لیے کوشش کر رہے ہوں گے۔

دفعتاً مارقوس کسی خیال سے خوش ہو گیا۔ اس نے دریافت کیا۔ کیا حضور نے میرا ذکر اعلیٰ حضرت سے کیا تھا۔

تھیوڈوس: تمہارا ذکر...... مگر تمہارا خیال کیا ہے۔

مارقوس: میرا خیال ہے۔ کہ حضور نے ضرور جہاں پناہ سے میرا ذکر کیا ہو گا۔

تھیوڈوس: یہ حسن عقیدت ہے۔ نجات ایسی ہی باتوں سے ہوتی ہے۔

مارقوس: مجھے جس قدر عقیدت حضور کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ وہ میں بیان ہی نہیں کر سکتا۔

تھیوڈوس: میں جانتا ہوں۔ اسی لیے میں تمہارے لیے کوشاں ہوں۔

مارقوس: تو حضور نے میرا ذکر شہنشاہ سے کس طرح کیا۔

تھیوڈوس: میں نے اعلیٰ حضرت سے تنہائی میں کہہ دیا تھا کہ شہزادی پر سپہ سالار کا بیٹا مارقوس فریفتہ ہے۔

مارقوس: غالباً شہنشاہ یہ بات سن کر ناخوش ہوئے ہوں گے۔

تھیوڈوس: تمہارا خیال صحیح ہے۔ انہیں بڑا غصہ آیا۔ اور جوشِ غضب سے ان کی آنکھیں ابل آئیں۔ مگر میں نے فوراً ہی کہا کہ اس میں مارقوس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ خطا شہزادی کے بڑھے حسن کی ہے۔ وہ اس قدر حسین ہے کہ اسے دیکھنے والا اس کا شیدا ہو ہی جاتا ہے۔ تب بادشاہ کے قہر و غضب میں کمی ہوئی۔

مارقوس بڑی توجہ سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ سخت برہم ہو گیا تھا

تو فرطِ خوف سے اس کی روح کھنچنے لگی تھی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ اسقفِ اعظم نے بادشاہ کا غصہ فرو کر دیا تو جان میں جان آئی۔ اور چہرہ پر کچھ تازگی دوڑ گئی۔

اس نے دریافت کیا۔ اس کے بعد کیا گفتگو ہوئی۔

تھیوڈوس: میں نے تمہاری اس قدر تعریف کی کہ شہزادوں سے بھی بڑھا دیا۔ تمہاری بہادری کی توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے۔ بادشاہ نہایت توجہ سے سنتا رہا۔

مارقوس: بڑی مہربانی کی آپ نے۔

تھیوڈوس: جب میں نے سب کچھ کہہ کر حرفِ مطلب زبان سے نکالا تو پھر بادشاہ کو طیش آنے لگا۔ مگر میں نے جلدی ہی پھر ٹھنڈا کر دیا۔ اور کہا کہ مارقوس کا ہمسر، شرافت، دلیری اور اولوالعزمی میں کوئی شہزادہ بھی نہیں ہے۔ وہ ہر طرح سے شہزادی کے لیے موزوں ہے۔

مارقوس ہمہ تن توجہ بنا سن رہا تھا۔ اس کے چہرہ پہ رونق آ گئی تھی۔ اس بات کا جواب سننے کے لیے وہ بے چین ہو گیا۔ جب اس سے رہا نہ گیا تو اس نے دریافت کیا "پھر شہنشاہ نے کیا جواب دیا؟"

تھیوڈوس: اس نے دریافت کیا، کیا واقعی مارقوس بہادر ہے؟ میں نے جواب دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تب شہنشاہ نے کہا۔ تب تو میں اس کا امتحان ضرور لوں گا۔ میں ڈرا کہ نہ معلوم بادشاہ کیا امتحان لے۔ اس لیے میں چپ ہو گیا۔

مارقوس نے جلدی سے کہا "آپ نے فوراً ہی کیوں نہ کہہ دیا، کہ میں ہر امتحان دینے کے لیے تیار ہوں۔"

تھیوڈوس نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا یہ حقیقت ہے۔"

مارقوس نے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا "بالکل حقیقت ہے۔"

تھیوڈوس: تب میں نے غلط نہیں کیا۔

مارقوس: کیا کہا تھا آپ نے؟

تھیوڈوس: یہی کہ مارقوس ہر امتحان دینے کو تیار ہے۔

مارقوس: بہت اچھا کیا آپ نے۔

تھیوڈوس: بادشاہ نے کہا "میں مارقوس کو اپنی فرزندی میں لے لوں گا۔ بشرطیکہ وہ اسلامی

سپہ سالار کا سر کاٹ لائے۔

یہ بات سنتے ہی مارقوس کے حوصلے پست ہو گئے۔ جو جوش اور ولولے پیدا ہوئے تھے۔ وہ سرد پڑ گئے۔ اس نے مری ہوئی آواز سے کہا، مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لاؤں گا؟

تھیوڈوس: کیوں! کیا عشق و محبت کا دعویٰ سرد پڑ گیا۔

مارقوس، حضور نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اسلامی سپہ سالار کا سر کاٹ لانا آسان نہیں ہے۔

تھیوڈوس، امتحان معمولی اور آسان کاموں میں نہیں لیا جایا کرتا۔ ہمت نہ ہارو۔ ارادے بلند رکھو۔ خدا اور خداوند سے دعا مانگو۔ کیا تعجب ہے کہ کامیاب ہو جاؤ۔

مارقوس: ناممکن ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ مسلمان کس مٹی سے بنے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ عام مسلمان لوہے کے بنے ہوئے ہیں۔ کم بخت مرنا ہی نہیں جانتے۔ اور سردار وہ تو بالکل فولاد کا ہی ہوگا۔ اس کے سامنے جانا اور اسے قتل کر کے اس کا سر اتار لانا اتنا ہی مشکل ہے۔ جتنا کسی شیر کے سامنے جا کر اس کی مونچھ کا بال اکھاڑ لینا۔

تھیوڈوس کچھ ناخوش ہو گیا۔ اس نے کہا، اگر میں یہ جانتا کہ تم اس قدر کم ہمت ہو۔ تو کبھی تمہارے معاملہ میں نہ پڑتا۔

مارقوس: لیکن حضور یہ تو سوچیے کہ آپ تو مجھے بالکل موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔

تھیوڈوس: یہ کچھ نہیں۔ تم پانچ ہزار آزمودہ کار اور بہادر سواروں کو ساتھ لو۔ اور سپہ سالار اسلام کی جمعیت پر حملہ کر کے ان کی صفوں کو درہم برہم کر ڈالو۔ اور جب ہنگامہ دار و گیر بلند ہو۔ تو پیچھے سے جا کر اس کا سر کاٹ لو۔

مارقوس: بالکل ناممکن ہے۔ مسلمانوں کی ہزاروں آنکھیں ہوتی ہیں۔ وہ آگے پیچھے اور ادھر ادھر یکساں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ کام میری ہمت و طاقت سے باہر ہے۔

تھیوڈوس: تب تمہیں شہزادی کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔ تم نے یہ خیال بھی نہ کیا کہ میری برکت تمہارے ساتھ ہوگی۔

مارقوس: آپ اسلامی سپہ سالار کو بددعا دے کر کیوں نہیں مار ڈالتے۔

تھیوڈوس: یہ بھی ہوگا۔ میں بددعا کروں گا۔ اور جس شخص کی طرف توجہ کروں گا۔ وہ ہی اس کا سر اتار لائے گا۔ سنو مارقوس! میں نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ اگر مارقوس مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لائے۔ تو اس کا عقد شہزادی کے ساتھ کر دیا جائے۔ شہنشاہ سے یہ وعدہ سرِ دربار کرا لیا اور انہوں نے میرے کہنے سے سب کے سامنے یہ اعلان کیا۔ کہ "جو شخص سپہ سالار اسلام کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کی شادی شہزادی سے کر دی جائے گی۔ میرا منشا یہ تھا کہ جب تم سپہ سالار اسلام کے پاس پہنچو گے۔ تو میں اسے بددعا دوں گا۔ اور تمہاری طرف توجہ ڈال دوں گا۔ تم اسے قتل کر ڈالو گے۔ لیکن تم اس کام پر آمادہ ہو۔ اب میں کسی اور کو تمہاری بجائے تیار کروں گا۔

یہ کہتے ہوئے تھیوڈوس اٹھ کھڑا ہوا۔ مارقوس نے جلدی سے کہا "مجھے منظور ہے۔ جب حضور کی توجہ ہوگی۔ تو یقیناً میں بامراد ہوں گا۔"

تھیوڈوس خوش ہو گیا۔ اس نے کہا، غنیمت ہے کہ تم نے وقت پر سمجھ لیا۔ آج تیاری کر لو۔ کل جنگ پھر ہوگی۔"

مارقوس: بہتر ہے۔

تھیوڈوس چلا گیا۔ اور مارقوس بیٹھ کر بحر فکر و غم میں غوطے کھانے لگا۔

متفقہ فیصلہ کا احترام

مسلمانوں کو تعجب تھا کہ عیسائی اب بھی مسلمانوں سے تگنے زیادہ ہیں۔ لیکن میدان جنگ میں نہیں آتے۔ یہ بات تو ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ کہ وہ مسلمانوں سے ڈر گئے ہیں۔ البتہ انہوں نے یہ ضرور خیال کیا کہ وہ کسی مکر و فریب کی فکر میں ہیں۔ وہ بھی ہر وقت ہوشیار رہنے لگے تھے۔

یہ بات عیسائی لشکر کو معلوم ہو گئی تھی کہ زویلہ کا حکمران ارسانوس بھی کچھ لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے ہمراہ ہے۔

عیسائی لوگ اسے اور اس کے سپاہیوں اور افسران کو ملک و ملت فروش کہتے ہیں۔ ارسانوس کے ساتھی کچھ زیادہ نہ تھے۔ دوسرے ان کا لباس عام افریقی عیسائیوں سے کچھ الگ ہی تھا۔ اس

لیے مسلمان انہیں پہچانتے تھے۔

ایک روز سرور اپنے جائے قیام سے سالارِ اعظم حضرت عبداللہ بن سعد کے خیمہ کی طرف جا رہے تھے۔ کہ انہیں دو عیسائی کچھ مشتبہ حالت میں کھڑے ہوئے تھے۔ نظر آئے۔

سرور نے عربی زبان میں ان سے دریافت کیا، "تم کون ہو؟"

وہ دونوں عیسائی عربی جانتے تھے۔ انہوں نے سرور کو کچھ خوف زدہ نگاہوں سے دیکھا۔ اور ان میں سے ایک شخص نے کہا، "ہم زویلہ کے باشندے ہیں۔"

سرور کھٹک گئے۔ انہیں اطمینان ہوا۔ انہوں نے کہا، "لیکن یہ تمہارا لباس زویلہ والوں سے الگ ہے۔"

ان دونوں عیسائیوں نے اپنے لباس پر نظر ڈالی۔ حقیقت میں ان کا لباس زویلہ والوں سے مختلف تھا۔ اور سبیطلہ والوں سے ملتا تھا۔ ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ لیکن اس پر بھی ان میں سے ایک شخص نے کہا، "ہماری وردیاں خراب ہو گئی تھیں۔ اور اس لیے ہم نے دو مردہ سپاہیوں کی پوشاک اتار کر پہن لی ہے۔"

سرور نے ان کے کپڑوں پر غور سے نگاہ ڈالتے ہوئے کہا، "مگر مقتول عیسائیوں کے لباس خون کے دھبے ہوتے اور تمہارے لباس پر نہیں ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟"

اب عیسائیوں کے چہروں کی رنگت اور بھی فق ہو گئی۔ اور سراسیمہ نظر آنے لگے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سرور کو شبہ ہوا کہ وہ جاسوس ہیں۔ مگر محض شبہ کی بنا پر انہوں نے انہیں گرفتار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے کہا، "اچھا تم لوگ ارسانوس کے پاس چلو۔"

ارسانوس کا نام سنتے ہی دونوں عیسائیوں کا خون خشک ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ مگر سوائے تعمیل حکم کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ دونوں سرور کے ساتھ ہو لیے۔ اور سرور انہیں ساتھ لے کر ارسانوس کے خیمہ پر پہنچے۔

ارسانوس سرور سے خوب واقف ہو گیا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ سرور نے دونوں عیسائیوں کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا، "کیا یہ عیسائی تمہارے لشکری ہیں؟"

ارسانوس نے انہیں غور سے دیکھ کر جواب دیا، "جی نہیں۔ کیا یہ لوگ میرے سپاہیوں میں سے

ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں؟"

سرور: جی ہاں۔

ارسانوس: تب یہ جاسوس ہیں جھوٹ بول کر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہیں۔

سرور: اچھا میں انہیں سالارِ اعظم کی خدمت میں لیے جاتا ہوں۔

ارسانوس: چلیے میں بھی چلوں۔

سرور اور ارسانوس دونوں عیسائیوں کو ساتھ لے کر چلے اور عبداللہ بن سعد کے خیمہ پر پہنچے۔ اس وقت وہ تنہا ہی اپنے خیمہ کے سامنے کمبل کے فرش پر بیٹھے تیروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے خندہ پیشانی سے ان لوگوں کا استقبال کیا۔ سرور نے کہا، "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یعنی تم پر سلامتی رحمت ہو اور خدا کی برکتیں نازل ہوں۔

عبداللہ نے سلام کا جواب دیا۔ سرور اور ارسانوس بیٹھ گئے۔ عیسائی کھڑے رہ گئے۔ عبداللہ نے سرور سے مخاطب ہو کر کہا "کیسے آئے۔ یہ دونوں عیسائی کون ہیں؟"

سرور نے جواب دیا "یہ جرجیر کے جاسوس ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے وہ تمام روئیداد سنا دی جس طرح انہوں نے انہیں پکڑا تھا۔ اور جو انہوں نے کہا تھا۔ عبداللہ غور سے سنتے رہے۔ سب کچھ سننے کے بعد انہوں نے کہا "عیسائیو! اقرار کرو۔ کیا تم واقعی جاسوس ہو؟"

ایک عیسائی نے کہا "ہمیں اعتراف ہے۔ کہ ہم جاسوس ہیں۔ لیکن اگر آپ ہماری جان بخشی کا وعدہ فرمائیں تو آپ کو ایک ایسی بات بتائیں۔ جو نہایت اہم ہے۔ اور جس کا معلوم کرنا آپ کے لیے ضروری بھی ہے۔"

عبداللہ: اگر کوئی ایسی بات ہو گی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کو رہا کر دوں گا۔ لیکن اس شرط پر کہ پھر تم جاسوسی نہ کرو۔

جاسوس: یہ بات ہمیں منظور ہے۔

عبداللہ: اچھا بتاؤ وہ کیا بات ہے؟

جاسوس: جرجیر نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کے ساتھ اپنی ناز آفرین بیٹی ریلین کی شادی کر دی جائے گی۔ چونکہ شہزادی نہایت ہی خوبصورت ہے اور

اس کے ساتھ شادی کرنے کی بڑے بڑے شہزادوں کو آرزو ہے۔ اس لیے تمام عیسائیوں میں ایک عجیب جوش و جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

ارسانوس نے کہا، یہ تو نہایت گہری چال چلی ہے جرجیر نے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کی پری زاد بیٹی پر ہر عیسائی مفتون و شیدا ہے شہزادی کو حاصل کرنے کے لیے ہر شخص اپنی جان لڑا دے گا۔

عبداللہ نے مسکرا کر کہا، یہ بڑی بے حمیتی کی بات ہے۔ کہ شہزادی کے ساتھ شادی کا لالچ دے کر عیسائیوں کو لڑنے مرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔ خدا بہتر کرے گا۔ (جاسوس سے مخاطب ہو کر کہا) چونکہ تمہاری اطلاع اہم ہے۔ اس لیے میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں، جاؤ میں نے تمہیں رہا کیا۔

جاسوس نے بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا۔ اور وہاں سے چلے گئے۔ سرور اور ارسانوس بھی چل دیے۔

اس روز جب عبداللہ عصر کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو ابن عمر، ابن عباس، ابن جعفر، حضرت حسن اور حضرت حسین ان کے پاس آئے۔ ابن عمر نے کہا، یا امیر دو جاسوس گرفتار ہو کر آج آپ کے سامنے پیش ہوئے تھے؟

عبداللہ: ہاں آئے تھے۔ اور انہوں نے ایک عجیب بات بتائی۔

ابن عباس: اور وہ عجیب بات یہ ہے کہ جرجیر نے اپنی حسین و جمیل بیٹی کی بابت اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا اس کے اس کی شادی کر دی جائے گی۔

عبداللہ: ہاں اس نے اپنے لشکر میں بھی اعلان کیا ہے۔

ابن جعفر: لیکن آپ نے اس بات کو اہمیت نہیں دی۔

عبداللہ: میں نے تو اسے بڑی مضحکہ خیز بات سمجھی ہے۔

حضرت حسن: میں بھی اس بات کو مضحکہ خیز اور انتہائی بے حمیتی پر محمول کرتا ہوں۔ جیسا یہ ملک عجیب ہے۔ ایسے ہی اس ملک کے عیسائیوں کی باتیں بھی عجیب ہیں۔ مگر آپ نے اس بات کی گہرائی پر نظر نہیں ڈالی۔ جرجیر کے اس اعلان سے عیسائیوں کا جذبہ جنگ کس قدر بڑھ گیا ہے۔

عبداللہ: میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ عیسائیوں کے دل بڑھانے کے لیے جرجیر نے ایسا اعلان کیا ہے۔

ابن عمر: یہ بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ اپنی نوعیت کا نہایت ہی نرالا اعلان ہے۔

عبداللہ: یہ سچ ہے لیکن آپ صاحبان نے اس بات کو کچھ اہم سمجھا ہے۔

ابن عباس: ہے ہی نہایت اہم بات۔

عبداللہ: بالکل خیال نہ کرو۔ خدا پر نظر رکھو وہ بہتر کرے گا۔

ابن جعفر: یہ ٹھیک ہے۔ مگر خدا نے ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ احتیاط اپنی چادر بناؤ۔

عبداللہ: بے شک ہمیں احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔

ابن عمر: کیا احتیاط کریں گے آپ۔

عبداللہ: جس قدر احتیاط جنگ کے میدان میں ممکن ہے کی جائے گی۔

حضرت حسن: لیکن ہم سب لوگ آپس میں یہ مشورہ کر کے آئے ہیں کہ آپ لڑائی کے وقت میدانِ جنگ میں نہ جائیں۔

عبداللہ نے حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا، یہ آپ صاحبان کا مشورہ ہے۔

حضرت حسن: جی ہاں۔

عبداللہ: لیکن مشورہ تو مناسب نہیں ہے۔

ابن عباس: کیوں مناسب نہیں ہے۔

عبداللہ: اگر میں ہاتھ پیر توڑ کر چھپ کر بیٹھ رہوں تو دنیا کیا کہے گی۔ اور جہاد کے ثواب سے بھی محروم رہ جاؤں گا۔

ابن عباس: جب میدانِ جنگ میں آپ موجود ہیں تو جہاد کے ثواب سے محروم نہ رہیں گے۔ رہا دنیا کا خیال اس کی پرواہ نہ کیجیے۔

عبداللہ: لیکن مجھے شرم آئے گی کہ خدا مجھے لڑنے والوں سے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھے۔ یہ بات تو میرے اور میرے خاندان کے لیے بڑی ہی سبکی کی ہوگی۔

ابن جعفر: مگر آپ از خود ایسا نہیں کر رہے۔ بلکہ ہم آپ کو مجبور کر رہے ہیں۔

عبداللہ: لیکن آپ ایسا مشورہ ہی مجھے کیوں دیتے ہیں۔

ابن عمر: اس لیے کہ جب عیسائیوں کو معلوم ہو گا کہ آپ میدانِ جنگ میں آئے ہی نہیں۔ تو

ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اور وہ مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

عبداللہ کچھ سوچنے لگے۔ ابن عباس نے کہا، ہم اس لیے آپ کو یہ مشورہ نہیں دے رہے ہیں۔ کہ آپ کو شہادت کے عظیم ثواب سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ میدانِ جنگ میں ہوں گے۔ تو عیسائی بڑے جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اور وہ آپ کو شہید کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اندیشہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصانِ عظیم نہ پہنچ جائے۔ اگر آپ میدانِ کارزار میں ہوں گے ہی نہیں تو نہ عیسائیوں میں جذبہ جنگ رہے گا۔ نہ وہ جان توڑ کر لڑیں گے اور نہ مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔"

عبداللہ: لیکن جب امیر المومنین کو یہ بات معلوم ہوگی تب وہ کیا کہیں گے۔

حضرت حسن: امیر المومنین نے یہ حکم دیا تھا کہ کثرت رائے سے جو بات طے ہو اس پر عمل کرنا۔ اور ہم سب نے اتفاق رائے سے یہ بات طے کی ہے کہ آپ میدانِ جنگ میں نہ نکلیں۔

عبداللہ: جب تو مجبوری ہے میں آپ کے متفقہ فیصلہ کا احترام کروں گا۔

ابن عمر: ہم اس لیے آئے تھے۔ خیال یہ ہے کہ کل عیسائی میدان میں نکلیں گے۔

عبداللہ: یہ ہی میرا بھی خیال ہے۔ اب تم سب آج ہی سے تیاری شروع کر دو۔

"بہتر ہے" سب نے کہا اور اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

باب ۱۸

گھمسان کی لڑائی

یہ بات تمام عیسائی لشکر میں مشہور ہوگئی۔ کہ شہنشاہ جرجیر اپنی حور جمال بیٹی شہزادی ہیلن کی شادی اس شخص کے ساتھ کریں گے جو مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لائے گا۔

ایک ادنیٰ سپاہی سے لے کر اعلیٰ افسر تک کے دلوں میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں اور ہر شخص نے اپنے دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ وہ شہزادی کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی کوشش کرے گا۔

اس اعلان یا منادی نے عیسائیوں میں بڑا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ پست ہمت اور بزدل بھی حوصلہ مند اور بہادر بن گئے۔

ہر شخص نے اپنے ہتھیاروں اور زرہ بکتروں کی دیکھ بھال شروع کر دی اور لڑائی کے لیے ہر ممکن تیاری کر لی۔

دوسرے روز علی الصباح ہی جرجیر کے لشکر میں ہل چل شروع ہوگئی۔ لشکری ضروریات سے فراغت کر کے مسلح ہونے اور میدانِ جنگ میں جانے لگے۔

ہر دستہ کا ہر سردار یہ چاہتا تھا کہ سب سے آگے اس کا دستہ اور وہ خود رہے۔ تاکہ بڑھ کر مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ سکے۔ انہوں نے نہایت حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنی صفیں مرتب کر لیں۔ میمنہ، میسرہ، ساقہ اور قلب قائم کر لیے۔ جرجیر بھی قلب میں آکھڑا ہوا اور اس کے پاس ہی اس کی حسین و جمیل بیٹی بھی گھوڑے پر سوار ہو کر آکھڑی ہوئی۔

اس وقت اس رشکِ قمر نے ہلکی گلابی پوشاک زیبِ تن کر رکھی تھی۔ جو فوجی قسم کی چست تھی۔ ایسی چست کہ اس کے سڈول اعضا نمایاں ہو رہے تھے۔ سینہ کا ابھار ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کی اس وردی میں ہیرے اور جواہرات کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ جو جھلملا رہی تھیں۔ ہاتھوں میں چاندی کی کنگنیاں

تھیں۔ جو بازوؤں تک تھیں۔ اور جن میں جواہرات نصب تھے۔ شانوں پر سونے کی زنجیریں تھیں۔ اور ان زنجیروں میں سینہ کی طرف سینہ بند اور پشت کی طرف پشت بند چاندی کے تھے۔ اور ان بھی جواہرات کے نقش و نگار ہو رہے تھے۔ سر کے گھونگریالے ریشم کے باریک لچھوں سے زیادہ ملائم سیاہ بال سرخ فیتہ میں باندھ کر اوپر سے زرنگار تاج اوڑھ لیا گیا تھا۔

وہ بھی مسلح تھی۔ اس کی پشت پر چھوٹی سی ڈھال تھی۔ ڈھال پر چاندی کا ترکش اٹک رہا تھا۔ جس میں تیروں کی گڈیاں رکھی تھیں۔ ڈاب میں چھوٹی سی تلوار پڑی تھی۔ رکاب دیوار میں نیزہ لگا ہوا تھا۔

وہ شہزادی تو تھی ہی لیکن اس وقت حوروں جیسی شان سے کھڑی تھی۔ اس کے تجلی جمال سے قرب و جوار میں روشنی پھیل رہی تھی۔

شہنشاہ اور شہزادی کے گرد شاہی رسالہ زرہ بکتروں پر ریشمی لباس پہنے نہایت شان سے کھڑا تھا۔

مسلمان نماز پڑھتے ہی میدان جنگ میں آ آ کر صف بستہ ہونے لگے۔ گذشتہ روز کی طرح آج بھی انہوں نے صف بندی کی۔ حضرت عبداللہ بن سعد اپنے خیمہ میں رہے۔ اور انہوں نے حبیب کو اسلامی علم دے کر اپنے بجائے قلب میں ٹھہرنے کے لیے بھیج دیا اور وہ سپہ سالار کے قائم مقام ہو گئے۔

عیسائی لشکر میں فوجی باجے سریلے انداز میں بجنے لگے۔ عیسائی بہادروں کے دلوں میں جوش و ولولہ کا طوفان امنڈ آیا۔ ہر شخص مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لینے کے لیے تیار ہو گیا۔

چونکہ اول روز لڑائی میں جرجیر دیکھ چکا تھا کہ تیس ہزار مسلمانوں نے ساٹھ ہزار عیسائیوں کا مقابلہ نہایت جی داری اور بڑی دلیری سے کیا تھا۔ اس لیے آج وہ اپنا تمام لشکر لے کر میدان جنگ میں نکلا تھا۔ صرف پانچ ہزار سپاہی کیمپ کی حفاظت و نگرانی کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے۔

شہزادی کے ساتھ اس کی سہیلیوں اور کنیزوں کی جماعت بھی آئی تھی۔ جو لشکر گاہ ہی میں شہزادی کے عالی شان خیمہ کے قریب دوسرے خیموں میں ٹھہری ہوئی تھی۔

شہنشاہ جرجیر نے اپنے سواروں اور افسروں کا جوش و خروش دیکھ دیکھ کر نہایت ہی مسرور اور محظوظ ہو رہا تھا۔ آج اس کے دل کو تسلی تھی۔ اور یہ اطمینان تھا کہ اس کے پرجوش سپاہی حملہ کرتے ہی مسلمانوں کے ٹکڑے اڑا ڈالیں گے۔

وہ خوب جانتا تھا کہ سپاہیوں کی اولوالعزمی اور جوش کی وجہ اس کا وہ اعلان تھا۔ جو اس نے اپنی پری زاد بیٹی ہیلین کو انعام میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔

جب کہ لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو کر حملہ کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس وقت تھیوڈوس پادریوں اور راہبوں کی جمعیت لے کر لشکر کے آگے آ گیے۔ بہت سے خادم ان مذہبی لوگوں کے آگے آگے آ رہے تھے۔ جو چاندی کی چھوٹی چھوٹی انگیٹھیاں ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے۔ اور ان انگیٹھیوں میں بخورات جل رہی تھیں۔ ان کی تیز خوشبو سے فضا مہک اٹھی تھی۔

یہ مذہبی جماعت لشکر کے آگے پہنچ کر رکی۔ تھیوڈوس نے اپنے دونوں ہاتھ اونچے اٹھا لیے تمام پادریوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اور وہ سب آہستہ آہستہ کچھ پڑھنے لگے۔

غالباً وہ مقدس انجیل کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ اصل انجیل کی نہیں۔ کیوں کہ وہ تو عرصہ ہوا گم ہو چکی تھی۔ بلکہ وہ انجیل جس کے حصے یوحنا اور پولوس نے لکھے تھے۔

کچھ دیر تک پڑھنے کے بعد انہوں نے رکوع کی شان سے اپنے سر جھکائے۔ اور لشکر کی طرف پلٹ اپنے داہنے ہاتھ اٹھا کر سپاہیوں کو برکت دی۔ اور وہاں سے داہنی طرف ہٹ کر کیمپ کی طرف چلے گئے۔

ان کے ہٹتے ہی جرجیر نے مارقوس کو بلا کر حکم دیا کہ لشکر کو حملہ کرنے کا اشارہ کیا جائے۔ چنانچہ سپہ سالار نے شاہی حکم کی تعمیل کی۔ لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ عیسائی سواروں کی صفیں کوہ شکن موجوں کی طرح بڑھیں انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے بھی بڑھنا شروع کیا۔

فریقین نہایت ضبط و انتظام، گرتیزی اور جوش و غضب کا طوفان دلوں میں لیے ہوئے بڑھ رہے تھے اور دونوں لشکروں کی پہلی صفوں والے جوانمردوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں۔ صاف و شفاف تلواریں آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہی تھیں۔

آخر بڑھتے بڑھتے دونوں لشکر ٹھہر گئے اور ٹھہرتے ہی نہایت زور، پھرتی کے ساتھ تلواریں چلنے لگیں۔ ہر شخص بڑی جانبازی سے لڑنے لگا۔ ایک دوسرے کو فنا کر ڈالنے کے لیے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ دھڑ زمین پر گر گر کر گھوڑوں کے

سموں سے پامال ہونے لگے۔ خون کی چھینٹیں اڑنے لگیں۔ مار کاٹ شروع ہوگئی۔ اور بہادر تلواروں کی رونمائی میں جان شیریں دینے لگے۔

مسلمان حسبِ عادت نہایت خاموشی مگر پورے جوش واستقلال سے لڑنے لگے تھے۔ وہ بڑی پھرتی اور نہایت قوت سے حملے کر رہے تھے۔ لیکن آج جس بہادری اور جس جوش سے عیسائی لڑ رہے تھے مسلمانوں نے اس سے پہلی جنگ میں انہیں اس طرح لڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

تمام مسلمان حیران تھے کہ آج عیسائیوں میں کیا جوش وجذبہ پیدا ہوگیا ہے اور کس چیز نے انہیں جوان ہمت بنا رکھا ہے۔ انہیں بالکل بھی علم نہیں تھا کہ پری پیکر ہیلین حسن و جمال کی سحر آفرینی کے ساتھ میدانِ جنگ میں کھڑی لڑنے والے جانبازوں کی شجاعت کا امتحان لے رہی تھی۔ اور اس کی موجودگی نے ہر سردار اور ہر افسر کے دل میں جانبازی کی روح پھونک دی ہے۔ جس سے ہر عیسائی مرنے اور مارنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ جرجیر کے اعلان کا حال عام مسلمانوں کو نہیں معلوم ہوا تھا۔

اگرچہ مسلمان نہایت جوش وخروش سے لڑ رہے تھے۔ اور کمال چستی سے حملے کر کر کے عیسائیوں کو قتل وپسپا کرنا چاہتے تھے۔ مگر عیسائی جیسے مرنے کے لیے آئے ہی نہیں تھے۔ آہنی پتلوں کی طرح نہایت پھرتی سے مسلمانوں کے وار روک روک کر خود بھی حملے کر رہے تھے۔ اور جس طرح مسلمان عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ اسی طرح عیسائی بھی مسلمانوں کو شہید کر رہے تھے۔

چونکہ فریقین جوش وغضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے اور جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا۔ جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ دونوں فریقین کی پہلی صفیں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو رہی تھیں۔

تلواریں اس پھرتی کے ساتھ اٹھ رہی تھیں کہ جھکتی ہوئی معلوم نہ ہوتی تھیں۔ بلکہ ایسا نظر آ رہا تھا جیسے تلواروں کا کھیت اگا ہوا ہے۔

عیسائیوں کی صفیں نہایت لمبی تھیں۔ ان کا میمنہ میسرہ کے کئی میل کے فاصلہ پر تھا مسلمانوں نے بھی اپنی صفیں اتنی ہی لمبائی میں پھیلا دی تھیں۔ جتنی لمبائی میں عیسائیوں کی پھیلی ہوئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج عیسائی بھی خوب داد شجاعت دے رہے تھے۔ بڑی دلیری اور نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ دانت بھینچ بھینچ کر حملے کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو قتل وپسپا کرنے کے

لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

لیکن مسلمان بھی مضبوط چٹانوں کی طرح جمے کھڑے تھے اور اسی طرح عیسائیوں کے حملوں کو روک رہے تھے۔ جس طرح سمندر کی ساحلی چٹانیں طوفانی موجوں کو روکتی رہتی ہیں۔

چونکہ آج متخاصمین نہایت جوش واستقلال سے لڑ رہے تھے۔ اس لیے باوجود ہولناک جنگ ہونے کے لوگ پھرتی اور تیزی سے نہ مر رہے تھے۔ بلکہ موت کی سرد بازاری تھی اور اس لیے جو دو دو صفیں صبح ہی سے مصروف جنگ ہوگئی تھیں۔ اس وقت جب کہ ایک تہائی دن چڑھ آیا تھا۔ وہی لڑ رہی تھی۔

عیسائی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو مارتے کاٹتے اور کچلتے ہوئے بڑھ کر ان کے سپہ سالار تک پہنچ جائیں۔ اور ان کا سر کاٹنے کے لیے قسمت آزمائی کریں۔

انہیں علم نہیں تھا کہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار میدان میں نکلے ہی نہیں۔ چونکہ اسلامی علم قلب لشکر میں لہرا رہا تھا اور عیسائی جانتے تھے کہ علم سپہ سالار ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ اور درمیانی صفوں کو چیر کر علم تک پہنچنے کی کوشش میں جانیں لڑائے دیتے تھے۔

رفتہ رفتہ فریقین کا جوش ہیجان میں آگیا۔ اور انہوں نے بہت بڑی قوت سے حملے کر کر کے صفوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ عیسائی مسلمانوں کی اور مسلمان عیسائیوں کی صفوں میں گھس گئے اور بڑی پھرتی سے جدال وقتال کرنے لگے۔ مسلمان اس فکر میں تھے کہ جو عیسائی مرنے کے لیے نہ بڑھے تھے۔ بلکہ مارنے کے لیے بڑھ آئے تھے۔ اس لیے نہ قتل ہوتے تھے اور نہ پیچھے ہٹتے تھے۔

مسلمانوں کو یہ دیکھ کر بڑا طیش آیا۔ انہوں نے سنبھل کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اس قوت اور پھرتی سے کہ عیسائی کچھ گھبرا گئے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی۔ اور وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے کے بجائے صرف مدافعت کرنے لگے۔

چونکہ عیسائی مسلمانوں میں زیادہ تعداد میں گھس آئے تھے۔ اس لیے ان کی کئی صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور جس قدر صفیں ٹوٹ گئی تھیں مسلمان ان تمام صفوں میں پہنچ گئے تھے۔ اور بڑی پامردی اور جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔

خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ سر اولوں کی طرح کٹ کٹ کر برس رہے تھے۔ دھڑوں پہ دھڑ

گر رہے تھے ۔ خون کے چشمے بہہ رہے تھے ۔ انسانی زندگیوں کی کوئی قدر و قیمت ہی باقی نہ رہی تھی ۔ بڑی بے دردی سے قتل ہو رہے تھے ۔

ابن عمر نہایت ہی دلیری اور بیباکی سے لڑ رہے تھے ۔ جس صف پر حملہ کرتے تھے ۔ اسے الٹ دیتے تھے ۔ جس گروہ پر ٹوٹ پڑتے اس کا تھراؤ کر ڈالتے تھے انہوں نے بے شمار عیسائیوں کو قتل کر ڈالا تھا لیکن ابھی تک ان کا جوش کم نہیں ہوا تھا ۔ نہ بازو سست ہوئے تھے ۔ بڑی ہی پھرتی سے حملے کر کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے جس طرف سے نکل جاتے تھے ۔ لاشوں پر لاش گراتے چلے جاتے تھے جو سامنے آ جاتا تھا اسے تہ تیغ کر ڈالتے تھے لیکن عیسائی بھی مرنے کے لیے اسلامی صفوں میں گھسے چلے آرہے تھے ۔ اور مسلمان خصوصاً ابن عمر انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے ۔

اب دوپہر ڈھل گئی تھی اور ظہر کا وقت آ چلا تھا ۔ لڑائی اب بھی اس زور شور اور جوش و خروش سے ہو رہی تھی ۔ جس طرح سے علی الصباح شروع ہوئی تھی ۔

اس وقت جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی ۔ اور مسلمان خاموشی مگر استقلال سے لڑائی میں مصروف تھے ۔ اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی ۔

اس آواز کو سن کر مسلمان اور عیسائی دونوں نہایت متحیر ہوئے اور نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے ۔

باب ۱۹

خون آشام جدال و قتال

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی پشت کی جانب غبار بلند ہوا اور جب غبار کے بادل چھٹے ۔ تو شیرانِ اسلام گھوڑے دوڑا کر آتے نظر آئے ۔ سب سے آگے ایک خوبصورت نوجوان اسلامی علم ہاتھ میں لیے تیزی سے دوڑے آرہے تھے ۔

مسلمانوں نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا ۔ وہ عبداللہ بن زبیر تھے ۔ مسلمان سمجھ گئے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی نے ان کی مدد کے لیے عین وقت پر لشکر بھیجا ہے ۔ اس لشکر کو دیکھ کر تمام مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی ۔ انہوں نے اسے غیبی امداد سمجھا ۔ چنانچہ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ بلند کیا ۔

عیسائی اس نعرہ کی آواز سن کر گھبرا گئے ۔ نیز جن عیسائیوں نے تازہ دم اسلامی لشکر کو آتے ہوئے دیکھا وہ سہم گئے اور خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے ۔

چونکہ عیسائی دیکھ رہے تھے ۔ کہ مسلمان جراُت سے مصروف جنگ تھے ۔ وہی ان کے قابو میں نہ آتے تھے ۔ نہ پیچھے ہٹتے تھے ۔ اور اسی وقت مزید ان کو امداد پہنچ گئی تھی ۔ اس لیے ان کا سارا جوش و ولولہ جاتا رہا تھا ۔ اور اب انہیں موت کی بھیانک شکل نظر آنے لگی تھی ۔

جب جرجیر نے نعرہ تکبیر کی آواز سنی تو اس نے اپنے رسالہ کے افسر سے کہا ، ”ذرا دریافت تو کرو ۔ مسلمانوں نے یہ نعرہ کس وجہ سے بلند کیا ہے ۔ صبح سے انہوں نے کوئی نعرہ نہیں لگایا تھا ضرور کوئی نئی اور خاص بات ہے ۔“

افسر دوڑ کر گیا ۔ اور ایک جاسوس کو بلا لایا ۔ جاسوس نے بادشاہ کے پاس آتے ہی کہا ، جہاں پناہ ! تازہ دم مسلمانوں کا لشکر آیا ہے ۔ مسلمانوں کو اس لشکر کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی ہے اور

انہوں نے خوش ہو کر اپنا قومی نعرہ بلند کیا ہے۔"

جرجیر نے دریافت کیا۔"کس قدر لشکر آیا ہے مسلمانوں کا؟"

جاسوس: شاید دس ہزار ہو گا۔

جرجیر کے چہرہ پر افسردگی چھا گئی۔ وہ متفکر و متوحش ہو گیا۔ ہیلن نے اسے فکرمند دیکھ کر پوچھا "ابا جان! مسلمانوں کا پہلا لشکر کس قدر تھا؟"

جرجیر نے جواب دیا "تیس ہزار۔"

ہیلن نے بھولے پن سے کہا "بس۔ پھر فکر کیا ہوا آپ کو۔ اب مسلمان چالیس ہزار ہو گئے ہیں۔ اور عیسائی ایک لاکھ کے قریب ہیں۔ بالکل فکر نہ کیجیے۔ عیسائی مسلمانوں کو کاٹ کر ڈال دیں گے۔"

جرجیر نے لمبا سانس بھر کر کہا "کاش ایسا ہی ہوتا۔ میری عزیز بیٹی۔ تو ان کم بخت مسلمانوں سے واقف نہیں ہے۔ پہلے میں بھی نہ جانتا تھا۔ یہ بڑے ہی جنگجو اور بہادر ہوتے ہیں۔ مرنا تو جانتے ہی نہیں۔ اگر میں پہلے سے یہ بات جانتا تو مصر و شام پر چڑھائی کا ارادہ ہی نہ کرتا۔ میں نے خود اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماری ہے خود مسلمانوں کو اعلانِ جنگ دیا ہے اور خود ہی یہ مصیبت مول لی ہے۔ اب دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔ یہ تو سچ کہہ رہی ہے کہ چالیس ہزار ایک لاکھ کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان انسان نہیں ہیں۔ عیسائی ان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔ کیا تو دیکھ نہیں رہی ہے کہ صبح سے وہ کس جوش و خروش اور دلیری سے لڑ رہے ہیں اب انہیں مدد پہنچ گئی ہے۔ ان کے دل بڑھ جائیں گے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش اور جرأت سے لڑیں گے۔"

ہیلن: لڑنے دیجیے۔ عیسائی بھی بزدل نہیں ہیں۔ یقین ہے ہزیمت مسلمانوں ہی کو ہو گی۔

جرجیر: خداوند تیری زبان مبارک کرے۔

اس عرصہ میں نیا اسلامی لشکر میدان کارزار کے قریب آ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں نے دور ہی سے جنگ ہوتے دیکھ لی تھی کیونکہ تمام سواروں نے بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے میں تلواریں لیے ہوئے تھے اور حملہ کرنے کے ارادہ سے گھوڑے دوڑائے جھپٹے آ رہے تھے۔

ان نو واردوں نے آتے ہی نہایت شدت سے حملہ کر دیا۔ وہ عیسائی صفوں کے سامنے پھیل گئے۔ اور بڑے ہی جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ ان کی مجلا اور مصفا تلواریں چشم زدن میں دشمنوں کے

خون سے رنگین ہو کر خون کی بارش کرنے لگیں۔

انہوں نے نہایت پھرتی اور زور و قوت سے حملے کر کر کے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہر مجاہد اس طرح دشمنوں پر ٹوٹ کر گرا۔ جیسے وہ خونریزی کا بڑا ہی حریص ہو اور اسے خوف ہو کہ کہیں عیسائیوں کا جلد خاتمہ نہ ہو جائے اور وہ انہیں قتل کر کے دلوں کے حوصلے نہ نکال سکے۔

عیسائی بھی مقدور بھر جد و جہد کر رہے تھے۔ لیکن دفعتہً ان کی حالت میں نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی تھی یا تو ابھی تک بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی صفیں توڑ کر ان میں گھس جاتے تھے۔ یا اب وار روکنے اور جانیں بچانے کی سعی کرنے لگے تھے۔

پھر بھی چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لیے ڈٹے ہوئے تھے۔ اور مسلسل جدال و قتال میں مصروف تھے۔

لیکن مسلمانوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان کے حوصلے پست ہونے لگے ہیں۔ اب ان حملوں میں وہ گرما گرمی نہیں ہے چنانچہ مسلمانوں نے ہر محاذ پر سنبھل کر نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اور جلدی جلدی تلواروں پر تلواریں مارنی شروع کر دیں۔ بڑھ بڑھ کر اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے دشمنوں کے سر اڑانے لگے۔

ادھر تازہ وار لشکر نے عیسائیوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔ ورجس مسلمان کے جو عیسائی سامنے آ گیا عام طور پر اس سے کہ وہ سپاہی تھا یا افسر قتل کر ڈالا گیا۔

عیسائی یہ کیفیت دیکھ کر اور بھی متوحش ہو گئے۔ چونکہ ہر طرف تلواریں ہی تلواریں نظر آ رہی تھیں۔ اور سر ہی سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس لیے عیسائیوں کو ہر چیز میں موت کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اور اس سے ان کے بہادر دلوں میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

اب نہ ان میں پہلا سا جوش باقی رہا تھا نہ حوصلہ اور نہ استقلال وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح جنگ بند ہو جائے۔ اور وہ جانیں بچا کر لے جا سکیں۔

لیکن ابھی تک ان کا شہنشاہ جرجیر اور اس کی پری زاد بیٹی ہیلن میدان جنگ میں کھڑے لڑائی کو دیکھ رہے تھے۔ نیز ابھی تک تمام لشکر نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی۔ اس لیے انہیں پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔

وہ آگے بڑھ کر اس امید و تمنا میں آئے تھے کہ مسلمانوں کی صفوں کو توڑ کر ان کے سپہ سالار کو

قتل کر ڈالیں گے۔ اور ان میں سے کوئی ایک حسن و جمال کی ملکہ شہزادی ہیلن سے شادی کر لے گا۔

لیکن اب جب کہ انہوں نے موت کی گرم بازاری دیکھی تو پچھتانے لگے۔ کہ کیوں ایک حسین و جمیل لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا۔ جس جوش و جذبہ سے اس وقت مسلمان جنگ کر رہے تھے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاتا تھا کہ انہوں نے تمام عیسائیوں کو قتل کر ڈالنے کا عزم صمیم کر لیا ہے۔ اور وہ تہیہ کر چکے ہیں کہ ایک دشمن کو بھی زندہ بچ کر نہ جانے دیں گے۔ اس لیے عیسائیوں کا یہ خیال کر لینا کہ ان کی جانیں خطرہ میں ہیں کچھ بیجا نہ تھا۔

اس وقت ہر مسلمان اور ہر دستہ کا سردار نہایت ہی جانفشانی اور دلیری سے لڑ رہا تھا۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ سب سے زیادہ دشمنوں کو وہی قتل کرے چونکہ تمام مسلمانوں میں ایک ہی جذبہ کام کر رہا تھا اس لیے ان کی تلواریں پھرتی سے اٹھ اٹھ کر دشمنوں کا صفایا کر رہی تھیں۔

ابن زبیر نے آتے ہی کچھ ایسے ہی جوش و غضب سے حملہ کیا اس صف کو جس پر وہ حملہ آور ہوئے الٹ دیا۔ روسیوں عیسائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ کئی افسروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چونکہ ان کی فوج اِدھر اُدھر بکھر گئی تھی۔ اس لیے ان کے ساتھ صرف پانچ سو سواروں کا دستہ رہ گیا تھا۔ اور یہ پانچ سو سوار ہی اسی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جس طرح سے خود ابن زبیر جنگ کر رہے تھے اور انہوں نے صف کو توڑ پھوڑ کر دوسری پر حملہ کر دیا تھا۔

عیسائی ان شیران اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے جس قدر ان کی طاقت اجازت دیتی تھی جدوجہد کر رہے تھے۔ لیکن ان کے بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ وہ ڈھالوں پر مسلمانوں کو آہن شگاف تلواروں کو روکتے تھے لیکن ان کی تلواریں ان کی ڈھالیں پھاڑ کر ان کے سر و شانوں کو کاٹ جاتی تھیں۔ اور اس طرح ان کی ڈھالیں بھی ان کی حفاظت کرنے سے قاصر تھیں۔

نہایت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ جس طرف بھی نظر جاتی تھی۔ سر اچھلتے، خون کا فوارہ ابلتے اور لاشوں پر لاشیں گرتی نظر آ رہی تھیں۔

عیسائیوں کے ہاتھ تو بہت کم چل رہے تھے اور اگر چلتے بھی تھے تو ڈھالیں اٹھا کر حفاظت کرنے کے لیے لیکن شور بہت زیادہ کر رہے تھے۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ گویا اپنی کریہہ آوازوں سے مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔

ان کے شور سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ نہ صرف میدان جنگ ہی بلکہ دور دور تک آواز پہنچ رہی تھی۔

آج مسلمان کچھ ایسے مصروف جنگ رہے کہ ظہر کا وقت آیا اور گذر بھی گیا لیکن انہیں نماز پڑھنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ یا یہ ممکن ہے کہ جنگ کی مصروفیت نے وقت کا اندازہ ہی نہ کرنے دیا ہو۔

اس وقت دو تہائی دن ختم ہو چکا تھا۔ اور صرف ایک تہائی بلکہ اس سے بھی کم باقی رہ گیا تھا لیکن لڑائی کا زور اس وقت سب اوقات سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جانباز نہایت جوش اور جرأت سے لڑ رہے تھے۔ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ اور لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

آخر جب چار گھڑی دن باقی رہا تب جرجیر نے مارقوس کو طلب کر کے کہا تمام دن لڑائی ہوتے گزر گیا ہے۔ اب جنگ بند ہونا چاہیے۔ لشکر کو واپسی کا اشارہ کرو۔

مارقوس نے کہا "بہتر ہے جہاں پناہ" اور وہاں سے چلا گیا۔

آج اگرچہ تمام عیسائی لشکر میدانِ جنگ میں صف بستہ ہو گیا تھا لیکن شریک جنگ نہ ہو سکا تھا صرف دو تہائی لشکر لڑتا رہا تھا کیونکہ ان تک جنگ کی چنگاریاں نہ پہنچ سکی تھیں۔

مارقوس نے سوار دوڑا کر لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ جوں ہی عیسائیوں نے سنا ان کی جان میں جان آ گئی اور وہ نہایت انتظام اور اہتمام سے اس طرح واپس ہوئے۔ جس سے مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ وہ شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں۔

مسلمان بھی سارا دن لڑتے رہنے کی وجہ سے کچھ مضمحل ہو گئے تھے۔ انہوں نے بھی ان کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پیچھے ہٹتے ہی خود بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ اس طرح یہ دوسرے دن کا معرکہ بھی بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔ اور فریقین اپنے اپنے کیمپ میں پہنچ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں عیسائیوں کی طرف سے کئی ہزار سپاہی مردوں اور زخمیوں کو اٹھانے کے لیے آئے۔ اور تمام میدان جنگ میں پھیل کر اپنے آدمیوں کو اٹھانے لگے۔

مسلمانوں نے سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ پہلے ظہر کی پھر عصر کی اور پھر کچھ ستو اور کھجوروں کا ناشتہ کیا اور پانچ سو سپاہی میدان کارزار میں شہیدوں اور زخمیوں کو اٹھانے کے لیے پہنچ گئے۔

آج کی جنگ میں تقریباً تیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ تین ہزار شدید زخمی ہوئے اور پانچ ہزار کے معمولی زخم آئے۔ گویا دو یوم کی لڑائی میں پچاس ہزار عیسائی مارے گئے تھے اور چودہ ہزار زخمی ہو گئے تھے۔ آج بھی مسلمان تین سو تریپن شہید ہوئے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ سو شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ اور ڈھائی سو کے خفیف زخم آئے تھے۔ اس طرح پر اب تک مسلمان پانچ سو بیس شہید ہو چکے تھے اور چھ سو زخمی ہو گئے تھے۔

جب یہ تعداد عبداللہ بن سعد سپہ سالار کو معلوم ہوئی تو انہیں بڑا رنج و قلق ہوا۔ اس زمانہ میں پانچ سو مسلمانوں کا شہید ہو جانا معمولی بات نہ تھی کیونکہ مسلمان پانچ ہزار غیر مسلموں پر بھاری ہوتے تھے۔ فوراً تمام مسلمانوں نے شہیدوں کی جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لیے عورتوں کو ہدایت کر دی گئی۔ انہوں نے مغرب کی نماز سے پہلے ہی سب کی مرہم پٹی کر دی۔

جب دن چھپ گیا تب مغرب کی اذان ہوئی اور مسلمان جوق در جوق نماز پڑھنے کے لیے چل پڑے کسی خدا کے بندے کو یہ خیال نہ ہوا کہ وہ تمام دن جنگ کرنے کی وجہ سے تھک گیا ہے۔ کچھ دیر آرام کر کے نماز پڑھے۔ حتیٰ کہ زخمیوں نے بھی وضو کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ یہ تھا انہیں نماز کا شوق و شغف۔

باب ۲۰

ایک اور اعلان

جس وقت جنگ ملتوی ہو گئی تھی اور مسلمان میدان جنگ میں واپس لوٹ رہے تھے۔ تو ابن زبیر اس جگہ پہنچے جہاں اسلامی علم تھا۔ غالباً وہ امیر عسکر سے ملنا چاہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے بجائے عبداللہ بن سعد سپہ سالار اعظم کے خبیب کے ہاتھوں میں علم دیکھا تو کچھ متفکر و متوحش ہو گئے انہیں خیال ہوا تو سپہ سالار خدانخواستہ شہید ہو گئے ہیں۔ یا بیمار ہیں اور اس لیے خبیب کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔

یہ بات ان کے وہم و گمان میں نہ آئی کہ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار تندرست ہوتے ہوئے شریک جنگ نہیں ہوئے۔

ابن زبیر نے خبیب کو سلام کر کے دریافت کیا "کیا امیر عسکر کی طبیعت کچھ خراب ہے۔"

خبیب نے جواب دیا "نہیں خدا کے فضل سے وہ تندرست ہیں؟"

اب ابن زبیر متعجب ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ تندرست ہیں..... ؟ پھر میدان جنگ میں کیوں نہیں آئے۔"

خبیب: اس کے متعلق ایک عجیب افسانہ سنو گے تم ابن زبیر لیکن یہ وقت اس کے سننے کا نہیں ہے۔

ابن زبیر نے حیرت زدہ ہو کر کہا "عجیب افسانہ"

خبیب: جی ہاں۔

ابن زبیر: آپ نے میرا شوق اشتیاق اور بڑھا دیا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت حال تو سنا دیجیے۔

خبیب: ہمارا خطہ یعنی سارا عربستان عشق محبت کے لیے بدنام ہے۔ لیکن افریقہ ہمارے ملک سے بھی سبقت لے گیا ہے۔

ابن زبیر نے اور بھی متعجب ہو کر کہا، "آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا تھا۔ امیر عسکر کو کہ وہ کیوں جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ آپ لگے عشق و محبت کی داستان سنانے"

خبیب نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، "ان کی عدم شرکت کی وجہ حسن و عشق ہے"

ابن زبیر: اچھا تو مختصر طور پر وہی سنائیے۔

خبیب: بات یہ ہے کہ افریقہ کے شہنشاہ کی ایک بیٹی ہے جسے اس قدر خوبصورت بتایا جاتا ہے کہ جو کوئی اسے ایک نظر دیکھ لیتا ہے۔ اس کا ہو رہتا ہے۔ غالباً تمام عیسائی اس پر فریفتہ ہیں۔ اور ہر شخص اس سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا۔ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ کر دی جائے گی۔

ابن زبیر نے کہا "واقعی عجیب داستان ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات کس قدر افسوسناک ہے کہ ایک مسلمان اور وہ بھی سالار اعظم عیسائیوں سے ڈر کر اور موت کے خوف سے گھبرا کر جہاد سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔ جہاں شہزادی کی شادی کی شرط عجیب اور غیرت و حمیت کے منافی ہے۔ وہاں مسلمانوں کے سپہ سالار کا خیمہ میں جا بیٹھنا بھی شرم و افسوس کی بات ہے"

خبیب: لیکن سالار اعظم نے خود ایسا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی اکثریت نے انہیں مجبور کر کے خیمہ نشین کر دیا ہے۔

ابن زبیر: خیر اس کے متعلق میں خود ان سے ہی گفتگو کروں گا"۔ لیکن اس روز وہ کچھ ایسے کاموں میں مصروف ہو نے کہ عبداللہ بن سعد نہ مل سکے۔ البتہ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھ کر کلام اللہ شریف کی تلاوت کے بعد وہ سالار اعظم کے خیمہ پر گئے۔ اور سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس وقت وہاں ابن عمر، ابن عباس، ابن جعفر، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بیٹھے تھے۔

ان سب نوجوانوں نے ابن زبیر کا نہایت جوش مسرت سے استقبال کیا۔ اور عبداللہ بن سعد بھی نہایت تپاک سے ملے۔ انہوں نے کہا، "آپ عین وقت پر میدانِ جنگ میں پہنچے۔ آپ کی آمد نے دشمنوں کو متوحش و متفکر کر دیا ہو گا"

ابن زبیر: بے شک ہمارے آنے سے ضرور عیسائیوں پر اثر ہوا ہو گا۔ میں بھی شوق شہادت اور جوش جہاد کے ہاتھوں مغلوب ہو کر دو منزلہ اور سہ منزلہ کر کے آیا ہوں۔

عبداللہ: کہیے امیر المومنین اور یثرب کے تمام لوگ اچھی طرح تھے۔

ابن زبیر: ہاں سب فضلہ تعالیٰ اچھی طرح تھے۔ امیر المومنین نے آپ کو سلام کہا ہے۔

عبداللہ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا انہیں خوش رکھے۔ نہایت نیک اور پرہیزگار بزرگ ہیں۔

ابن عمر: لیکن آپ کو تو انہوں نے روک لیا تھا۔ میں یہ سمجھا تھا کہ ان کا ارادہ آپ کو کسی اور مہم پر روانہ کرنے کا ہے۔

ابن زبیر: آپ نے ٹھیک سمجھا تھا۔ وہ سوڈان یا افغانستان پر لشکر بھیجنا چاہتے تھے مگر کچھ دنوں کے بعد ان کی رائے بدل گئی۔

ابن عمر: افغانستان میں وہ ایرانی پہنچ گئے ہیں۔ جو امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق خلیفہ دومؓ کے عہد میں ایران سے شکست کھا کر فرار ہوئے تھے۔ وہ افغانیوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کر رہے ہیں۔

ابن زبیر: جی ہاں خلیفہ سومؓ کو اندیشہ ہے کہ کسی وقت وہ اسلامی مقبوضات پر حملہ نہ کریں۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ افغانستان پر لشکر کشی کر کے اس خدشہ ہی کو مٹا دیں۔

حضرت حسن: لیکن شاید افریقہ کی مہم نے ان کے ارادہ کی تکمیل نہیں ہونے دی۔

ابن زبیر: یہی بات ہے جب اس طرف سے انہیں کوئی خبر نہ ملی۔ تو فکر مند ہو گئے۔ اور جو لشکر افغانستان پر روانہ کرنے کے لیے جمع کیا تھا۔ اسے اس طرف روانہ کر دیا ہے۔

عبداللہ: لیکن کاش وہ اس لشکر کو افغانستان ہی پر بھیج دیتے۔

ابن زبیر: ضرور بھیج دیتے۔ اگر آپ یہاں کے حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے۔

عبداللہ: مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں اس فکر میں رہا کہ جب تمام افریقہ فتح ہو جائے گا تب فتح کی خوش خبری کے ساتھ مال غنیمت اور قیدی دربار خلافت میں روانہ کروں گا۔

چونکہ اس زمانہ میں رسل و رسائل کے وسائل نہایت محدود تھے۔ سفر گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں پر کیا جاتا تھا۔ اس لیے ایک شہر کی خبر دوسرے شہر والوں کو مدت میں ملتی تھی۔ اور ایک ملک

سے دوسرے ملک میں دراز کے بعد ہی کسی بات کی اطلاع ہوا کرتی تھی۔

ابن زبیر نے کہا، اگر آپ زویلہ اور طرابلس کی فتح کی خبر روانہ کر دیتے تو انہیں تشویش نہ رہتی۔"

عبداللہ: بے شک مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اس میں بھی کوئی مصلحت خداوندی ہی ہوگی۔ آپ کا اس طرف آجانا اچھا ہی ہوا۔

ابن زبیر: یقیناً خدا کی مصلحت اس لشکر کو اس طرف لائی ہے لیکن یہ تو کیسے آپ جہاد کو چھوڑ کر خیمہ میں کیوں آ بیٹھے تھے۔

عبداللہ: امیر المومنین کے حکم کا احترام کرنے کے لیے۔

ابن زبیر: کیا خلیفۃ المسلمین نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ اس وقت جب کہ مسلمان جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود رہے ہوں خلوت گزیں ہو جائیں۔

عبداللہ: نہیں۔ ان کا یہ فرمان نہ تھا لیکن یہ حکم ضرور تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت جس بات کو کہے وہ کروں۔ آپ نے شاید سنا نہیں کہ مسلمانوں نے کیوں مجھے خیمہ میں بیٹھے رہنے کے لیے مجبور کیا۔

ابن زبیر: سنا ہے۔ غالباً بادشاہ نے جو اپنی بیٹی کی شادی کے متعلق شرط کی ہے۔ آپ اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

عبداللہ: ہاں۔

ابن زبیر: مجھے افسوس ہے کہ عیسائیوں نے جو چال چلی اس کا جواب نہ دیا جا سکا۔

ابن عباس: بھائی ابن زبیر تم کل اس وقت آئے جب فریقین کے دم خم سارا دن لڑنے کی وجہ سے ختم ہو چکے تھے۔ اگر ذرا سویرے آجاتے تو معلوم ہوتا کہ عیسائی ایک شہزادی کے حصول کے لیے کس جوش و ولولہ کے ساتھ لڑ رہے تھے۔

ابن زبیر: ضرور لڑے ہوں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے شہزادی نہایت حسین ہے۔

عبداللہ: یہی میں نے سنا ہے۔ نہایت خوش رو ہے۔

ابن زبیر: مگر آپ نے وہ تدبیر کیوں نہ کی۔ جس سے خود بادشاہ کو میدان جنگ میں کھڑا رہنا دشوار ہو جاتا۔ اور خود ہی شاہی خیمہ میں جا چھپتا۔

سب ابن زبیر کی طرف حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ابن عمر نے دریافت کیا وہ تدبیر

کیا تھی۔

ابن زبیر: جس طرح بادشاہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ شہزادی کی شادی اس شخص سے کر دی جائے گی۔ جو مسلمانوں کے سپہ سالار کا سر کاٹ لائے گا۔ اسی طرح آپ یہ اعلان کر دیتے کہ شہزادی اس مجاہد کو بطور کنیز کے دی جائے گی۔ جو شاہ افریقہ کا سر کاٹ لے گا۔ آپ کے اس اعلان کو سن کر بادشاہ تھرا جاتا۔

ابن زبیر سے یہ بات سن کر تمام مسلمانوں کے دل و دماغ روشن ہو گئے۔ اس بات کا سب ہی کو افسوس ہوا کہ یہ معمولی سی بات پہلے سے کیوں ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ حضرت حسن نے کہا، واللہ خوب بات نکالی آپ نے۔ بے شک ہمیں یہی اعلان کرنا چاہیے تھا۔"

عبداللہ: حقیقت میں یہ بڑی غلطی ہوئی۔

ابن زبیر: اب بھی کیا بگڑا ہے۔ آپ منادی کرا دیں کہ جو مسلمان بادشاہ کو قتل کر ڈالے گا۔ اسے شہزادی کنیز کے طور پر دے دی جائے گی۔ اور ایک لاکھ دینار انعام میں ملیں گے۔

حضرت حسین: نہایت مناسب بات ہے۔ ضرور اس بات کی منادی کرا دینی چاہیے۔

ابن جعفر: آج عیسائی میدانِ جنگ میں نہیں آئے ہیں۔ غالباً یا تو آج آرام کرنا چاہتا ہے یا کسی اور فریب دہ کارروائی کی فکر میں ہیں۔

غرض کوئی وجہ ہے وہ آج لڑائی کو ملتوی رکھنا چاہیے۔ آپ اسی وقت بھائی ابن زبیر کے قول کے بموجب لشکر میں منادی کرا دیں۔

عبداللہ: میں بھی اس بات کو مناسب سمجھتا ہوں۔

چنانچہ اسی وقت اسلامی لشکر میں منادی کرا دی گئی کہ جو مسلمان شہنشاہ جرجیر کو قتل کر ڈالے گا۔ شہزادی ہیلن اس کے حوالے کر دی جائے گی۔ اور ایک لاکھ دینار انعام میں دیے جائیں گے۔

جوں ہی مسلمانوں نے اس منادی کو سنا اس بات کی داد دی کہ بادشاہ افریقہ کے اعلان کا جواب نہایت معقول طریقہ پر دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے بھی شہزادی کے حسن و جمال کی شہرت ہو گئی تھی خصوصاً اس وقت سے زیادہ شہرہ ہو گیا تھا۔ جب سے اس کے باپ نے اسے انعام میں دینے کا اعلان کیا تھا اور مسلمانوں کو اس کی خبر ہو گئی تھی۔

چونکہ اس روز عیسائی میدان میں نہیں آئے۔ اس لیے مسلمان بھی نہیں نکلے۔ اور وہ اپنے ہتھیاروں اور لباس کی درستی میں مصروف ہو گئے۔

باب ۲۱

نازونیاز

رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سرور زخمیوں کی مزاج پرسی اور تیمارداری کے لیے چلے۔ زخمیوں کے لیے سراپردہ کے قریب خیمے نصب کر دیے گئے تھے۔ جب ان خیموں میں عورتیں زخمیوں کی پٹیاں بدلنے یا انہیں کچھ کھانے پلانے کے لیے آتی تھیں تو مرد وہاں سے ہٹ جاتے تھے۔ اور جب وہ چلی جاتی تھیں تب مرد پہنچ جاتے تھے۔

عورتیں پردہ کا اہتمام کر کے آتی تھیں۔ اپنے جسموں پر اس طرح سے چادریں لپیٹ لیتی تھیں کہ سوائے آنکھوں اور ہتھیلیوں کے اور کوئی عضو نظر نہ آتا تھا۔ زخمیوں کے پاس آنے کے ان کے تین اوقات۔ ایک صبح کی نماز پڑھتے ہی، دوسرے دوپہر کو اور تیسرے رات کے وقت صبح کے وقت پٹیاں بدلتی تھیں۔ زخم دھو کر صاف کرتی تھیں، دوپہر اور رات کو کھانا کھلاتی تھیں۔

اکثر لوگ ایسے بھی زخمی تھے جن کے پاس غلام تھے۔ ان کی تیمارداری ان کے غلام کر رہے تھے اور وہ اپنے ہی خیموں میں مقیم تھے۔

جب سرور سراپردہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے بہت سے بچوں کو قرأت کے ساتھ قرآن شریف کی تلاوت کرتے سنا۔

معصوم بچوں کی خوش آئندہ آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ نغمہ سرود میں وہ دلکشی نہیں ہو سکتی تھی جو ان کی قرأت میں تھی۔ انہوں نے اپنی رفتار دھیمی کر دی اور غور و محویت کے عالم میں خدائے واحد و قدوس کا کلام سننے لگے۔

رات چاندنی تھی۔ آسمان پر ماہتاب نکلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی اور دلفریب روشنی آسمان سے زمین

تک پھیلی ہوئی تھی۔ کہ ارض پر سفید چادر سی بچھی ہوئی تھی۔ جس طرف نظر جاتی تھی نور کی بارش ہوتی معلوم ہوتی تھی۔

ہوا کے خفیف اور خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ جو سرور کی عبا کے لمبے لمبے دامنوں اور ڈھیلی ڈھیلی آستینوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

سرور کلام اللہ شریف سنتے چلے جا رہے تھے۔ جب وہ سراپردہ سے آگے بڑھ گئے اور فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے بچوں کی آوازیں کم کم آنے لگیں تب ان پر کیف کی جو حالت طاری تھی اس میں کمی آ گئی اور اب کی رفتار نسبتاً تیز ہو گئی۔ لیکن ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ سامنے سے ایک عورت چادر میں لپٹی ہوئی آتی نظر آئی۔ چونکہ وہ سراپردہ میں جانا چاہتی تھی اور راستہ اسی طرف سے تھا جس طرف سے یہ جا رہے تھے۔ اس لیے وہ انہیں کی طرف آ رہی تھی۔

سرور نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ذرا فاصلہ پر زخمیوں کے خیمے تھے۔ جو چاندنی کے پرتو سے سفید سفید چمک رہے تھے۔ اور خیموں تک میدان صاف پڑا تھا۔ کوئی آ جا نہ رہا تھا۔

سرور نے آنے والی عورت کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اور وہ وہیں سے کترا کر اس طرح چلنے لگے جس سے عورت ان سے فاصلہ سے گزر جائے۔

چونکہ عورت قریب آ گئی تھی۔ اس لیے سرور ذرا تیزی سے چلے۔ تاکہ وہ بے تکلف نکل جائے۔ بلکہ انہوں نے اس کی طرف سے پشت کر لی۔ اور قدرے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

مگر فوراً ہی انہیں اپنے پیچھے سے ہلکے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی۔ انہیں تعجب ہوا لیکن انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اور برابر چلتے رہے۔ خیال یہ ہوا کہ شاید عورت سے ان کا فاصلہ کم رہا ہے اور اس کے پیروں کی ہلکی آواز آ رہی ہے۔

لیکن ابھی وہ چند ہی قدم چلنے پائے تھے کہ کسی نے تحکمانہ لہجہ میں کہا، "اس طرح بچ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

یہ آواز نہ صرف کان آشنا تھی بلکہ دل و دماغ میں بسی ہوئی تھی۔ اس شیریں لہجہ میں کیف تھا جو اکثر انہیں بے خود کر دیا کرتا تھا۔ وہ فوراً پلٹے۔ دیکھا تو سامنے رشکِ قمر سلمیٰ کھڑی تھی۔

اس وقت اس نے چادر اپنے جسم سے اتار کر ہاتھ میں لے لی تھی۔ سرور اس پیکرِ جمال کو دیکھ کر

خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا "اچھا یہ تم تھیں سلمیٰ؟"

یہ کہتے ہی ان کی نگاہیں سلمیٰ کے نرم و نازک گلابی رخساروں پر جم کر رہ گئیں۔ آنے والی عورت عرب کی حسین و جمیل دوشیزہ سلمیٰ تھی۔ اس کی صورت چاند کی ٹھنڈی نورانی کرنوں سے جگمگا رہی تھی۔ گلابی چہرہ کی رنگت شاداب پھولوں کی طرح دمک رہی تھی۔ سرگیں بڑی بڑی آنکھیں بجلیاں برسا رہی تھیں مگر اس گوری اور چوڑی پیشانی پر شکن تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ عربدہ جو کچھ کبیدہ خاطر ہے۔ اس نے کہا "شکر ہے آپ نے پہچانا تو سہی!"

سرور نے اس قدر نرم لہجہ میں جو عاجزی کی شان لیے ہوئے تھا کہا "میں پہچانتا کیسے آپ کو آپ تو چادر میں لپٹی ہوئی تھیں؟"

سلمیٰ: مگر میں نے تو سنا ہے کہ جاننے والے لوگ رفتار سے پہچان لیا کرتے ہیں۔

سرور: یہ درست ہے مگر سلمیٰ۔ میں نے یہ خیال کیا کہ کوئی خاتون آ رہی ہے چونکہ غیر عورت کی طرف دیکھنا گناہ ہے اس لیے........

سلمیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "بس رہنے دیجیے۔ اس بات کو میں خوب جانتی ہوں؟"

سرور کی نگاہیں اب تک اس کے رخ روشن پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا "آپ کیا جانتی ہیں؟"

سلمیٰ "اب کہلوانا ہی چاہتے ہیں آپ؟"

سرور: ضرور کہیے۔

سلمیٰ: شہزادی کو کس نے دیکھا تھا بھلا۔

سرور: شہزادی بے نقاب بھرے دربار میں بیٹھی تھی۔ اور لوگوں کے ساتھ اس پر بھی نظر پڑ گئی۔ مگر ایک نظر دیکھنے کے بعد قسم لے لو۔ جو دوبارہ دیکھا۔

سلمیٰ: خیر ہو گا۔ یہ کہیے آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟

سرور: جہاں سے تم آ رہی ہو۔

سلمیٰ: آپ سیدھی طرح جواب بھی نہیں دیتے نہ دیجیے۔

یہ کہتے ہی اس نے عجیب دلفریب انداز سے اپنے تن نازک کو جھٹکا دیا۔ اور گھوم کر سراپردہ کی طرف چلی۔

سرور سمجھ گئے کہ وہ حور وش ان سے خفا ہو گئی ہے۔ ان کی جان نکل گئی۔ انہوں نے عاجزی سے کہا..... کہ ذرا ٹھہرو سلمیٰ۔ خفا ہو کر نہ جاؤ۔ تم نہیں جانتی ہو کر تمہاری خفگی میرے لیے کس قدر سوہان روح ہوتی ہے۔"

سلمیٰ کا پتھر دل پسیجا۔ وہ ٹھٹکی۔ سرور کی طرف پلٹی اور بولی "جب آپ سیدھی طرح بات ہی نہیں کرتے پھر مجھے روکنے اور ٹھہرانے سے کیا حاصل۔"

سرور نے اس کے پاس جاکر کہا "غلطی مجھ سے ہو ہی جاتی ہے۔ میں تمہارے مزاج کو جانتے ہوئے بھی تمہیں خفا کر دیتا ہوں۔ آئندہ گفتگو کرتے وقت احتیاط رکھا کروں گا سلمیٰ۔"

سرور کے اس طرز گفتگو نے سلمیٰ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اس نے کہا "نہیں آپ کی غلطی نہیں ہے قصور میرا ہے۔ میرے حسن اخلاق کی سب تعریف کرتے ہیں۔ بات بھی یہی ہے کہ میں سب کے ساتھ خلق سے پیش آتی ہوں۔ مگر مجھے شرم و ندامت سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے ساتھ..............

کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ انشاءاللہ ایسا موقعہ نہ آنے دوں گا۔

سرور: یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس ہوا۔

سلمیٰ نے مسکرا کر کہا "آپ ایسا ہی سمجھیں۔"

اس کے مسکرانے سے سرور کو جرأت ہوئی۔ انہوں نے کہا "میں جانتا ہوں تم کیوں مجھ سے برہم ہو جایا کرتی ہو۔"

سلمیٰ نے ہوش ربا نگاہیں ان کی نگاہوں میں ڈال کر دریافت کیا "کیا جانتے ہیں آپ؟"

سرور نے جواب دیا "تم جانتی ہو کہ میں نے تم سے پیمان وفا کیا ہے۔ میں عہد کو نہیں توڑ سکتا۔"

سلمیٰ نے شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "مگر منع کس نے کیا ہے آپ کو پیمانِ وفا کا مطلق خیال نہ کیجیے۔"

سرور: یہ شیوہ مردانگی نہیں۔

سلمیٰ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ہنسنے سے اس کے دانتوں کی ہموار موتیوں جیسی سفید لڑیاں نظر آنے لگیں۔ اور اس کے چہرہ پر نور کی لہریں دوڑنے لگیں۔

سرور نے دیکھا ان پر بے خودی سی طاری ہو گئی۔

شوخ سلمیٰ نے کہا "مجھے آج معلوم ہوا کہ آپ کو مردانگی کا دعویٰ بھی ہے۔"

سرور اس بت طناز کے روشن چہرہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا "یہ دعویٰ تو میں نے نہیں کیا۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں اور یہ تعلی نہیں ہے کہ بہادر سے بہادر دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا ہوں۔ چاہے کوئی کیسا ہی گرانڈیل ہو۔ آج تک کبھی کسی کا رعب میرے دل پر نہیں چھایا مگر جب تمہارے سامنے آتا ہوں تو دل دھڑکنے لگتا ہے۔ سیدھی طرح بات تک نہیں ہو سکتی۔"

سلمیٰ مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا "یا بات کرنی نہیں آتی۔"

سرور: اگر تم میرے ساتھ ہوتیں اور جس بیباکی سے میں نے افریقہ کے شہنشاہ جرجیر سے گفتگو کی ہے سنتی تو جانتی کہ میں بادشاہوں کے سامنے بھی باتیں کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ مگر تمہارے سامنے گھبرا جاتا ہوں۔

سلمیٰ نے نگاہ ناز سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا "کیوں گھبرا جاتے ہیں۔"

سرور: تم ملکہ حسن ہو۔ رعب حسن کچھ نہیں کہنے دیتا۔

سلمیٰ شرما گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا....."اب تو خوب باتیں بنانا آ گئی ہیں آپ کو۔"

سرور: اگر باتیں بنانی آ جائیں تو تم خفا نہ ہوا کرتیں۔ سلمیٰ بگڑا نہ کرو۔ ورنہ.....

سلمیٰ نے جلدی سے قطع کلام کر کے کہا "ورنہ آپ کسی وقت مجھ سے اس کا انتقام لیں گے۔"

چونکہ سلمیٰ عرب لڑکی تھی۔ دوشیزہ تھی۔ اس لیے وہ شرم و حجاب کے باعث صاف صاف یہ نہ کہہ سکی کہ جب ان کا عقد ہو جائے گا تب وہ کسر نکالیں گے۔ اس لیے اس نے ذرا لپیٹ سے یہ بات کہی مگر سرور نے سمجھ لیا۔ انہوں نے کہا "ناممکن ہے کہ میں کسی وقت بھی تم سے انتقام لینے کا خیال بھی کر سکوں۔"

سلمیٰ: نہیں۔ کان کھول کر سن لیجیے۔ آپ مجھ پر کسی وقت بھی حکومت نہیں کر سکتے۔

سرور: یہ بالکل سچ ہے۔ حسن ناز کرنے اور عشق ناز اٹھانے کے لیے ہی خلق ہوئے ہیں۔

سلمیٰ پھر شرما گئی۔ اس نے کہا "اچھا اب آپ شاعر بھی ہو گئے ہیں۔"

سرور: شاعری تو مجھے آتی ہی نہیں۔ سپاہی تلوار اٹھانا جانتا ہے۔ شاعری کرنا نہیں۔

سلمٰی: گویا آپ مجھ سے اپنی سپہ گری اور بہادری کی تعریف کرانا چاہتے ہیں۔

سرور: بالکل نہیں۔ بہادر تعریف سے مستغنی ہوتے ہیں۔

سلمٰی مسکرانے لگی۔ اس نے کہا، بہادر صاحب! میں نے سنا ہے کہ افریقہ کے بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ جو عیسائی مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کے ساتھ وہ اپنی لڑکی کی شادی کر دے گا۔"

سرور: ہاں اس نے یہی اعلان کیا ہے۔

سلمٰی: کیا یہ بات اس کی حمیت وغیرت کے خلاف نہیں ہے۔ کیا یہ اعلان کر کے اس نے اپنی بیٹی کو نیلام پر نہیں چڑھا دیا ہے۔

سرور: بے شک یہ صحیح ہے مگر عیسائیوں میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ معیوب نہیں سمجھتے۔ ہر ملکے دہر رسمے۔ ان کے ملک اور ان کی معاشرت میں یہ بات کچھ قابل اہانت نہیں ہے۔

سلمٰی: مگر ایک خود دار انسان کس طرح اس بات کو گوارا کر سکتا ہے۔

سرور: میں نے کہا نا کہ جب وہ اس بات کو معیوب ہی نہیں سمجھتے تو گوارا اور ناگوار کا سوال ہی کیا ہے۔

سلمٰی: لیکن اس بات سے میں نے یہ بخوبی سمجھ لیا کہ شہزادی بہت زیادہ خوبصورت ہے اور اس کے حسن کی شہرت ساری عیسائی دنیا میں ہے۔

سرور: وہ خوبصورت بے شک ہے مگر تم جیسی حسین نہیں ہے۔

سلمٰی نے دلکش نگاہوں سے سرور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر آپ نے ایسی گفتگو کی۔"

سرور: سچ بات فوراً کہہ دینی چاہیے۔

سلمٰی بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے شوخی کے سے لہجہ میں کہا، کس قدر شریر ہو گئے ہیں آپ۔"

سرور اس کے رخ تاباں کو دیکھتے جا رہے تھے۔ انہوں نے کہا، ابھی آپ نہیں مانتی ہیں

لیکن اگر موقع آگیا تو میں اسے تمہارے سامنے لاکر دکھا دوں گا۔ کہ تم اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو۔

سلمٰی: توبہ میں آپ کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئی۔ ابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے اچھا سلام۔

سلمٰی نے یہ کہا اور وہاں سے کھسک کر تیزی سے سراپردہ کی طرف چل پڑی۔ کچھ دیر سرور کھڑے اس سیم تن کو دیکھتے رہے جب وہ دور نکل گئی تب وہ بھی زخمیوں کے خیمہ کی طرف چل پڑے۔

ہولناک خواب

جرجیر کو معلوم ہوگیا تھا کہ دو روز کی لڑائی میں تقریباً پچاس ہزار عیسائی مارے جا چکے ہیں اور چودہ ہزار زخمی ہوگئے ہیں۔ اسے اپنے اتنے سپاہیوں کے مارے جانے سے بڑی فکر و تشویش لاحق ہوگئی تھی اور احتمال ہونے لگا تھا کہ اگر عیسائی اس طرح قتل ہوتے رہے تو فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

کبھی کبھی اسے اپنی اس حماقت کا بھی احساس ہوتا تھا کہ اس نے بلاوجہ مسلمانوں پر یورش کرنے کا ارادہ کر کے اس مصیبت کو مول لیا۔ ایک زمانہ میں جس شد و مد کے ساتھ اس کے دل میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تمنا پیدا ہوئی تھی۔ اسی طرح اب صلح کرنے کی آرزو پیدا ہو رہی تھی۔ لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں نے وفد کے ذریعہ سے شرائط صلح اس کے پاس کہلا بھیجی تھیں۔

صلح کی شرطیں دو تھیں۔ ایک مسلمان ہو جانے کی اور دوسری جزیہ دینے کی۔ جرجیر ان دونوں شرطوں کو نہایت سخت اور ناقابلِ قبول سمجھتا تھا۔ وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی تیسری آسان شرط ایسی ہو جس پر صلح کر لینے میں نام و ننگ پر دھبہ نہ لگے۔

مگر وہ اس بات کو بھی خوب جانتا تھا کہ مسلمان صرف ایک مرتبہ ہی شرائط صلح پیش کیا کرتے ہیں بار بار نہیں۔ خواہ انہیں کتنا ہی نقصان اٹھانا کیوں نہ پڑے۔

اسے یہ قطعی امید نہ تھی کہ مسلمان پھر صلح کا پیغام بھیجیں گے اور اپنی طرف سے مصالحت کا سلسلہ شروع کرنا وہ اپنی شان و خودداری کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس نے اس سلسلہ کو شروع کیا تو مسلمان سمجھیں گے کہ وہ دب گیا ہے۔ اور

اس لیے ہرگز بھی صلح پر تیار نہ ہوں گے۔

جب دوسری جنگ کے روز وہ میدان جنگ سے لوٹ کر شاہی خیمہ میں پہنچا تو ساری رات اس فکر و تشویش اور غور و فکر میں کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند ہی نہ آئی۔ اسے رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا کہ اس نے جنگ کی ابتدا ہی کیوں کی کس لیے اپنے آرام و آسائش میں خلل ڈالا۔

پچھلی رات کو اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ شکار کے لیے مع حشم و خدم کے ایک ویرانہ میں جا رہا ہے۔ کچھ دور چلا تھا کہ ہرنوں کی ڈار ملی۔ اس نے اور اس کے لشکریوں نے ان بے زبان خوبصورت جانوروں کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیے۔

آفتاب نکلا ہوا تھا۔ دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آگے آگے ہرن بھاگ رہے تھے وہ اور اس کی شکاری جماعت جا رہی تھی۔ اس کی نظر ہرنوں کے اوپر لگی ہوئی تھی۔ دوڑتے دوڑتے ہرنوں کو جا لیا اور ان کے اور ہرنوں کے درمیان چند ہی قدم کا فاصلہ رہ گیا۔

یہ تمام واقعہ خواب میں پیش آ رہا تھا۔ اس نے تلوار سے ہرنوں کا شکار کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ تلوار میان سے نکالی۔ اور ان پر جھپٹا۔ اس وقت سب سے آگے وہی تھا۔ جوں ہی اس نے ہرنوں پر وار کرنے کا قصد کیا۔ دفعتہً ہرنوں نے شیروں کی صورت اختیار کر لی۔ وہ بے ضرر ہرن سے خونخوار شیر بن گئے۔ شیروں کو دیکھتے ہی اس کی روح خشک ہوگئی وہ پیچھے ہٹا اور مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو دیکھنے لگا۔ لیکن اسے بڑی حیرت اور بڑا خوف و فکر ہوا۔ جب اس نے اپنے ساتھیوں کو غائب دیکھا وہ سخت متوحش ہوا۔ مگر فوراً ہی اسے اپنی پری زاد بیٹی ہیلین گھوڑے پر سوار کھڑی نظر آئی جو اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔ اس نے نغمہ ریز لہجے میں کہا خوف نہ کیجیے۔ ابا جان یہ آپ کا کچھ نہیں کر سکتے۔

جرجیر نے جب شیروں کی طرف پلٹ کر نظر کی تو دیکھا وہ لوٹ کر اس کی جانب چلے آ رہے ہیں۔ اس کی روح خشک ہوگئی۔ اس نے گھوم کر اپنی بیٹی کو دیکھا اور کہنا چاہا کہ خونخوار شیر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہیلین بھی غائب ہوگئی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ اور اس نے گھوڑا لوٹا کر دوڑانا شروع کر دیا۔ مگر جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو شیر بھی جست لگاتے اس کے پیچھے ہی آ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی پسلیوں میں مہمیزیں گھسیڑ دیں۔ وفادار گھوڑا پوری تیزی

سے سرپٹ دوڑنے لگا۔ اور وہ سبزہ زار خطہ سے نکل گیا جس میں ہرنوں کی ڈار ملی تھی۔

اب وہ ایسے قطعہ زمین میں داخل ہوا جس کی رنگت گلابی تھی۔ زمین، گھاس، درخت، درختوں کے پتے، تنے، ڈالیاں غرض یہ سب چیزیں گلابی رنگ کی تھیں۔ آسمان کی طرف دیکھا تو وہ بھی گلابی تھا اس نے آج تک ایسا قطعہ زمین اور آسمان کا ایسا رنگ نہ دیکھا تھا۔ اور تو اور سفید دھوپ گلابی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اسے کمالِ حیرت ہوئی اور وہ اس گلابی خطہ کو طے کرنے لگا۔

اس نے پھر پلٹ کر دیکھا۔ شیر اس کے نہایت ہی قریب آگئے تھے۔ وہ دوڑا جا رہا تھا۔ سامنے ایک دریائے ذخار آگیا جس میں خون کی رنگت کا پانی بہہ رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ گھوڑے کو روکے مگر گھوڑا نہ رکا۔ اور زور میں دوڑ کر دریا میں جا گرا۔ بادشاہ کی چیخ نکل گئی۔ فوراً اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو کئی پرستاریں اِدھر اُدھر کھڑی خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی ہیں۔ دن نکل آیا تھا اور خیمہ کے اندر کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

مگر ابھی تک اس کے دل و دماغ پر اس خواب کا گہرا اثر تھا۔ جو اس نے دیکھا تھا۔ اس لیے وہ خاموش پڑا حسین کنیزوں کو دیکھ رہا تھا۔

ایک کنیز نے کہا، "شاید جہاں پناہ نے کوئی خوفناک خواب دیکھا ہے۔"

جرجیر نے جواب دیا، "ہاں تم دوڑ جاؤ۔ اور پہرہ والوں میں سے کسی سے کہو کہ وہ ذرا مارقوس اور محترم اسقف اعظم تھیوڈوس کو بلا لائے۔"

کنیز تعمیل حکم کے لیے چلی گئی۔ بادشاہ اٹھا اور ضروریات سے فراغت کر کے دوسرے خیمہ میں جا بیٹھا۔ وہ خاص خاص آدمیوں سے اسی خیمہ میں ملاقات کیا کرتا تھا۔ یہ خیمہ نہایت درجہ آراستہ تھا۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ ایک عیسائی بادشاہ کا خیمہ تھا۔ اس کی تزئین و ترتیب میں کوئی کسر باقی نہ رکھی گئی تھی۔

اسے اس خیمہ میں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ تھیوڈوس اور مارقوس کے آنے کی اطلاع ہوئی اس نے ان دونوں کو بلا لیا اور جب وہ بیٹھ گئے۔ تب جرجیر نے تھیوڈوس سے کہا، "محترم بزرگ میں نے رات ایک نہایت ہی ہولناک اور عجیب خواب دیکھا ہے۔"

تھیوڈوس نے کہا، "خواب۔ حضرت مسیح بہتر کریں گے۔ فرمایئے کیا خواب دیکھا آپ نے۔"

جرجیر نے نہایت تفصیل کے ساتھ اپنا خواب بیان کیا۔ اس خواب کے واقعات سن کر مارقوس اور تھیوڈوس دونوں بڑے حیران اور متفکر ہوئے۔ کچھ وقفہ کے بعد تھیوڈوس نے کہا، "خواب واقعی نہایت عجیب و غریب اور خوفناک ہے مگر آپ اس کا مطلق بھی خیال نہ کریں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ چونکہ کل دن میں آپ نے تمام جنگ کا تماشہ دیکھا تھا۔ خون کی دھاریں بہتے دیکھی تھیں۔ اس لیے وہی واقعہ کچھ الٹ پھیر کے ساتھ خواب میں نظر آگیا۔ خواب خیال ہی ہوتا ہے۔ سوتے وقت انسان جن بکھیڑوں میں مبتلا ہوتا ہے اکثر وہی خواب آتے ہیں۔ کیا آپ سونے سے پہلے مسلمانوں کے متعلق خیال نہیں کر رہے تھے؟"

جرجیر: میں رات ان منحوس مسلمانوں ہی کے خیال میں الجھتا رہا تھا۔

تھیوڈوس: تب کسی قسم کا خیال نہ کیجیے۔ وہی خیال وخواب کی صورت میں نظر آیا ہے۔

جرجیر: لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں مسلمان میرے لشکر کو شکست دے کر مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔

تھیوڈوس نے تسلی دہ لہجہ میں کہا، "ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ خدا اور خداوند آپ پر مہربان ہیں۔ فتح قریب ہے مطلق ایسا خیال نہ کیجیے۔"

جرجیر: پھر بھی میں دو روز کی لڑائی دیکھ کر یہ بات کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

تھیوڈوس نے جوش میں آ کر کہا، "کبھی ایسا نہ ہوگا۔ فتح عیسائیوں کی ہوگی۔ حضرت مسیح خود عیسائیوں کی مدد کے لیے آئیں گے۔

جرجیر: لیکن اب تک کیوں نہیں آئے۔

تھیوڈوس: ابھی عیسائیوں کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

جرجیر: حضرت ہم عیسائی ہیں۔ خدا اور اس کے بیٹے کو مانتے ہیں۔ ہمارا امتحان کیوں لیا جاتا ہے۔

تھیوڈوس: یہ رموز خداوندی ہے۔

جرجیر: مگر میں جب جنگ سے صلح کو اچھا سمجھتا ہوں۔

جب تھیوڈوس نے دیکھا کہ جرجیر جنگ سے گریز کرتا ہے۔ تو اس نے حکمت عملی سے کام

لینا چاہا۔ اس نے کہا، مگر صلح کس طرح ممکن ہے؟

جرجیر: اسی مشورہ کے لیے آپ دونوں کو بلایا ہے۔ مسلمانوں نے صلح کی دو شرطیں پیش کی تھیں۔

تھیوڈوس نے کلام کرتے ہوئے کہا، لیکن وہ دونوں شرطیں نہایت سخت تھیں۔ ایک خوددار انسان خصوصاً آپ جیسا باحمیت بادشاہ کبھی اور شرطوں میں سے کسی شرط کو قبول نہیں کر سکتا۔

تھیوڈوس نے یہ بات جلدی سے اس لیے کہی کہ اسے خوف ہوا کہیں جرجیر ان شرطوں میں سے کسی شرط کو ماننے پر تیار نہ ہو جائے۔

جرجیر نے کہا، آپ نے سچ فرمایا۔ وہ دونوں شرطیں ناقابلِ قبول ہیں۔ کوئی تیسری بات ایسی ہو جس سے مسلمان صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔"

افریقہ کا وہ شہنشاہ جو مسلمانوں کو فنا کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ جس کا ارادہ مصر و شام کو فتح کر لینے کا تھا۔ جو عرب پر بھی لشکر کشی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں کی دو ہی روز کی جنگ دیکھ کر صلح کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ مسلمان اب بھی اسکے لشکر کے تہائی ہی تھے۔

مارقوس نے کہا، میں نے جہاں پناہ سے زیادہ مسلمانوں کی لڑائی کا منظر دیکھا ہے۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی قوم مسلمانوں سے زیادہ جنگ کی شائق بے ڈر اور بہادر نہیں ہے۔ اگر جنگ جاری رہی تو خوف ہے کہ کہیں سارا لشکر ہی کٹ کر نہ رہ جائے۔ صرف دو روز کی لڑائی میں مسلمانوں نے پچاس ہزار عیسائی مار ڈالے اور چودہ پندرہ ہزار زخمی کر دیے۔ اس لیے صلح ہی کر لینی مناسب ہے۔ جو شرطیں مسلمانوں نے پیش کی تھیں۔ وہ تو قابل قبول ہی نہیں۔ مگر ایک یہ بات ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے سردار کو کسی لالچ میں پھانس کر صلح کر لی جائے۔"

جرجیر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، "یہ کمبخت مسلمان کسی لالچ میں تو نہیں آتے۔"

مارقوس، اگر جان کی امان ہو تو عرض کروں۔

جرجیر: بے دھڑک کہو۔

مارقوس: شہزادی کے حسن و جمال کی شہرت مسلمانوں نے بھی سن لی ہے۔ اگر حضور شہزادی کے عقد کا لالچ مسلمانوں کے سردار کو دیں تو وہ یقیناً صلح کر لے گا۔ اور اس طرح ملک کے سر سے آئی ہوئی بلا ٹل

جائے گی۔

جرجیر کچھ سوچنے لگے۔ تھیوڈوس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اس بات کو منظور نہ کر لے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزادی کی شادی کسی وحشی مسلمان کے ساتھ ہو اس لیے اس نے کہا "یہ بات بڑی بےغرتی کی بات ہو گی ایک شہنشاہ کے لیے یہ کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔"

جرجیر: ہاں میں بھی اسے سبکی طرح خیال کرتا ہوں۔

تھیوڈوس: مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہزادی کو حاصل کرنے کے لیے عیسائی بڑے جوش اور بڑی بہادری سے لڑے۔ آج آپ یہ اعلان کر دیں کہ کل شہزادی خود جنگ کرے گی۔ پھر دیکھیں عیسائی کس بے جگری سے لڑتے ہیں اور کس طرح مسلمانوں کو شکست دیتے ہیں اور حضرت مسیح نہ کریں کل بھی جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو کوئی اور تدبیر سوچی جائے گی۔ ابھی آپ کے پاس کافی لشکر موجود ہے۔

جرجیر: بہتر ہے۔ کل یہ بھی کر کے دیکھ لیا جائے۔

مشورہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے اعلان کرا دیا کہ کل وہ خود اور اس کی پری زاد مگر بہادر بیٹی ہیلین بھی جنگ کریں گے اور جو عیسائی جتنے مسلمانوں کو قتل کرے گا۔ اسے اتنے ہی دینار[1] انعام دیے جائیں گے اور جو مسلمانوں کے سردار کو مار ڈالے گا اس کی شادی شہزادی کے ساتھ کر دی جائے گی۔

عیسائیوں نے یہ منادی سنتے ہی جنگ کی تیاریاں از سرِ نو شروع کر دیں۔

---

[1] عربی مؤرخوں نے دینار لکھا ہے اور عیسائی مؤرخوں نے اشرفی لکھا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی سونے کا سکہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

باب ۲۳

خوف و مسرّت

دوسرے روز صبح ہوتے ہی عیسائی لشکر میں طبلِ جنگ بجنے لگے۔ عیسائی فوجوں میں ہل چل شروع ہوگئی۔ سواروں کے دستے میدانِ جنگ میں آآ کر صف بستہ ہونے لگے۔

چونکہ ہر عیسائی کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی۔ کہ آج حور وش شہزادی اور ان کا شہنشاہ بھی جنگ کریں گے اور جو عیسائی جتنے مسلمانوں کو قتل کر ڈالے گا۔ اسے اتنے ہی دینار انعام دیے جائیں گے اس لیے سابقہ سے زیادہ آج عیسائیوں میں جوش و خروش تھا۔ ہر سوار اور ہر سپاہی پیکرِ غیظ و غضب بن کر میدان میں اترا تھا۔

مارقوس اس کا بیٹا سلوانوس اور خود جرجیر پورے طور پر مسلح ہوکر آئے تھے۔ چونکہ آج بادشاہ بھی شریکِ جنگ ہونے والا تھا۔ اس لیے وہ بھی آلاتِ جنگ سے آراستہ ہوکر آیا تھا۔

آج سے پہلے وہ جب میدانِ جنگ میں آتا تھا تو زربفتی سائبان کے نیچے کھڑا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہٹا دیا گیا تھا۔

پیکرِ حسن و جمال شہزادی ہیلن نے آج چاندی کی زرہ بکتر پر گلابی ریشم کی پوشاک پہن رکھی تھی جس میں موتی اور جواہرات کی جھالریں گریبان سے لے کر دامنوں تک منہ بر ہنہ ٹکی ہوئی تھیں۔ اور سونے اور جواہرات کے زیور پہن رکھے تھے۔ سر پر ایک نہایت خوبصورت تاج تھا۔ جس میں ہیرے اور لعل جڑے ہوئے تھے۔

اس کے خوشنما لباس، لباس کے موتی اور جواہرات، زیورات اور تاج کے ہیرے اور لعل جگمگا رہے تھے اور ان سب نے مل کر اس کے صبیح، تمام اور صاف رخساروں اور گالوں کو شعلہ جوالہ بنا دیا تھا۔ اس کا چہرہ اس قدر روشن ہوگیا تھا کہ دیکھنے والے کی اس پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔

وہ پری رو بھی اس وقت مسلح تھی۔ اور بڑی لاپرواہی اور بڑے اطمینان کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر کھڑی مسلمانوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مارقوس سب سے اگلے دستہ میں تھا۔ سلوانوس شاہی مال کے قریب تھا۔ چونکہ شہزادی اسی کے قریب تھی۔ اس لیے وہ پھر پھر کر اس کے چاند سے چہرہ کو دیکھ لیتا تھا۔

مگر جس قدر دیکھتا تھا۔ اسی قدر ہوس دید اور بڑھتی تھی۔ کسی طرح تسکین ہی نہ ہوتی تھی۔

جب کہ عیسائی صف بندی کر رہے تھے۔ اس وقت مسلمان بھی مسلح ہونے لگے تھے۔ آج عبداللہ بن سعد اسلحہ لگا کر اور اسلامی علم ہاتھ میں لے کر میدان کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

اسلامی مجاہدین کے دستے آراستہ ہو ہو کر چلے جا رہے تھے۔ ابن زبیر بھی مسلح ہوگئے تھے۔ انہوں نے جب عبداللہ کو میدان کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ گھوڑا بڑھا کر ان کے پاس پہنچے۔ عبداللہ نے اپنا گھوڑا روک کر ان سے مخاطب ہوکر کہا، "کیا آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

ابن زبیر نے جواب دیا، "جی ہاں۔"

عبداللہ: "فرمائیے۔"

ابن زبیر: میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ آج آدھے لشکر سے عیسائیوں کا مقابلہ کیا جائے اور آدھا لشکر گاہ میں چھپا دیا جائے۔ جب دوپہر ہو جائے اور موقع بھی مناسب ہو تب وہ آدھا لشکر جو کمین گاہ میں چھپا ہوا ہو۔ وہ اچانک نکل کر حملہ کرے۔

عبداللہ: تدبیر تو نہایت مناسب ہے۔ بہتر ہے آپ میرا یہ حکم حضرت حسن اور حضرت حسین تک پہنچا دیں کہ وہ اپنے دستے لشکر گاہ ہی میں رکھیں اور اپنا دستہ بھی ان کے ساتھ رہنے دیں۔ اور جس وقت آپ موقع مناسب سمجھیں۔ کمین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیں۔

ابن زبیر نے کہا "بہت اچھا" اور چلے گئے۔ انہوں نے وہاں سے جاتے ہی امیر عسکر کے حکم سے مطلع کر دیا۔ دونوں وہ اور تیسرے ابن زبیر اپنے سواروں کے ساتھ لشکر گاہ میں ہی رہ گئے۔

عبداللہ نے میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی لشکر کو ترتیب دیا۔ میمنہ، میسرہ، ساقہ، قلب سب قائم ہوگئے۔ چونکہ آج نصف لشکر کیمپ ہی میں رہ گیا تھا۔ اس لیے خواتین عرب اور لشکر گاہ کی حفاظت کے لیے مزید لشکر نہیں چھوڑا گیا۔ سرور بھی میدان میں پہنچ کر میسرہ میں جا کھڑے ہوئے۔

جب فریقین لشکر کی ترتیب سے فارغ ہو چکے تب عیسائی فوجی باجے بجاتے اور شور کرتے بڑھے۔

چونکہ عبداللہ بھی چاہتے تھے کہ جنگ کا نتیجہ جلد نکل آئے اس لیے انہوں نے بھی اسلامی لشکر کو بڑھنے کا اشارہ کیا اور شیرانِ اسلام بھی جوش و خروش سے بڑھنے لگے۔

نہ تو عیسائیوں کو یہ علم تھا کہ امیر عسکر اسلامیہ نے کیا اعلان کیا ہے اور نہ مسلمانوں کو خبر تھی کہ افریقہ کے شہنشاہ جرجیر نے شہزادی ہیلن کی شادی کے علاوہ اور کیا اعلان کیا ہے۔

دونوں فریق بڑھ کر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ سیاہ ڈھالیں بلند ہوئیں اور کشت و خون شروع ہو گیا۔

چونکہ آج فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے جنگ شروع ہوتے ہی انتہائی سرگرمی۔ پھرتی اور دلیری سے لڑنے لگے۔ تلواریں اتنی جلدی جلدی اٹھ رہی تھیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا وہ جھک ہی نہیں رہی ہیں۔ اور جنگجو انہیں ہاتھوں میں لیے کھڑے ہیں۔ حالانکہ ہر سرفروش بڑی قوت وچستی سے لڑ رہا تھا۔

جنگ کی آگ اس تیزی سے بھڑکتی جاتی تھی۔ جیسے خس پوش گھروں میں آگ لگ کر تیز ہوا سے بجلی جیسے تیز رو کے ساتھ دوڑے۔ اور جو چیز بھی سامنے آجائے اسے جلانے لگتی ہے۔

صفوں پر صفیں درہم برہم ہوتی جا رہی تھیں۔ ہنگامہ کارزار بڑھتا جاتا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک کر تمام جنگجو بہادروں کو جلا کر خاکستر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

صاف و شفاف تلواریں خون آلود ہو گئی تھیں۔ بے شمار سر اچھل رہے تھے۔ کٹے ہوئے ہاتھ کفگیروں کی طرح گر رہے تھے۔ خون کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔

اگرچہ آج تقریباً بیس ہزار مسلمان میدان جنگ میں آئے اور اتنے ہی کیمپ میں رہ گئے تھے لیکن یہ بیس ہزار ہی اس فکر میں لگ گئے، کہ وہ ہی یا تو خاتمہ کر ڈالیں انہیں شکست دے کر بھگا دیں۔ حالانکہ عیسائیوں کا لشکر اس وقت بھی ستر ہزار مصروفِ جنگ تھا۔

عیسائیوں نے اس بات کا خیال ہی نہ کیا کہ کس قدر مسلمان میدان میں آئے ہیں۔ وہ سمجھے کہ سارا ہی لشکر آکر لڑنے لگا ہے۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا، کہ آدھا ہی لشکر آیا ہے تو ممکن تھا۔ ان کے کچھ

حوصلے بڑھ جاتے۔

پھر بھی عیسائی بڑی جی داری اور بڑی قوت سے لڑ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو قتل و پامال کر ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

تلواریں بڑی بھری پھرتی سے چل رہی تھیں اور غضب کا کاٹ کر رہی تھیں۔ بڑے بڑے تنومند بہادر اور جنگجو لوگ کٹ کٹ کر گر رہے تھے عیسائی بھی قتل ہو رہے تھے۔ جب کئی کئی عیسائی ایک ایک مسلمان پر زغہ کر کے تلواروں سے اس کا قیمہ کر ڈالتے تھے۔

مگر عیسائی کثرت سے قتل ہو رہے تھے۔ مسلمان انہیں اس طرح ذبح کر رہے تھے۔ جیسے وہ کوئی جانور ہیں۔ لیکن اس پر بھی عیسائیوں کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہ تھی۔ جوں جوں وہ قتل ہو کر گرتے تھے ان کے ساتھیوں کو جوش آتا تھا۔ اور وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے۔

مسلمان آج اپنی ہستیوں کو بھولے ہوئے تھے۔ نہایت دلیری سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے تھے۔ دشمنوں کے وار روک روک کر اپنی تلواروں سے انہیں کاٹ رہے تھے۔

قدم قدم پر لاشیں بچھ گئی تھیں۔ جو گھوڑوں کے سموں سے روندی جا رہی تھیں۔ کٹے ہوئے سر گیندوں کی طرح لڑھک رہے تھے۔ ڈھالیں، تلواریں نیزے اور دوسرے ہتھیار جگہ جگہ پڑے تھے۔

چونکہ اکثر مسلمان اس زور سے حملے کرتے تھے۔ کہ سوار کے ساتھ گھوڑا بھی مر جاتا تھا۔ اس لیے بہت سے گھوڑے بھی مرے ہوئے پڑے تھے اور گھوڑوں کی لاشوں سے لڑنے والوں کے گھوڑے ٹھوکریں کھا کر گر جاتے تھے۔

جب کہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔ میدان جنگ میں موت کی گرم بازاری تھی۔ اس وقت جرجیر اور ہیلن دونوں اطمینان سے گھوڑوں پر سوار کھڑے جنگ گاہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آفتاب چمک رہا تھا۔ دھوپ میں قدرے حدت تھی۔ اس لیے ماہوش ہیلن کے گلابی رخسار پسینہ سے پسیج گئے تھے۔ اس کی لمبی پلکیں اس کے رخ آتشیں کو پنکھا جھل رہی تھیں۔

پسینہ کی نمی کی وجہ سے اس کا گلاب کے پھولوں کی نرم پتیوں کو مات کرنے والا چہرہ تیز گلابی ہو کر اور بھی دلکش ہو گیا تھا۔

جرجیر اور وہ دونوں دیکھ رہے تھے ابھی تک ان سے ذرا فاصلہ پر جنگ ہو رہی تھی۔ مگر

ہر لمحہ یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اب جنگ کی چنگاری ان کی صفوں میں آکر پڑی۔ اور اب جنگ کے شعلے وہاں بھی بھڑکے۔

اس وقت ایک سوار جرجیر کے پاس آیا۔ اس نے ادب سے گھوڑوں کی زین پر سجدہ کرتے ہوئے اسے سلام کیا۔ اور نہایت آہستہ سے اس کے کان میں کوئی بات کہی۔

شہزادی اس آنے والے سوار اور جرجیر دونوں کو دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ بادشاہ کا چہرہ فق پڑ گیا اور وہ سراسیمہ ہوکر کچھ سوچنے لگا۔ سوار چلا گیا۔ شہزادی نے کہا، ”ابا جان! کیا کوئی وحشت ناک خبر سنائی ہے۔ اس سوار نے جرجیر نے سنبھل کر کہا، ہاں میری عزیز بیٹی! یہ سوار ہمارا جاسوس ہے جو مسلمانوں کی خبر لینے گیا تھا۔

ہیلن نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، کیا خبر لایا ہے یہ؟

جرجیر: یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے سردار نے اپنے لشکر میں اعلان کرایا ہے کہ جو شخص افریقہ کے بادشاہ یعنی میرا سر کاٹ لے گا۔ اُسے ہیلن بطور کنیز کے دے دی جائے گی۔ اور ایک لاکھ دینار انعام ملیں گے۔

یہ سن کر ہیلن کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اسے جوش آگیا۔ اس نے کہا، ہیلن خادمہ بنا دی جائے گی مسلمانوں کے سردار کا اس قدر گستاخانہ خیال۔ میری یہ شمشیر براں (یہ کہتے ہی اس نے اپنی چھوٹی مگر آبدار تلوار چاندی اور سونے کے نقشی میان میں سے کھینچ کر ہاتھ میں بلند کی) ہر اس مسلمان کا سر اڑا دے گی جس کے دماغ میں ایسا مغرورانہ خیال پیدا ہوگا۔ جوش غضب سے اس کی موہنی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

جرجیر اس کے روئے انور کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے کہا پیاری بیٹی تیرا جوش اور تیری جرأت وہمت قابل داد ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک عیسائی فرمانبردار کی بیٹی ہے۔ مر جائے گی۔ مگر کنیزی کی ذلت برداشت نہ کرے گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مسلمان تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ تو اپنی قوم سے اگر عیسائیوں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ تو خوف ہے کہ کہیں کوئی غدار میرا سر نہ اتار لے۔“

ہیلن: اطمینان رکھیے میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ عیسائی کبھی ایسی کمینہ حرکت نہ کریں گے۔

جرجیر: قرۃ العین! تو نہیں جانتی کہ انسان لالچ میں اندھا ہو کر کیا کچھ نہیں کر گزرتا ہے۔

اس وقت جنگ گاہ میں عظیم شور بلند ہوا۔ ان دونوں نے باتیں بند کر کے اس طرف دیکھا انہیں نظر آیا کہ مسلمان قدم قدم پر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اور عیسائی شور وغل کرتے بڑھ رہے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر ان دونوں کے چہرہ بشاش ہوگئے۔ جرجیر نے کہا، حضرت مسیح کا احسان ہے مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔ فتح یقیناً ہماری ہے۔

ہیلن: حضور ابا جان یہ وقت ہے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کا۔ چلیے ان پر حملہ کیجیے۔ میں بھی حملہ کروں گی۔ ہمارے حملہ کرنے سے عیسائیوں کی ہمت دگنی بڑھ جائے گی۔ اور وہ بہت جلد مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے۔

جرجیر: تو ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹی۔ آ حملہ کریں۔ یہ کہتے ہی اس نے اپنے دستہ کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔ شاہی رسالہ بڑے جوش سے چلا۔ ساتھ ہی جرجیر اور ہیلن دونوں خوش ہوتے ہوئے بڑھے۔

جوں ہی عیسائیوں نے بادشاہ کو بڑھتے دیکھا۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے نعرہ لگایا شہنشاہ جرجیر کی فتح۔

اس نعرہ کو سن کر لڑنے والے عیسائیوں نے گھوم گھوم کر دیکھا۔ جب انہیں جرجیر بڑھتا نظر آیا تو انہوں نے اور بھی شدت سے حملے شروع کر دیے۔

مسلمان ابھی تک پیچھے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ شکست کھا کر بھاگنے والے ہوں۔ وہ دب رہے تھے۔ اور عیسائی انہیں دبا رہے تھے۔

اس وقت عین دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب سر پر آگیا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی خفیف ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔

مسلمان پیچھے ہٹتے اور عیسائی بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی کیمپ کے قریب پہنچ گئے۔

یہاں پہنچ کر مسلمان رک گئے اور جم کر لڑنے لگے۔ عیسائی جو پیچھا کیے آ رہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ جرجیر اور ہیلن برابر بڑھے آ رہے تھے۔ دفعتاً عیسائیوں نے اللہ اکبر کے پر شور نعرہ کی آواز سنی۔

انہوں نے گھبرا کر اسلامی لشکر گاہ کی طرف دیکھا تھا۔ انہیں اسلامی مجاہدین کے رسالے گھوڑے دوڑا کر میدان جنگ کی طرف آتے نظر آئے۔

یہ دیکھ کر عیسائیوں کے حواس جاتے رہے وہ اب سمجھے کہ مسلمانوں کے پیچھے ہٹنے میں کیا مصلحت تھی، جرجیر بھی ششدر رہ گیا۔

یہ آنے والے دستے ابن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسین کے تھے۔ انہوں نے آتے ہی نہایت شدت سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ عیسائی بھی جائے مفر نہ دیکھ کر ڈٹ گئے۔

باب ۲۴

جرجیر کا انجام

صبح سے دوپہر تک صرف بیس ہزار شیرانِ اسلام ستر ہزار عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے۔ وہ پیچھے ہٹتے رہے۔ اس لیے تاکہ عیسائی اپنے کیمپ سے دور نکل آئیں اور وہ یہ سمجھ کر کہ مسلمان فرار ہونے والے ہیں۔ اپنی ترتیب و تنظیم کو چھوڑ کر ان کے پیچھے دوڑ پڑیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب عیسائیوں نے مسلمانوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو وہ ضبط و انتظام چھوڑ کر ان کے پیچھے ہوئے۔ اور اپنے کیمپ سے بہت دور اور اسلامی لشکر گاہ کے قریب پہنچ گئے۔

عین اس وقت جب کہ عیسائیوں کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا مسلمان جم گئے۔ ادھر تازہ دم مجاہدین اسلام نے کمین گاہ سے نکل کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور بڑی سختی سے حملہ کر دیا۔

ان اسلامی شیروں نے کچھ اس شدومد سے حملہ کیا کہ عیسائی گھبرا گئے نہ صرف سواروں کے بلکہ افسروں کے چہرے بھی غم و فکر میں ڈوب گئے۔

لیکن چونکہ اب بھی ان کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ اس لیے وہ بھی جم گئے۔ اور بڑی سرفروشی سے لڑنے لگے۔ البتہ ان میں جارحانہ حملے کرنے کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ وہ بڑھ کر حملے نہ کرتے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے۔

کمین گاہ سے جو اسلامی لشکر نکل کر آیا ان میں سے ایک دستہ جو حسن کی سرکردگی میں تھا دائیں جانب اور دوسرا دستہ جو حسین کی قیادت میں تھا بائیں طرف پھیل گیا تھا اور ابن زبیر نے سامنے سے حملہ کیا تھا۔

گویا ان تازہ دم مسلمانوں نے ادھر ادھر پھیل کر عیسائیوں کو اس لیے اور اس طرح اپنے نرغہ میں لے لیا تھا۔ کہ اگر وہ بھاگنا چاہیں تو بھاگ نہ سکیں۔

اس وقت جنگ نہایت زور قوت سے ہو رہی تھی۔ مسلمان بڑی پھرتی سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں برق خاطف کی طرح دشمنوں پر گرتی تھیں اور ان کی ہستیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھیں۔

ہر مجاہد بڑے جوش و غضب میں بھرا ہوا تھا۔ نہایت ہی غضب ناک ہو ہو کر حملے کر رہا تھا۔ عیسائی بھی مقدور بھر مدافعت میں مصروف تھے۔ وہ سپاہیوں کے دل بڑھانے کے لیے زور زور سے طبل بجا رہے تھے۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ زخمی کراہ رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ ان سب آوازوں نے مل کر شور و قیامت برپا کر رکھا تھا۔

ابن زبیر نے سامنے سے حملہ کر دیا تھا۔ سامنے ہی عبداللہ بن سعد تھے مگر محاذ جنگ اتنا طویل ہو گیا تھا کہ عبداللہ اور ابن زبیر میں کافی فاصلہ تھا۔

یہ دونوں اسلامی شیر بڑے جوش و غضب سے لڑ رہے تھے۔ ان کی بے پناہ تلواریں خوب کاٹ رہی تھیں۔ جس اجل رسیدہ پر پڑتی تھیں۔ اس کا بھیجہ توڑ ڈالتی تھیں۔ جس کے شانہ پر پڑتی تھیں۔ ہنسلی کاٹ کر صدر سینہ پر جا کر رکتی تھیں۔

چونکہ عبداللہ اس سے پہلی جنگ میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ انہیں مسلمانوں نے مجبور کر کے خیمہ میں بٹھا دیا تھا۔ اس لیے وہ آج اس روز کی جنگ کی کسر نکال رہے۔ بڑی ہی پھرتی اور بڑے ہی جوش سے حملے کر کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

وہ عیسائیوں کے غول پر حملہ کرتے اور ان میں سے دو چار کو قتل کر کے انہیں منتشر کر دیتے تھے۔ اور جب ان کے رسالہ کے سوار دشمنوں کو مارتے کاٹتے ان کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ وہ تو سامنے والی صف پر لوٹ پڑتے اور اسے درہم برہم کر کے آگے بڑھ جاتے تھے۔

ان سے قدرے فاصلہ پر ابن زبیر تھے۔ وہ بھی پورے جوش و خروش ہمت و استقلال اور دلیری و جرأت سے لڑ رہے تھے۔ وہ ڈھال پر دشمنوں کے وار روک کر تلوار سے اس زور سے حملہ کرتے تھے کہ جس چیز پر ان کی تلوار پڑتی تھی۔ اسے کاٹ ڈالتی تھی۔ ڈھالوں، زرہ بکتروں اور خودوں کو توڑ کر رنگین بارش کرتی ہوئی اٹھتی تھی۔

ان کے پیچھے ان کے پانچ سو جانباز سپاہی تھے۔ جو ان کے ہی سے جوش۔ ان ہی کی سی

پھرتی۔ اور ان کی ہی سی دلیری سے لڑتے ان کے ساتھ ساتھ بڑھ رہے تھے۔

ابن زبیر شاہی علم کو دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ وہ ان سے بہت فاصلہ پر تھا۔ لیکن انہوں نے گویا اس علم کے پاس پہنچنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اس لیے درمیانی صفوں کو چیرتے پھاڑتے دشمنوں کے سواروں کو مار مار کر گراتے بڑھتے جا رہے تھے۔

وہ خوب جانتے تھے کہ شاہی علم کے نیچے افریقہ کا شہنشاہ جرجیر ہو گا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ جب تک شہنشاہ میدان جنگ میں موجود رہے گا۔ اس وقت تک عیسائی جم کر لڑتے رہیں گے۔ اس لیے انہوں نے اس طرف تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

لیکن عیسائی بھی کچھ موم کے بنے ہوئے نہ تھے۔ وہ بھی بہادر تھے۔ بہادروں کی اولاد تھے بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ قدم قدم پر انہیں روک رہے تھے۔

ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔ نہایت خون ریز جنگ ہو رہی تھی۔ عیسائی مسلمانوں میں اور مسلمان عیسائیوں میں گھس گئے تھے۔ فریقین کی بہت کم صفیں قائم و باقی رہ گئی تھیں۔ تلواریں بڑی پھرتی سے اٹھ اٹھ کر کاٹ رہی تھیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ دھڑ زمین پر گر گر کر تڑپ رہے تھے خون کی نالیاں بہہ رہی تھیں اور وہ تمام خطہ جس میں جنگ ہو رہی تھی گلنار ہوتا جاتا تھا۔

سرور نے گویا کفن سر سے باندھ رکھا تھا۔ وہ بھی اپنے دستے کے ساتھ مصروف جنگ تھا۔ وہ میسرہ میں تھے۔ بڑی ہی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ بڑی پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے تھے دشمن کے ہر اس سوار کو مار ڈالتے تھے جو سامنے آ جاتا تھا۔ انہوں نے ان گنت دشمنوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تھا۔ لیکن نہ تو ابھی ان کے بازو سست پڑے تھے اور نہ ان کا جوش جہاد سرد ہوا تھا۔

بلکہ جوں جوں وہ عیسائی جانبازوں کو قتل کرتے جاتے تھے۔ ان کی دشمنوں کو قتل کرنے کی حرص اور بڑھتی جاتی تھی۔ اور وہ برابر انہیں قتل کرتے بڑھ رہے تھے۔

ان کے دستہ کے دلیر سوار بھی بڑی سرفروشی اور جرأت و ہمت سے لڑ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ تھے۔ اور جس طرح ان کے بہادر افسر سرور جدال و قتال کر رہے تھے۔ اس طرح وہ بھی دشمنوں کو مار رہے تھے۔

کر رہے تھے۔

اگر کوئی اس وقت جنگ کا نظارہ کرتا تو اسے آفتاب کی تیز شعاعوں میں یا تو خون آلود تلواروں کا کھیت اگا ہوا نظر آتا تھا۔ یا سر گیندوں کی طرح اور ہاتھ کفگیروں کی طرح اچھلتے دکھائی دیتے۔ عیسائی لشکر میں اب طبل بجنا تو موقوف ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت ہر عیسائی لڑائی میں مصروف ہو گیا تھا۔ لیکن شور و غل پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ہر عیسائی اپنی پوری طاقت سے چلا رہا تھا ہر زخمی کراہ رہا تھا۔ اور ہر مرنے والا چیخیں مار رہا تھا۔

مگر لڑنے والوں پر ان آوازوں کا مطلق بھی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ لڑ رہے تھے۔ اور لڑ لڑ کر مر رہے تھے۔ تلوار اس شد و مد سے چل رہی تھیں کہ کسی کی بھی جان محفوظ نظر نہ آتی تھی۔ ہزار حفاظت کرنے پر بھی کسی نہ کسی کی تلوار آکر سر اتار ہی جاتی تھی۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ ابن زبیر نے دور سے شاہی علم دیکھ لیا تھا۔ اور وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی صفوں کو کاٹ چھانٹ کر راستہ صاف کر لیا تھا اور شاہی رسالہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

ادھر سرور بھی افریقی عیسائیوں کی ٹکڑیوں کو مارتے کاٹتے پیچھے ہٹاتے مارقوس کے قریب جا پہنچے تھے۔ چاہتے وہ بھی یہی تھے کہ جرجیر تک پہنچ کر اسے قتل کر کے لڑائی کا خاتمہ کر ڈالیں۔ بدقسمتی سے سب سے پہلے مارقوس ان کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے نہایت جوش سے اس پر حملہ کیا۔ مارقوس بھی معمولی آدمی نہ تھا۔ افریقہ کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ نہایت بہادر اور فنون جنگ کا پورا ماہر تھا۔ اس نے بڑی صفائی سے ان کا وار رد کیا اور پھر بھی خود حملہ کر دیا۔

چونکہ دونوں ماہرین جنگ تھے۔ اس لیے ان کے قریب کھڑے ہوئے عیسائی اور مسلمان لڑائی سے باز رہ کر ان دونوں کی جنگ کا تماشہ دیکھنے لگے تھے۔

چونکہ دیر تک وہ دونوں اپنے اپنے ہنر دکھاتے رہے۔ ابھی وہ لڑ ہی رہے تھے۔ کہ سرور کے رسالہ کے ایک سوار نے کہا۔ "یا سردار۔ یہ کیا سستی ہے۔ کیوں نہیں دشمن کو قتل کر ڈالتے؟"

یہ سنتے ہی سرور کو جوش آ گیا انہوں نے بڑے جوش سے تلواروں کا وار کیا۔ ادھر مارقوس نے بھی تلوار ماری لیکن سرور کی تلوار مارقوس کی تلوار کاٹ کر اس کا سر اڑا گئی اور ٹوٹی ہوئی تلوار اور

ابن عمر اور ابن عباس دونوں قریب قریب تھے۔ اور دونوں ہی نہایت پھرتی اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں بھی غضب کا کاٹ کر رہی تھیں۔ انہوں نے بھی بے شمار دشمنوں کو بھی قتل کر ڈالا تھا۔

ایک طرف سے حضرت حسن اور دوسری طرف سے حضرت حسین حملہ آور ہوئے تھے۔ یہ دونوں قابل تعظیم نوجوان شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کے صاحبزادے تھے۔ شجاعت و دلیری میں فرد تھے۔ ایسی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ کہ دشمنوں کو ان کے سامنے جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ان کی خارا شگاف تلواریں ہر اس شخص کو کاٹ ڈالتی تھیں۔ جو ان کے سامنے آ جاتا تھا انہوں نے اور ان کے دلیر ہمراہیوں نے لاتعداد عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ وہ دائیں اور بائیں سے عیسائیوں کو دباتے اور ہٹاتے بڑھے چلے آ رہے تھے۔

اس وقت ہنگامہ جنگ عین شباب پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ اب آفتاب ڈھل گیا تھا لیکن لڑائی کا زور اس وقت آ کر تلا تھا۔ فریقین بڑی ہی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو فنا کر ڈالنے کا قصد کر لیا تھا۔ اور مسلمانوں نے عیسائیوں کو کچل ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

جنگ کے شعلے نہایت تیزی سے بھڑک اٹھے تھے جو صفیں اب تک لڑائی کی آگ سے بچی ہوئی تھیں۔ اس وقت وہ بھی ان شعلوں میں کود پڑی تھیں۔ اور اب عالمگیر جنگ ہونے لگی تھی۔

اگرچہ عیسائیوں کی تعداد کثیر نذر اجل ہو گئی تھی۔ لیکن اب بھی وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے اور اپنی تعداد کی کثرت کے بھروسہ پر بڑی پامردی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور اگرچہ ان کی تمام صفیں ٹوٹ چکی تھیں لیکن ان کی ہر صف ٹکڑیوں میں منقسم ہو گئی تھی اور ہر ٹکڑی بڑی دلیری سے لڑ رہی تھی۔ ان کی تلواریں بھی کاٹ کر رہی تھیں اور مسلمان شہید ہو رہے تھے۔

لیکن شیران اسلام دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس خدائے عزوجل کے بھروسہ پر جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ اور جو ان کی مدد کرتا رہتا تھا۔ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ وہ جلد سے جلد عیسائیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے بڑی پھرتی اور دلیری سے حملے

کٹا ہوا سر دونوں ایک ہی ساتھ اچھلے اور زمین پر گرے۔

مسلمان یہ دیکھ کر خوش ہو گئے۔ انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور عیسائیوں پر شدت سے حملہ کر دیا۔ سرود نے بھی ان کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔

جب کہ اس طرف یہ کارروائی ہو رہی تھی۔ اسی وقت ابن زبیر شاہی رسالہ کو مارتے کاٹتے جرجیر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جرجیر اور حور وش سہلین دونوں دیکھ رہے تھے۔ جوں جوں مسلمان ان کے قریب پہنچتے جاتے تھے۔ ان کے چہروں کے رنگ اڑتے جاتے تھے۔

شہزادی سہلین کے پاس لوسیا بھی کھڑی تھی۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

دفعتاً ابن زبیر عیسائی رسالوں کے پرخچے اڑاتے جرجیر کے سامنے پہنچ گئے۔ اور دور ہی سے للکار کر بولے "اے افریقہ کے مغرور شہنشاہ! دلیروں کی طرح مقابلہ کر"

جرجیر بہادر تھا۔ اس نے تلوار سونت لی۔ اور جھپٹ کر ابن زبیر پر حملہ کیا۔ ابن زبیر نے ڈھال پر اس کا وار روکا اور بڑی قوت سے خود بھی اس پر حملہ کیا۔

بادشاہ ان کی خون آلود تلوار دیکھ کر جھجک گیا۔ اس سے ڈھال نہ اٹھ سکی۔ ابن زبیر کی تلوار شانہ پر پڑی اور چاندی سونے کی ان باریک زنجیروں کو کاٹ کر جن کا جال اس کے شانوں پہ پڑا تھا۔ گردن اڑاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

جرجیر آہ بھی نہ کرنے پایا۔ اور اس کا سر کٹ کر گرا۔ دھڑ گھوڑے سے گر کر تڑپنے لگا۔

افریقہ کے اس مغرور و متکبر شہنشاہ کے رسالہ خاص کے سوار دیکھتے ہی رہ گئے۔ کوئی بھی اس کی مدد نہ کر سکا اور وہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر عدم کے اس گوشہ میں جا پڑا۔ جہاں اس کے پیش رہ گئے تھے۔

شہزادی سہلین یہ روح فرسا منظر دیکھ کر تڑپ گئی۔ باپ کی محبت نے اس کے سینہ میں جوش مارا۔ اسے رنج و قلق کے ساتھ ہی غصہ آ گیا۔ چہرہ بھبھوکا بن گیا۔ بڑی بڑی سرمگیں آنکھوں سے بجلیاں نکلنے لگیں۔ اس نے تلوار کھینچی اور گھوڑا بڑھا کر ابن زبیر کے پاس پہنچی۔ نہایت قوت سے تلوار کو تول کر اٹھایا۔

ابن زبیر نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سمجھے کوئی شاہی رسالہ کا سوار ان پر حملہ آور ہوا ہے۔ انہوں نے پھر ڈھال اور تلوار بند کیں۔ اور اپنے اوپر حملہ کرنے والے کو دیکھا۔

جب ان کی نظر شہزادی پر پڑی تو جلدی سے انہوں نے تلوار جھکا لی اور آہستہ سے کہا "عبداللہ بن زبیر کی تلوار کسی عورت پر نہیں اٹھ سکتی۔"

جب انہوں نے شہزادی کو دیکھا تھا تو شہزادی کی نظریں بھی ان سے چار ہو گئی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی شہزادی کا جوش و غصہ سرد پڑ گیا۔ اس نے بھی تلوار جھکا لی اور غمناک لہجہ میں کہا "بے رحم جلاد۔ یہ تم نے کیا کیا۔ میرے شفیق باپ کا سایہ میرے سر سے کیوں دور کر دیا"

ابن زبیر اس کا کیا جواب دیتے۔ وہ سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ شہزادی کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

ابن زبیر نے دوبارہ نظر اٹھا کر اس حور طلعت کو دیکھا۔ وہ رو رہی تھی اور ان کی طرف دیکھ رہی تھی اسے روتے ہوئے دیکھ کر ابن زبیر کا بھی دل نرم ہو گیا۔ ان سے وہاں کھڑا نہ رہا گیا۔ نہ اس نازنین کو تسلی دینے کی ہوئی۔ وہ خاموشی سے ہٹے اور دوسری طرف جا کر شاہی رسالہ پہ حملہ آور ہوئے۔

باب ۲۵

رقیبوں کا مقابلہ

بادشاہ کے مرتے ہی اس کی موت کی خبر تمام عیسائی لشکر میں لگ گئی۔ ساتھ ہی مارقوس سپہ سالار کے مرنے کی خبر بھی عام ہو گئی۔ ان خبروں کے سننے سے عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان میں لڑنے کی جرأت و ہمت باقی نہ رہی اور وہ بھاگنے کا رستہ دیکھنے لگے۔

ادھر مسلمانوں نے سنبھل کر نہایت جوش و خروش سے حملہ کیا۔ اس حملہ نے ان کی رہی سہی ہمت بھی توڑ دی۔ اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے چونکہ نہایت بدحواس تھے۔ اس لیے جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگا۔

جونہی مسلمانوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا وہ اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر ان کے تعاقب میں دوڑے۔

اب یہ حالت تھی کہ عیسائی آگے آگے بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل کرتے جا رہے تھے۔ ہر طرف حدنگاہ تک گھوڑوں کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔

شور ہنگامہ المضاعف ہو گیا تھا۔ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مار کاٹ، چیخ پکار بھاگ دوڑ زور شور سے ہو رہی تھی۔

جوں ہی سرور نے دیکھا عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا رسالہ کو عیسائیوں کے کیمپ کی طرف بڑھایا اور جس قدر عیسائی انہیں راستہ میں ملے انہوں نے انہیں سب کو ڈھیر کر دیا۔

جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ماہوش لڑکیاں جو پری جمال ہیلن کے ساتھ آئی تھیں۔ اور حواس کی کنیزیں اور سہیلیاں تھیں۔ شاہی بیش قیمت ساز و سامان کو لوٹ

کر گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگ جانے کا قصد کر رہی ہیں۔

انہوں نے کیمپ کے گرد اپنے دستہ کو پھیلا دیا اور یہ اعلان کرا دیا کہ کوئی مرد یا عورت بھاگنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے گا۔

ابھی تک کیمپ میں ہزاروں غلام بھی موجود تھے۔ وہ بھی اپنے آقاؤں کا سامان لوٹ کر گٹھڑیاں باندھ کر بھاگنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

لیکن جب ان غدار مردوں اور بیوفا عورتوں نے اسلامی شیروں کو دیکھا اور ان کے اعلان کو سنا تو ان کے خرمن و آز پر بجلی گری اور افسردہ و دلخریں ہو کر سامان رکھ کر گھوڑوں سے اتر کر چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کو نہایت حسرت اور یاس آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

خصوصاً مہ جمال عورتیں اور لڑکیاں نہایت خائف ہو گئیں۔ ان کے چہروں کی گلابی رنگت اڑ گئی۔ اور شہابی رخسارے سفید ہو گئے۔

وہ خوب جانتی تھی کہ لڑائی میں فاتح قوم مفتوح قوم کو بالکل کچل ڈالتی ہے۔ عصمت ریزی کرنا تو ایک معمولی بات سمجھتا ہے۔ اسی لیے وہ خوف و دہشت سے سفید پڑ گئی تھیں۔

انہیں مطلق بھی خبر نہیں تھی۔ کہ مسلمان کبھی وحشیانہ اور سفاکانہ حرکتیں نہیں کرتا۔ عورتوں کا خاص طور پر احترام کرتا ہے اس کی تلوار نہ عورت پر اٹھتی ہے نہ وہ اس کی آبرو ریزی کرتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے۔ اس خدائے علیم سے جو ہر انسان کی ہر بات کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد اسے خدا کے روبرو جا کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ وہ قوم جو خدا سے ڈرتی ہو کس طرح جور و جبر اور بے حیائی سے کام کر سکتی ہے۔

ہاں جو قوم خدا کے وجود کی قائل نہیں۔ یا جو مذہب کو کھیل سمجھتی ہے۔ دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ جانتی اور مانتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی تعدی، ظلم اور بے حیائی کر گزرے وہ تھوڑا ہے۔

غرض سرور نے عیسائی کیمپ کا محاصرہ کر کے اسے محفوظ کر لیا۔ جب کہ عیسائی اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے دوڑ کر انہیں قتل کر رہے تھے۔ اس وقت شہزادی ہیلن غم و فکر کی تصویر بنی اسی جگہ کھڑی تھی جس جگہ جرجیر قتل ہوا تھا۔

اگرچہ وہ غمزدہ تھی۔ اور طاقت رو تو نہ رہی تھی۔ البتہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ مگر

وہ اب بھی حسین اور معصوم معلوم ہو رہی تھی۔ اب بھی اس کے چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔

وہ اس عالم حزن و ملال میں کھڑی تھی۔ کہ لوسیا اس کے پاس آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا "حضور شہزادی صاحبہ صبر کیجیے۔"

شہزادی نے اس کی طرف دیکھا اس کا دل بھر آیا۔ اور پھر زار و قطار رونے لگی۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا "صبر کرو لوسیا! میرا باغ عشرت اجڑ گیا۔ رفیق باپ مارا گیا۔ آہ کیا ہو گا۔"

لوسیا نے تسلی دیتے ہوئے کہا "اب سوائے صبر کے چارہ کیا ہے۔ شہزادی دیکھو اس وقت منحوس عیسائیوں کے تعاقب میں دوڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی نہیں ہے یہ موقعہ اس جگہ سے نکل بھاگنے کا ہے آؤ بھاگ چلیں۔"

ہیلن نے اشک آلود آنکھیں اٹھا کر لوسیا کو دیکھتے ہوئے کہا "بھاگ چلیں ....؟ کہاں؟ کون سی جگہ جائے پناہ ہے۔ لوسیا۔ ہماری مسرت و شادمانی کے ساتھ ساتھ ہماری آزادی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔"

لوسیا: نہیں! نہیں۔ ابھی موقع ہے۔ اسے ہاتھوں سے نہ کھوئیے۔ سبیطلہ قریب ہے۔ اور ہم وہاں آسانی سے پہنچ سکتی ہیں۔

ہیلن: میں نہیں جا سکتی۔ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔

لوسیا کو اس کے جواب سے بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا آپ کیوں نہیں چلتی ہیں۔

ہیلن: اس لیے کہ جن لوگوں نے میرے باپ کو قتل کر ڈالا ہے۔ وہ مجھے بھی مار ڈالیں گے۔

لوسیا: ایسا نہ کہیے شہزادی صاحبہ! اب سبیطلہ کا تاج آپ کے سر پر رکھا جائے گا۔ ساری قوم کے سر آپ کے خوبصورت اور نازک پیروں پر جھکیں گے۔

ہیلن نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "اب مجھے نہ اس کی خواہش ہے نہ پرواہ۔"

لوسیا: آپ کو نہ ہو لیکن عیسائیوں کو تو ہے۔

ہیلن: میں ایسے بزدل عیسائیوں کا منہ دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ جو اپنے بادشاہ کی لاش اور اپنی شہزادی کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

لوسیا: لیکن اگر آپ یہاں کھڑی رہیں تو مسلمان آپ کو گرفتار کر کے اپنی کنیز بنا لیں گے۔

کیا یہ بات عبرتناک اور سنجیدہ نہ ہو گی کہ ایک شہزادی جو عالی مرتبت اور جلیلۃ القدر ہو مسلمان کی خادمہ بن کر ان کی خدمت کرے۔

ہیلن: اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو ضرور میں خادمہ بنوں گی۔ اور کوئی تدبیر اور کوئی طاقت میری تقدیر کو نہ بدل سکے گی۔

لوسیا: لیکن آپ مسلمانوں کو نہیں جانتی ہیں۔ بڑے ہی سفاک، وحشی اور ظالم ہوتے ہیں آپ چاند ہیں۔ دنیائے حسن کا چاند۔ وہ آپ کی آبرو ریزی کر ڈالیں گے۔

ہیلن کو جوش آ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں غصہ سے سرخی چھا گئی۔ اس نے پر جوش لہجہ میں کہا "اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ خنجر (اس نے اپنی پیٹی میں سے خنجر نکال کر لوسیا کو دکھایا) ایک دو مسلمانوں کے سینوں میں پیوست ہو کر میرے سینہ میں اتر جائے گا۔ تم نہیں جانتی ہو لوسیا! میں افریقہ کے شہنشاہ جرجیر کی بیٹی ہوں۔ وہ ملک و قوم پر نثار ہو گئے ہیں۔ میں عزت و آبرو پر قربان ہو جاؤں گی۔"

لوسیا: لیکن اس سے کیا فائدہ ہے شہزادی صاحبہ۔

ہیلن: میں اپنے باپ کی لاش کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔

لوسیا: آؤ ہم شہنشاہ کی لاش کو بھی اٹھا کر لے چلیں۔

ہیلن: ہم نہ لے جا سکیں گی ہر طرف اور چپہ چپہ پر مسلمان بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم کس طرح اور کس راستے سے جا سکتی ہیں۔

لوسیا: کوشش تو کریں حضور۔

ہیلن: لاحاصل ہے کوئی نتیجہ نہیں۔

وہ کچھ سوچنے لگی۔ لوسیا نے پھر کہا "حضور ضد نہ کیجیے۔ آئیے چلیے۔ حضرت مسیح کے لیے چلیے۔"

ہیلن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نہیں جا سکتی لوسیا! لیکن ہاں اگر تم چاہو تو چلی جاؤ۔"

لوسیا: کیا آپ کو تنہا چھوڑ کر؟

ہیلن : ہاں مجھے میری قسمت کے حوالہ کر دو۔ اگر ہو سکے تو تم اپنی جان بچا کر لے جاؤ۔

لوسیا : میں آپ کے قدم چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔

ہیلن : میرے ساتھ اپنی زندگی خراب نہ کرو۔

لوسیا : میں آپ کی نمک خوار ہوں۔ آپ کے ساتھ رہوں گی۔ جہاں جاؤ گی ساتھ چلوں گی موت ہی آپ سے میرا ساتھ چھڑا سکے گی۔

ہیلن : تب تو تمہاری مشکور رہوں لوسیا۔

اس وقت سلوانوس کچھ سواروں کے ساتھ وہاں آنکلا۔ شہزادی کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ اس نے اس کے قریب آ کر ادب سے اسے سلام کر کے کہا "حضرت مسیح کا احسان ہے کہ میں نے آپ کو صحیح وسالم پایا۔ آیئے میں آپ کو بہ حفاظت شہر سبیطلہ پہنچا دوں۔"

ہیلن نے بھولی مگر ہوش ربا نگاہوں سے اس کشتہ ناز کو دیکھتے ہوئے کہا "تمہارا شکریہ سلوانوس! میں نہیں جا سکتی۔ لیکن تم جاؤ۔ اس طرف مسلمان نہیں ہیں۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھو اور تم خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔"

سلوانوس نے اس کے پھول سے گلابی گالوں پر نظریں جما کر کہا "مگر شہزادی صاحبہ! یہ خادم آپ ہی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس وقت جان پر کھیل کر آپ کے پاس آسکا ہے ضد نہ کیجیے آیئے چلیے۔"

ہیلن : نہیں میں نہ جاؤں گی سلوانوس۔ میں ایک مرتبہ اور تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ تم جاؤ زرغۂ اعدا سے نکل جاؤ۔

سلوانوس : لیکن میں بغیر آپ کے نہیں جا سکتا۔

ہیلن : ایسی ضد نہ کرو۔

سلوانوس : شہزادی صاحبہ آپ نہیں جانتیں کہ مجھے آپ سے کس قدر محبت ہے۔

"محبت ہے....؟" ہیلن نے کہا اور حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

سلوانوس نے سنجیدگی سے کہا "جی ہاں۔ والہانہ محبت ہے۔ اپنی سہیلی لوسیا سے دریافت

کر لیجیے۔

ہیلن : اس خیال کو اپنے دل سے نکال ڈالو میں افریقہ کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں۔ میری رگوں میں شاہی خون ہے میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔

سلوانوس : لیکن شہنشاہ نے جو اعلان کیا تھا۔

ہیلن : افسوس تم اسے پورا نہ کر سکے۔ اگر کر لیتے تب معاملہ ہی اور ہو جاتا۔

سلوانوس : مگر شہزادی صاحبہ! میں آپ کو حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں اور اب آپ میرے ہاتھ آگئی ہیں۔ اس لیے میں آپ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا اگر خوشی سے میری بننے کے لیے میرے ساتھ نہ چلو گی تو زبردستی لے جاؤں گا۔

یہ گستاخانہ بات سن کر ہیلن کو غصہ آگیا اس کا چہرہ گلابی رنگ میں ڈوب گیا۔ آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔ اس نے غضب ناک ہو کر کہا "کم اصل، کم ذات تیرا یہ ارادہ۔"

سلوانوس کو بھی طرارہ آگیا اس نے درشت لہجہ میں کہا "ہیلن! بھول جاؤ اس بات کو کہ تم شہزادی تھیں۔ تمہارا باپ مارا گیا سلطنت جاتی رہی یا جاتی رہے گی۔ اب تم ایک معمولی یتیم لڑکی ہو میرے قبضہ میں ہو۔ میں تم سے ڈرنے والا نہیں۔ اگر خوشی سے نہیں چلتی ہو تو میں تمہیں گرفتار کرا کر لے جاؤں گا۔ اور پہلے تو میرا ارادہ تھا کہ تم سے باقاعدہ گرجہ میں جا کر شادی کر لوں گا۔ لیکن اب تمہیں اپنی داشتہ بنا کر رکھوں گا۔"

ہیلن غصہ سے سرخ ہو گئی۔ اس نے اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور ڈپٹ کر کہا "او نفس کے کتے! اگر تو ذرا بھی اپنی حد سے بڑھا تو یہ تلوار تیرے سینہ میں اتر جائے گی!"

سلوانوس استہزا کے طور پر ہنسا۔ اس نے کہا "ابھی شیخی معلوم ہو جائے گی۔" اس نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا۔ اور وہ شہزادی کو قید کرنے کے لیے بڑھے۔ یہ دیکھ کر شہزادی متردد و متفکر ہو گئی۔

ابھی وہ پریشان ہی ہو رہی تھی اور نگاہیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ عیسائی سوار اس کی طرف بڑھنے لگے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان اس سے اتنے فاصلہ پر عیسائیوں کے تعاقب میں تھے کہ اس کی آواز ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ سلوانوس اسے قید کیے بغیر نہ مانے گا۔

اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ ایک دو عیسائیوں کو مار کر مر جائے گی۔

لیکن ابھی عیسائی اُس کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ چند گھوڑوں کے سموں کی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کی پشت کی جانب سے کچھ اور عیسائی آرہے تھے۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ سوار قریب آئے سب سے آگے ارسانوس زوبلیہ کا بادشاہ تھا اس نے آتے ہی ڈپٹ کر کہا، "خبردار! شہزادی کی طرف کوئی نہ بڑھے۔"

شہزادی حیران رہ گئی۔ لیکن اسے کچھ ڈھارس ہوئی۔ سلوانوس کو غصہ آگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ارسانوس اس کا رقیب ہے۔ اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا، "بہادرو! اس غدار قوم کے ٹکڑے کر ڈالو یہ مسلمانوں سے ملا ہوا ہے۔"

اس کے یہ کہتے ہی اس کے سوار اکٹھے ہو کر ارسانوس اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے خود سلوانوس بھی شریکِ جنگ ہو گیا۔ اور اس طرح عیسائیوں میں آپس ہی میں لڑائی ہونے لگی۔

باب ۲۶

مسلمانوں کی حیرت

جب کہ مسلمان عیسائیوں کے تعاقب میں دوڑ دوڑ کر انہیں قتل و گرفتار کر رہے تھے۔ جب کہ سرور نے عیسائیوں کے کیمپ پر پہرہ لگا کر غلاموں اور کنیزوں کو لوٹ و غارت گری سے باز رکھا تھا۔ اس وقت عیسائیوں کی دو جماعتیں آپس میں مصروفِ جنگ ہو گئی تھیں۔

سلوانوس اور ارسانوس دونوں اپنے اپنے جانباز سپاہیوں کو للکار کر جوش دلا رہے تھے۔ اور ان کے وفادار سپاہی جوش میں آ آ کر لڑ رہے تھے۔

سلوانوس اور ارسانوس بھی لڑائی میں شریک ہو گئے تھے۔ شہزادی ہیلن اور لوسیا ایک طرف کھڑی اس جنگ کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ دونوں خوب جانتی اور سمجھتی تھیں۔ کہ یہ لڑائی شہزادی کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ وہ دونوں اس حور لقا کے فدائی تھے اور اسے حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے تھے۔

لوسیا نے آہستہ سے کہا، "شہزادی صاحبہ! آپ نے دیکھا میرے کہنے پر عمل نہ کرنے سے آفت سر پر آگئی تھی۔ وہ تو حضرت مسیح نے مہربانی کر کے غیب سے سلامتی کا سامان پیدا کر دیا ہے آئیے اب چپکے سے کھسک چلیں۔"

ہیلن نے استقلال کے لہجہ میں جواب دیا، "نہیں لوسیا! میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

لوسیا نے اس کے رخِ انور پر نظریں گڑا کر کہا، "کیوں نہیں جا سکتی ہو تم؟"

ہیلن: اس کی وجہ تمہیں معلوم ہو جائے گی۔

لوسیا: شاید آپ واقف نہیں ہیں کہ ارسانوس بھی آپ کو چاہتا ہے۔

ہیلن: میں جانتی ہوں۔ اس نے شہنشاہ کے پاس پیغام بھیجا تھا۔

لوسیا: تو کیا آپ اب اس کے پاس رہنے کو رضامند ہیں۔

ہیلن: نہیں لوسیا میں کسی کے پاس رہنا نہیں چاہتی۔

لوسیا: لیکن دونوں میں سے کوئی ایک فتح یاب ہوگا اور فاتح آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرے گا۔

ہیلن: اطمینان رکھو۔ میں ان میں سے کسی کے ساتھ نہ جاؤں گی۔

لوسیا کی الجھن بڑھتی جاتی تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ شہزادی کو کیا ہوگیا۔ وہ کیوں نہیں چلتی۔ کیا کرنا چاہتی ہے۔

ارسانوس اور اس کے سپاہیوں نے بہت سے سلوانوس کے ہمراہیوں کو مار ڈالا تھا۔ اور اب ارسانوس سلوانوس پر حملہ کر رہا تھا۔ دونوں گتھ گئے تھے اور دونوں میں تلوار چل رہی تھی۔ آخر ارسانوس کا وار کاری پڑا اور سلوانوس مارا گیا۔

یہ دیکھتے ہی سلوانوس کے ہمراہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ارسانوس نے ان کا تعاقب نہیں کیا اور انہیں نکل جانے دیا۔

جب میدان صاف ہوگیا۔ تب وہ تلوار میان میں ڈال کر شہزادی کے قریب آیا۔ نہایت ادب سے سلام کیا اور بولا "حضور شہزادی صاحبہ! میں نے اس گستاخ کو جس نے حضور کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایسی سزا دی ہے جس کا وہ مستحق تھا۔ اب ارشاد ہو کہ حضور کہاں تشریف لے چلنا چاہتی ہیں تاکہ میں آپ کو وہاں پہنچا دوں۔"

ہیلن اور لوسیا کا خیال تھا کہ وہ شہزادی کو اپنے پاس چلنے پر مجبور کرے گا۔ لیکن جب انہوں نے اس کی گفتگو سنی تو کمال متعجب ہوئیں۔

ہیلن نے کہا "میں کہاں جاؤں۔ میرے لیے کہاں جائے پناہ ہے۔"

ارسانوس: حضور اداس نہ ہوں۔ جس جگہ حضور مناسب سمجھیں۔ حکم دیں۔ آپ کا یہ خادم حضور کو وہیں پہنچا دے گا۔ اور اگر اعلیٰ حضرت مناسب خیال فرمادیں تو زویلہ چلیں۔ آپ کا یہ غلام آپ کی حفاظت میں اپنی جان تک دے ڈالے گا۔

ہیلن: نہیں میں کہیں جانا نہیں چاہتی۔

ارسانوس: حضور کو اس خادم سے کچھ بیر سا ہوگیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں۔ اس بات کا بھی اقرار ہے کہ میں نے شہنشاہ کی خدمت میں عقد کا پیغام بھیجا تھا اور میں کھلے دل سے اس امر کا معترف ہوں کہ میں مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لیے آیا تھا کہ کسی طرح حضور کو حاصل کروں۔ لیکن اب میں بدل گیا ہوں۔ اب میرا کام حضور کی رضامندی پر عمل کرنا ہے۔ جو حضور حکم دیں گی اس کی تعمیل کروں گا۔

ہیلن: لیکن یہ تبدیلی تم میں کیسے پیدا ہوئی۔

ارسانوس: اگر حضور سننا ہی چاہتی ہیں تو سنیئے۔ مجھ سے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے ایک عرصہ ہوگیا ہے۔ میں نے انہیں نہایت ہی پاکباز، خوش اخلاق، مہذب، خداترس اور دین دار پایا ہے۔ ان کی ہم نشینی نے میری تمام برائیاں دور کر دی ہیں۔ مسلمان ایک کمزور عورت کو ستانا ہی برا خیال کرتے ہیں۔ میں بھی برا سمجھنے لگا ہوں۔

ہیلن: مگر میں نے تو اس کے برعکس مسلمانوں کے متعلق سنا تھا مجھے تو بتایا گیا ہے کہ وہ بڑے ہی سفاک، ناخداترس، وحشی، جاہل اور خود غرض لوگ ہیں۔

ارسانوس: میں نے بھی ایسا ہی سنا تھا حضور۔ لیکن جب ان سے سابقہ پڑا۔ ان کے پاس رہا تو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف متعصب عیسائی جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔

ہیلن: اس غلط بیانی سے عیسائی کیا فائدہ سمجھتے ہیں؟

ارسانوس: وہ نہیں چاہتے کہ عیسائی اور مسلمان آپس میں مل جل کر بیٹھیں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ کہیں مسلمانوں کا جادو عیسائیوں پر نہ چل جائے۔ اور وہ سب مسلمان نہ ہو جائیں۔

ہیلن: آپ کہاں مقیم ہیں۔

ارسانوس: میں اسلامی کیمپ میں ٹھہرا ہوا ہوں حضور وہاں تشریف لے چلنا چاہیں۔ وہاں چلیے۔ زویلہ چلنا چاہیں وہاں کا حکم دیجیے۔ اور اگر سبیطلہ جانا منظور ہو تو وہاں پہنچا دوں۔

ہیلن: میں ابھی کہیں نہیں جانا چاہتی۔ دیکھتی ہوں مسلمان میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

ارسانوس: وہ آپ کی عزت آپ کی شان کے مطابق کریں گے۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ ہرقل اعظم کی بیٹی کو ان مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ جب ہرقل اعظم نے اپنی بیٹی کو طلب

کیا تو انہوں نے عزت و احترام کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دیا۔

ہیلن نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا، "ہاں میں نے سنا تھا۔ مگر اس کا باپ زندہ تھا۔ اور میرا مر چکا ہے۔"

ارسانوس: لیکن آپ شہزادی ہیں اور وہ آپ کا پورا پورا احترام کریں گے۔ دیکھیے وہ مسلمان تعاقب سے واپس آ رہے ہیں۔

اس وقت ہر طرف سے مسلمان لوٹ کر واپس آ رہے تھے۔ وہ سب عبداللہ بن سعد کے پاس اسلامی علم کے نیچے آ آ کر کھڑے ہوتے جاتے تھے۔ سرور نے ایک سوار کے ذریعے یہ اطلاع بھیجدی تھی۔ کہ اس نے عیسائیوں کے کیمپ پر پہرہ لگا دیا ہے۔

عبداللہ نے کچھ لوگوں کو شہیدوں کے جمع کرنے کا حکم دیا اور کچھ لوگوں کو عیسائی کیمپ کی طرف بھیجا اور ہدایت کر دی کہ وہ تمام سامان لے آئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں دونوں کام انجام پا گئے۔ آج مسلمان تین سو شہید ہوئے تھے۔ اور عیسائی ساٹھ ہزار مارے گئے تھے۔ چار سو مسلمان زخمی ہوئے تھے۔ عیسائی زخمیوں کا شمار نہیں تھا۔

اس مشہور جنگ میں آٹھ سو بیس مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور ایک ہزار زخمی ہوئے تھے عیسائی ایک لاکھ دس ہزار مارے گئے تھے۔ ان مرنے والوں میں وہ زخمی بھی شامل ہیں۔ جو خفیف طور پر گذشتہ دنوں کی لڑائیوں میں مجروح ہوئے تھے اور آج لڑائی میں مشغول تھے ان میں بہت سے کام آ گئے تھے۔

اس طرح سے صرف دس ہزار عیسائی بمشکل اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے تھے۔ مسلمانوں نے شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور انہیں دفن کر دیا۔

مال غنیمت اور قیدی اسلامی کیمپ میں پہنچا دیے گئے۔ اب عبداللہ کے پاس ارسانوس شہزادی ہیلن اور لوسیا کو لے کر پہنچا۔ اس نے عبداللہ سے کہا، "یا امیر عسکر یہ شہنشاہ جرجیر کی بیٹی شہزادی ہیلن ہے۔"

عبداللہ نے نظر اٹھا کر اس کے روئے آتشین کی طرف دیکھا اور کہا، "کیا یہی وہ لڑکی

ہے۔ جس کی شادی کے لیے اس کے باپ نے میرے سر کا انعام مقرر کیا تھا۔

ہیلن عبداللہ کی زبان سے یہ گفتگو سن کر کانپ گئی۔ اسے خوف ہوا کہ اسلامی سپہ سالار یقیناً اسے قتل کرا دے گا۔ وہ امید و بیم کی نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھنے لگی۔

ارسانوس نے کہا، "جی ہاں یہی وہ شہزادی ہے جس کے حسن و جمال کی شہرت تمام عیسائی دنیا میں ہے۔"

عبداللہ نے مسکرا کر کہا، "حقیقت یہ ہے کہ نہایت خوبصورت لڑکی ہے۔ بہن! تمہارا باپ کہاں ہے؟"

عبداللہ کو معلوم نہ تھا کہ جرجیر قتل ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بھاگ گیا ہے۔ اپنے باپ کا نام سن کر ہیلن کا دل بھر آیا۔ اس نے چشم پرنم ہو کر کہا، "مارے گئے۔"

عبداللہ نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا، "مارے گئے؟ کس نے قتل کیا انہیں؟"

ہیلن: ایک نوجوان مسلمان نے۔

عبداللہ: معاف کرنا شہزادی میں نے تمہارا دل دکھایا۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مارے جا چکے ہیں تو میں ہرگز تم سے ایسا سوال نہ کرتا۔ تمہارے غم و تکلیف کا میرے دل پر خاص احساس ہوا ہے۔ میں تمہیں اسی وقت رہا کر دیتا۔ لیکن اب یہ بات میرے بس میں نہیں رہی ہے۔

ہیلن کے دل پر ان کی اس نرم گفتگو کا بڑا ہی گہرا اثر ہوا۔ اس نے دریافت کیا، "کس وجہ سے آپ مجبور ہو گئے ہیں؟"

عبداللہ نے جواب دیا۔ میری مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے باپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو شخص میرا سر اتار کر اس کے پاس لے جائے گا۔ وہ اس کے ساتھ تمہاری شادی کر دے گا۔ اسی طرح میں نے اعلان کیا تھا کہ جو تمہارے باپ کو مار ڈالے گا۔ میں اس کی بیٹی اور ایک لاکھ دینار اسے دوں گا۔ چونکہ کسی مسلمان نے تمہارے باپ کو مار ڈالا ہے۔ اس لیے اب وہ تمہارا حقدار ہو گیا ہے۔ ہاں اس بات کا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے دعویدار مسلمان سے کہوں گا کہ وہ تمہیں آزاد کر دے اور مجھ سے ایک لاکھ دینار لے لے۔

ہیلن: اب جو کچھ میری قسمت دکھائے گی۔ دیکھوں گی۔

عبداللہ: اپنے دل کو تھوڑا نہ کریں شہزادی۔ اول تو مجھے یقین ہے کہ تمہارا دعویدار تم سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور تم آزاد کر دی جاؤ گی۔ لیکن اگر وہ دست بردار نہ بھی ہوا تو تمہیں مسلمانوں میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

ہیلن خاموش ہو گئی۔ عبداللہ نے کہا، "آپ اپنے لیے اگر علیحدہ خیمہ لینا چاہیں تو خاص آپ کا خیمہ آپ کے لیے نصب کرا دیا جائے اور اگر خواتین عرب کے ساتھ پسند کریں تو وہاں بھیج دیا جائے۔"

ہیلن: فی الحال مجھے مسلمان عورتوں ہی میں بھیج دیجیے۔

عبداللہ: بہتر ہے سرور تم شہزادی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

سرور بھی عبداللہ کے پاس آ گئے تھے۔ وہ شہزادی ہیلن کو اپنے ہمراہ لے کر سراپردہ میں پہنچے، اور انہیں عورتوں کے سپرد کر آئے۔

جب عربی خواتین کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہیلن شہزادی ہے اور وہی شہزادی جس کی شادی کے لیے مسلمانوں کے سردار کی شرط لگائی گئی تھی۔ تو سب اسے دیکھنے کے لیے امنڈ آئیں۔ جوروش سلمی بھی آئی۔ سب اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

تمام لڑکیاں اور ساری عورتیں اس کے ساتھ نہایت خلق و مسرت کے ساتھ پیش آئیں سب نے اس کی شایان شان اس کا احترام کیا۔

مسلمان عورتوں کو یہ بات معلوم تھی کہ عیسائی بادشاہ اور شہزادیاں نہایت ناز و نعم میں پرورش پاتی ہیں۔ نرم نرم مخملی گدیلوں اور قالینوں پر بیٹھتی اور گداز ریشمی بستروں پر سوتی ہیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتی ہیں۔ اس لیے ایک عورت نے کہا، "شہزادی صاحبہ! ہم لوگ سادہ طریقہ پر رہتے ہیں۔ ہماری ضروریات بہت محدود ہیں۔ ہمارا اوڑھنا اور بچھونا کمبل ہیں کاٹھ کے برتنوں میں کھاتی پیتی ہیں۔ ہم آپ کے لیے سپہ سالار سے کہہ کر آپ کے شایان شان سامان منگواتی ہیں۔ جب تک سامان آئے آپ کمبل پر تشریف رکھیں۔"

ہیلن نے کہا، "میرے لیے کوئی سامان نہ منگوائیے۔ میں آپ کے ساتھ رہنے کے لیے آئی ہوں جب تک بھی رہ سکوں جس طرح آپ رہتی ہیں اسی طرح میں بھی رہوں گی۔"

عربی خاتون: لیکن اس سے آپ کو تکلیف ہوگی۔

ہیلن: نہیں مجھے تکلیف نہ ہوگی۔

عورتوں نے اس کی مدارات شروع کی۔ اور وہ ان کا خلق ان کی مروت دیکھ کر کہنے لگی "مجھے تکلیف نہ ہوگی۔"

چونکہ اس روز مسلمان تھک زیادہ گئے تھے۔ اس لیے نماز پڑھ کر کھانا تیار کرنے لگے دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی عبداللہ نے شہزادی ہیلن کو اپنے خیمہ پر طلب کر لیا اور تمام افسروں کو بھی بلا لیا۔ لیکن ابن زبیر نے کہلا بھیجا کہ وہ اس وقت مصروف ہیں اور آنے سے قاصر ہیں۔

جب تمام افسر سپہ سالار کے پاس آ گئے تو انہوں نے کہا، "مسلمانو! جرجیر مارا گیا اور اس کی پری جمال بیٹی بھی گرفتار ہو گئی۔ جس شخص نے جرجیر کو قتل کیا وہ اٹھے اور شہزادی کو اور ایک لاکھ دینار لے لے۔"

عبداللہ کا یہ خیال تھا کہ جرجیر کو ضرور ان افسروں ہی میں سے کسی نے قتل کیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک شخص نے بھی اٹھ کر جرجیر کے قتل کرنے کا دعویٰ نہ کیا۔ شہزادی ہیلن بھی ادھر ادھر نگاہیں اٹھا اٹھا کر کسی کی جستجو کر رہی تھی۔ لوسیا اس کے پاس بیٹھی اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔

جب کسی شخص نے جواب نہ دیا تو عبداللہ نے کہا "معلوم ہوتا ہے آپ میں سے کسی شخص نے جرجیر کو قتل نہیں کیا ہے۔"

ابن عمر نے کہا، "سب کی خاموشی سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔"

عبداللہ: تب مجھے منادی کرانی چاہیے۔

حضرت حسین: بے شک منادی کرانی چاہیے۔

فوراً عبداللہ نے کئی سواروں کو طلب کر کے حکم دیا کہ وہ بآواز بلند منادی کر دیں کہ شہزادی ہیلن گرفتار ہو کر آ گئی ہے جس مسلمان نے جرجیر کو قتل کیا ہے وہ سپہ سالار کے خیمہ پر آ کر اپنا انعام لے جائے۔

سوار دوڑ گئے اور انہوں نے تمام لشکر میں منادی کر دی۔ ہر سپاہی اور ہر افسر کو اس منادی

کی اطلاع ہو گئی۔ ابن زبیر نے بھی سنا۔ وہ مسکرائے اور باہر سے اپنے خیمہ کے اندر جا بیٹھے۔

سواروں نے واپس جا کر عبداللہ کو اطلاع دی کہ وہ منادی کر آئے ہیں۔ شہزادی اور دوسرے مسلمانوں کو خیال تھا کہ جرجیر کا قاتل اب آنے والا ہے لیکن گھنٹوں پر گھنٹے گزر گئے اور کوئی شخص بھی نہ آیا۔

عبداللہ نے کہا، "حیرت کی بات ہے کس نے جرجیر کا قتل کیا ہے۔ اور کیوں نہیں وہ اپنا انعام لینے آتا ہے۔"

ابن زبیر نے کہا، "ممکن ہے وہ شخص کہیں گیا ہوا ہو۔"

عبداللہ: "ہو سکتا ہے۔ اچھا میں انتظار کروں گا۔ شہزادی تم سراپردہ میں چلی جاؤ۔"

ہیلن چلی گئی۔ عبداللہ نے ظہر کی نماز تک انتظار کیا لیکن کوئی نہ آیا۔ آخر جب سب لوگ نماز کے لیے آئے تو بعد نماز کے پھر انہوں نے ہر صف میں اعلان کرایا۔ ابن زبیر نے پھر اس اعلان کو سنا اور پھر مسکرا کر اٹھے اور چلے گئے۔

آخر اس تمام دن ہر نماز کے بعد عبداللہ اعلان کراتے رہے۔ لیکن انعام لینے کے لیے ان کے پاس کوئی نہ آیا۔ ابن زبیر اعلان کو سنتے تھے اور مسکرا کر خاموش رہ جاتے تھے۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے بعد بھی اعلان کیا گیا اور جب پھر بھی کوئی نہ آیا تو عبداللہ نے ہیلن کو بلا کر کہا، "کیا یہ حقیقت ہے کہ کسی مسلمان نے ہی تمہارے باپ کو قتل کیا ہے؟"

ہیلن نے دل گرفتگی کے ساتھ جواب دیا، "جی ہاں۔"

عبداللہ: "تعجب ہے میں کل سے اعلان کرا رہا ہوں لیکن وہ شخص اپنا انعام لینے نہیں آیا۔ اب میں تمہیں سبیطلہ اپنے ساتھ لے چلوں گا اور جب وہ فتح ہو جائے گا۔ تب اس لشکر کے ہمراہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ تمہارے متعلق وہی فیصلہ کریں گے۔"

ہیلن کیا جواب دیتی خاموش ہو رہی۔ اسے پھر سراپردہ میں بھیج دیا گیا اور عبداللہ نے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ اگلے روز لشکر سبیطلہ کی طرف کوچ کرے گا لوگ تیار ہو جائیں۔

باب ۲۷

کیف آور باتیں

ہیلن نے سراپردہ میں جا کر یہ دیکھ لیا تھا کہ مسلم عورتیں نہایت ہی سادہ طریقہ پر رہتی ہیں نہ پُرتکلف لباس ہے نہ بیش قیمت زیورات معمولی قسم کے مگر صاف کپڑے پہنتی ہیں۔ پاکیزگی کو بہت پسند کرتی ہیں صفائی کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ بچوں کو دن میں دو دو مرتبہ نہلاتی ہیں۔ خود ایک مرتبہ نہاتی ہیں۔ اور آپس میں اس محبت و پیار اور اخلاص و مروت کا برتاؤ کرتی ہیں۔ کہ کوئی انہیں دیکھ کر یہ کہہ نہیں سکتا کہ وہ حقیقی بہنیں ہیں۔ ہر کام میں ایک دوسری کا ہاتھ بٹاتی رہتی ہیں۔

شہزادی کا یہ خیال تھا کہ عرب لوگ اس خطہ کے رہنے والے ہیں۔ جہاں گرمی زیادہ پڑتی ہے اور گرم ممالک والے سیاہ فام اور بدصورت ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس نے عربی مردوں اور عورتوں کو دیکھا تو ان کی صورتیں اچھی اور رنگ گندمی رنگ دیکھے۔ عورتوں کے نقش و نگار نہایت ہی دلفریب تھے اس پر ان کی تزئین اور بھی غضب کی تھی۔ سب کے سروں کے بال سیاہ لمبے اور ریشم کی طرح ملائم تھے جن کی دو چوٹیاں گندھی ہوئی سینہ کے دونوں طرف پڑی رہتی ہیں۔ اسے بالوں کے گوندھنے کا یہ طریقہ بہت ہی معلوم ہوا۔

اس نے جب سلمیٰ کو دیکھا تو اس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے اپنی خوبصورتی پر ناز تھا مگر جو دلکشی سلمیٰ کی صورت میں تھی۔ اور جو تابش اس کے حسن میں تھی۔ وہ اسے خود اپنی صورت میں نظر نہ آتی تھی۔ اسے سلمیٰ سے خاص لگاؤ ہو گیا تھا۔ اور وہ اس کے ہی خیمہ میں ٹھہر گئی تھی۔

خبیب اور سلمیٰ دونوں کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ افریقہ کی وہ پری رو شہزادی جس کے حسن کا شہرہ دنیا جہان میں تھا۔ ان کے پاس مقیم ہوئی تھی۔ سلمیٰ اس کی مدارات میں لگی جاتی تھی۔ لوسیا بھی وہیں ٹھہری تھی۔ اور شہزادی کی باقی کنیزیں کئی خیموں میں سراپردہ کے قریب ہی علیحدہ ٹھہرائی

گئی تھیں۔

ہیلن کچھ مغموم و متفکر رہتی تھی۔ سلمیٰ چاہتی تھی کہ وہ بشاش رہے۔ اس نے کہا، "شہزادی! تم غمگین نہ رہا کرو۔ میں تمہیں رنجیدہ دیکھ کر آزردہ ہو جاتی ہوں۔"

ہیلن نے کہا، "سلمیٰ! میں تمہاری مشکور ہوں۔ خوب جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے کس قدر انسیت ہو گئی ہے۔ کس درجہ آرام و راحت کا خیال رکھتی ہو مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ تم میرے غم کا اثر لے رہی ہو لیکن میری قسمت میں یہی لکھا تھا سلمیٰ! تم میرے لیے نہ کڑھا کرو۔"

سلمیٰ: میں جانتی ہوں آپ کو کیا کیا غم ہیں۔ لیکن ان باتوں کو یاد کر کر کے دلخراش رہنے سے سوائے اپنی صحت خراب کر لینے کے اور کیا فائدہ ہے۔ طبیعت کو بہلاؤ۔ خیالات کو بٹاؤ اور ہنسی خوشی سے رہو۔

ہیلن: ایسی ہی رہوں گی۔

سلمیٰ: آپ کو زیادہ کوفت اس لیے بھی ہے کہ آپ کے شایان شان یہاں کوئی سامان نہیں ہے۔

ہیلن: مجھے اس بات کا خیال نہیں ہے سلمیٰ۔ اب نہ میں شہزادی رہی ہوں نہ شاہی ساز و سامان کی خواہش رہی ہے۔ مجھے تمہاری سادہ معاشرت بہت پسند ہے۔

سلمیٰ: پھر کیا فکر و غم ہے آپ کو۔

ہیلن: مجھے...... اچھا تم کیا مجھے ایک بات بتاؤ گی۔

سلمیٰ: ضرور۔

ہیلن: کیا تمہیں کسی سے محبت ہے۔

سلمیٰ کے چہرہ پر سرخی دوڑ گئی۔ اس نے شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔ ہیلن نے سمجھا وہ اس سے ناخوش ہو گئی۔ اس نے نرمی کے لہجہ میں کہا، "معاف کرنا سلمیٰ میں نے تمہارے دل کو دکھایا۔"

سلمیٰ نے سر اٹھا کر شہزادی کے روئے انور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "ہماری قوم میں یہ بات بہت معیوب سمجھی جاتی ہے۔"

ہیلن: مجھے خبر نہیں تھی۔ ورنہ میں اس کا تذکرہ نہ کرتی۔

سلمیٰ: لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا۔

ہیلن: سلمیٰ! میرے دل میں محبت کی چنگاری سلگ اٹھی ہے۔ جس درد سے میں ناآشنا تھی۔ وہ درد پیدا ہو گیا ہے۔

سلمیٰ: اور اسی لیے شاید تم اپنے وطن میں رہنا چاہتی ہو۔

ہیلن: وطن میں...... نہیں۔ میں وطن میں رہنا نہیں چاہتی۔

ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ لوسیا آ گئی اور یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اس روز دن چھپنے کے بعد سرور غبیب کے خیمہ پر پہنچے۔ اتفاق سے غبیب وہاں نہ تھے۔ شہزادی ہیلن۔ لوسیا اور سلمیٰ تینوں خیمہ کے باہر کمبل بچھائے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

سلمیٰ نے دور سے سرور کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کا چہرہ چمکنے لگا۔ آنکھوں میں روشنی آ گئی۔

جس جگہ یہ سب بیٹھی تھیں اس کے قریب ہی آگ روشن ہو رہی تھی۔ اس کا عکس ان سب کے چہروں پر پڑ رہا تھا۔

ہیلن نے سلمیٰ کے چہرہ کی تبدیلی کو دیکھا۔ وہ ہوشیار لڑکی تھی۔ سمجھ گئی کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

سرور جب ان تینوں مہوشوں کے قریب پہنچے تو سلمیٰ نے انہیں شرمیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا، "کس لیے تشریف لائے ہیں آپ؟"

ہیلن کو سرور ہی سپہ سالار کے خیمہ سے لا کر سراپردہ پہنچا گئے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ عجیب قسم کے خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی۔ اس نے انہیں نگاہ بھر کر نہ دیکھا تھا۔ مگر اب جو دیکھا تو ان میں مردانہ حسن کی تمام خصوصیات پائیں فوراً ہی اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ سلمیٰ کا چہرہ انہیں دیکھ کر کیوں چمک اٹھا تھا۔ سرور نے بڑی شستگی سے جواب دیا، "میں عم بزرگوار سے کچھ کہنے آیا تھا۔ کیا وہ خیمہ کے اندر موجود ہیں؟"

سلمیٰ: جی نہیں۔ وہ اس وقت کہیں گئے ہوئے ہیں۔

سرور: تب مجھے پھر کسی وقت آنا پڑے گا۔

یہ کہتے ہی وہ لوٹے اور چلے۔ جب چند قدم کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو سلمیٰ اٹھی۔ اس نے ہیلن سے کہا، "میں ذرا ان سے دریافت کرتی ہوں۔ یہ میرے ابا جان سے کیا کہنا چاہتے تھے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے لپکی۔ اور سرور کے قریب پہنچ کر تحکمانہ لہجہ میں بولی "ذرا ٹھہریے"

سرور فوراً رک گئے اور اس حور لقا کی طرف پلٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سلمٰی ان کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا "شاید آپ اس وقت شہزادی کو دیکھنے کے لیے آئے تھے"

سرور کی نگاہیں اس کے رخ روشن کی طرف جمی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا "کیا سچ بتا دوں سلمٰی! کہ میں اس وقت کس پری زاد کو دیکھنے کے لیے آیا تھا"

سلمٰی کچھ عجیب دلفریب نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا "ہاں۔ سچ ہی بتائیے گا"

سرور: میں تمہیں اور صرف تمہیں ہی دیکھنے کے لیے آیا تھا۔

یہ سن کر سلمٰی کا رشک دور ہو گیا۔ اور فرط مسرت سے اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک اٹھا۔ نگاہوں سے سحر آمیز چمک خارج ہونے لگی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "لیکن آپ کے آنے کی کوئی وجہ ضرور ہوگی"

سرور: وجہ نہیں۔ بلکہ بہانہ کہیے۔

سلمٰی بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس کے خندہ دنداں نما سے شعاع حسن نکل کر اس کے منور چہرہ پر دوڑ گئی اور وہ نیر حسن معلوم ہونے لگی۔ اس نے ہنسی کو ضبط کر کے کہا "بہانہ...... خوب آپ بہانے بھی کرتے ہیں"

سرور: سلمٰی تمہیں دیکھنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

سلمٰی: مگر آپ مجھے دیکھتے ہی کیوں ہیں۔

سرور: تم یہ پوچھو کہ میں تمہیں کیوں نہ دیکھوں۔

سلمٰی نے مسکرا کر کہا "اچھا یہی سہی"

سرور: اس لیے کہ تم میری زندگی کا روشن آفتاب ہو۔ ماہ حسن ہو۔ جس طرح چکور چاند کو بلبل گل کو اور بھونرا پھول کی پتیوں کو دیکھے بغیر بے چین رہتا ہے۔ اسی طرح میں تمہیں دیکھے بغیر بیکل رہتا ہوں۔

سلمٰی شرما گئی۔ اس کی شان حیا زہد شکن تھی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا "بس اب میں نے سمجھ لیا۔ آپ ضرور شاعر ہو گئے ہیں"

سرور: اور مجھے تم نے شاعر بنا دیا ہے۔

سلمٰی نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا "آپ کی شہزادی ہے تو غضب کی حسین"

سرور: میری شہزادی ملکہ حسن ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے اپنے حسن کا اعتراف اپنی زبان سے کیا۔

سلمٰی: میں کیا کہہ رہی ہوں اور آپ کیا سمجھ گئے۔

سرور: جو میں نے سمجھا ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔

سلمٰی نے مسکرا کر کہا "آپ کی سمجھ کے کیا معنے۔ میں شہزادی ہیلن کے متعلق کہہ رہی تھی۔

سرور: جیسی وہ ہے تم نے اسے دیکھ ہی لیا ہے۔

سلمٰی: یہی میں کہہ رہی ہوں نہایت ہی خوبصورت ہے۔

سرور: ہوگی۔ سلمٰی ایک بات کا خیال رکھنا۔ کسی لڑکی کے حسن کی تعریف کسی مرد کے سامنے نہ کرنا۔ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

سلمٰی: آپ نے سچ کہا۔ میں آئندہ سے احتیاط رکھوں گی۔ آپ ابا جان سے کیا کہنے آئے تھے۔

سرور: سپہ سالار نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں خبیب سے یہ کہہ دوں کہ وہ شہزادی کے مدارات ان کی شان کے مطابق کریں۔

سلمٰی: اگر آپ اجازت دیں تو سالار اعظم کا یہ پیغام ان سے میں کہہ دوں۔

سرور: ہاں کہہ دینا۔ مگر سلمٰی ایک بات تو بتاؤ۔

سلمٰی: پوچھیے۔

سرور: کیا تم شہزادی سے اپنے خیمہ میں رہنے کی استدعا کی تھی۔

سلمٰی: نہیں۔ بلکہ خود شہزادی نے مجھ سے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

سرور نے اس بت طناز کے چاند سے چہرہ پر نظریں گاڑ کر کہا "مجھے بھی یہ خیال تھا" سلمٰی نے بھولی صورت بنا کر معصومانہ انداز میں کہا "آپ کا یہ خیال کیوں ہوا تھا"

سرور نے جواب دیا "اس لیے کہ اس کا تم سے تمہارے بڑھے ہوئے حسن کی بدولت مانوس

ہوجانا یقینی تھا۔

سلمیٰ پھر شرماگئی۔ اس نے کہا، ہمیں باتیں کرتے دیر ہوگئی ہے کہیں وہ دونوں عیسائی لڑکیاں مشکوک نہ ہوجائیں۔ اچھا خدا حافظ۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے لپک گئی۔ سرور بھی لوٹے اور اپنے خیمہ کی طرف چل پڑے۔

حورِوش سلمیٰ جب شہزادی ہیلن اور لوسیا کے پاس پہنچی تو اس کی شرمیلی آنکھیں اس کی محبت کے راز کو افشاء کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

شہزادی نے اس کے چہرہ پر نظریں جماکر کہا، "کیا کہنے آئے تھے یہ؟"

سلمیٰ نے ان کے پاس بیٹھ کر جواب دیا، "کہتے تھے کہ سپہ سالار نے یہ حکم دیا ہے کہ شہزادی کی مدارات اچھی طرح کی جائے۔"

ہیلن: میں تمام مسلمانوں کی عموماً اور ان کے سپہ سالار کی خصوصاً مشکور ہوں تم نے کہہ نہیں دیا کہ مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔

سلمیٰ: اسے وہ خود جانتے ہیں۔

ہیلن: یہ کون تھے۔

سلمیٰ: سراپردہ کی حفاظت پر جو لشکر مامور ہے۔ یہ اس کے افسر تھے۔" ابھی اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خبیب آگئے اور سلمیٰ نے ہیلن کے سامنے ہی سپہ سالار کا پیغام انہیں سنا دیا

خبیب نے کہا، "سلمیٰ! شہزادی تمہاری مہمان ہے۔ تمہیں خاص طور پر اس کی آرام و آسائش کا خیال رکھنا چاہیے۔"

ہیلن نے کہا، "بہن سلمیٰ! میرا بہت زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ میں اور میری سہیلی لوسیا یہاں ہر طرح خوش ہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد کھانا تیار ہوگیا۔ اور سب کھانا کھانے لگے۔

باب ۲۸

سبیطلہ کی فتح

جرجیر کی شکست کی خبر ان مفرور سپاہیوں نے جو میدانِ جنگ سے بھاگے تھے۔ جہاں کہیں بھی وہ گئے۔ ہر اس بستی کے آدمی کانپ اٹھے۔ جنہوں نے یہ روح فرسا خبر سنی۔

لیکن جب افریقہ کے دارالسلطنت سبیطلہ میں یہ خبر پہنچی اور ساتھ ہی معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ان کا شہنشاہ بھی کام آیا تو ہر گھر میں صف تمام بچھ گئی۔ اور شہر کے چپہ چپہ سے نالہ و شیون کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگوں نے اس قدر گریہ وزاری اور اس درجہ ماتم کیا کہ قلعہ کے باہر ان کی دردناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔

عیسائیوں کو حیرت تھی کہ ان کے سوا لاکھ آدمی کس طرح تھوڑے سے مسلمانوں نے مار ڈالے۔

جب دو ایک روز بعد ان کی طبیعتوں کو سکون ہوا۔ تب انہوں نے مجلسِ شوریٰ مقرر کی۔ ہر طبقہ کے آدمی بلائے گئے۔ تھیوڈوس اور دوسرے پادری جو بھاگ آئے تھے۔ وہ بھی شریک ہوئے اور اب اس بات پر غور و خوض ہونے لگا۔ کہ جب مسلمان قلعہ کے سامنے آئیں تو ان کا مقابلہ کیا جائے یا قلعہ ان کے حوالے کر کے ان کی اطاعت کرلیں۔

تاجروں اور زراعت پیشہ لوگوں کی رائے ہوئی کہ جب بادشاہ مارا جا چکا ہے۔ تمام لشکر میدان جنگ میں کام آگیا ہے۔ تو لڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ صلح کرلینی چاہیے۔ لیکن تھیوڈوس اور متمول لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کی اطاعت کرنے سے مرجانا اچھا ہے۔ قلعہ بند ہو جاؤ اور جب تک ہو سکے محصور رہ کر ان کا مقابلہ کرو۔

چونکہ قلعہ نہایت ہی مضبوط اور بلند و بالا تھا۔ اس لیے انہیں یقین تھا کہ مسلمان مدت تک اس کا محاصرہ کیے پڑے رہیں گے اور آخر تھک کر وہاں سے چلے جائیں گے۔

انہوں نے قلعہ کے تمام نوجوانوں کو جبریہ فوج میں بھرتی کر لیا۔ قلعہ کے پھاٹک مضبوطی سے بند کر لیے۔ اور فصیل پر نوجوانوں کو چڑھا دیا۔ جگہ جگہ سنگ ریزوں، فلاخنوں اور تیر کے انبار لگا دیے۔

اور مصیبت میں خدا یاد آتا ہے" کے مصداق انہوں نے گرجوں میں جا جا کر بڑی عاجزی سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگنی شروع کیں۔

وہ عیسائی جو لہو ولعب میں مشغول رہ کر خدا کو بھول گئے تھے۔ اب اسے یاد کرنے لگے تھے گرجے جو خالی پڑے رہتے تھے۔ اور وہ ان میں جا کر جھانکتے بھی نہ تھے۔ اب ہر نماز کے وقت بھر جاتے تھے۔

پادریوں کی بن آئی تھی اور وہ عجیب عجیب حکایتیں اور روایتیں بیان کر کر کے عیسائیوں کو جوش وغصہ دلا رہے تھے۔ اور عیسائی نوجوان بھی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔

جب کہ عیسائی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایک روز عین دوپہر کے وقت اسلامی لشکر نمودار ہوا۔ شیران اسلام کو دیکھتے ہی عیسائیوں نے شور وغل کر کے تمام قلعہ کو مسلمانوں کی آمد سے مطلع کر دیا۔

عیسائیوں کا جم غفیر فصیل پر چڑھا تھا چونکہ ان میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا۔ اس لیے انہیں دیکھنے کے اشتیاق میں سب ہی چڑھ آئے۔

مسلمان عربی لباس پہنے بڑی شان سے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ جب وہ قلعہ سے ایک میل کے فاصلے پر آ گئے۔ تب رکے اور قلعہ کے سامنے والے وسیع میدان میں اتر پڑے اترتے ہی خیمے بار برداریوں میں سے اتار اتار کر نصب کرنے لگے۔

مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا لشکر آگے پیچھے چلتا تھا۔ چنانچہ ایک ایک افسر اپنا اپنا دستہ لے کر آتا۔ اور میدان میں پھیل پھیل کر خیمہ زن ہونے لگا۔ چار گھڑی دن باقی رہنے تک تمام لشکر آ گیا حتیٰ کہ امیر عسکر بھی آ گئے۔

اس روز مسلمانوں نے آرام کیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی عبداللہ بن سعد چند دلیر اور تجربہ کار نوجوانوں کو ساتھ لے کر قلعہ کے گرد گشت لگانے کے لیے چلے۔

انہوں نے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ قلعہ کا چکر لگایا۔ لیکن کسی طرف بھی موقعہ ایسا نظر نہ آیا جو کمزور ہوتا۔ اور جس کے ذریعہ سے قلعہ کے اندر رسائی ممکن ہوتی۔ دوپہر ہونے پر یہ لوگ لوٹ آئے اور مشورہ کرنے لگے۔ طے یہ پایا کہ اہل قلعہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا جائے۔ چنانچہ ایک خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔

عبداللہ بن سعد امیر لشکر اسلامیہ اور مصر کے والی (گورنر) کی جانب سے قلعہ سبیطلہ کے باشندوں کو معلوم ہو کہ خدائے قادر مطلق کی اعانت سے ہم مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور تمہاری قوم کو شکست ملی۔ تمہارا بادشاہ مارا گیا۔ تمہارے ایک لاکھ سے زیادہ بہادر نوجوان میدان جنگ میں کام آئے۔ تمہاری شہزادی گرفتار کر لی گئی۔ تم میں اب مقابلہ کی سکت باقی نہیں رہی ہے عقلمندی اسی میں ہے کہ خونریزی کو بند کر دو۔ قلعہ کے دروازے کھول دو۔ یقین رکھو تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔ تم میں سے جو مسلمان ہو جائے گا وہ ہمارا بھائی ہوگا۔ جو جزیہ دے گا اس کا جان ومال کی ہم حفاظت کریں گے۔ اور جو جزیہ نہ دیں گے۔ انہیں اجازت دے دی جائے گی۔ اور وہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو لے کر جہاں چاہیں گے چلے جائیں گے۔ جو لوگ جزیہ دے کر قلعہ میں رہیں گے۔ انہیں مذہبی آزادی کی اجازت ہوگی عقلمندی اسی میں ہے کہ ان شرائط میں سے کسی ایک کو مان کر صلح کر لو۔ اگر تم نے صلح سے انکار کیا تو قلعہ پر حملہ کر دیا جائے گا اور اسے فتح کرنے پر تم میں سے کسی کو بھی امان نہ دی جائے گی۔

یہ خط لکھ کر ایک عیسائی قیدی کو دیا گیا۔ وہ چل کر سامنے آیا۔ اور بلند آواز سے پکارا اے سبیطلہ والو! میں مسلمانوں کا قاصد ہوں۔

عیسائیوں نے جھانک کر دیکھا۔ رسیوں میں ایک ٹوکری باندھ کر لٹکائی اور قاصد کو اوپر کھینچ لیا۔ اس سے خط لے کر پڑھا۔ مشورہ کے لیے جمع ہوئے۔ تھیوڈوس نے کہا۔ بہادر عیسائیو! مسلمانوں کے دم جھانسوں میں نہ آؤ۔ وہ عیسائیوں کو فنا کرنا اور عیسائیت کو مٹانا چاہتے ہیں۔ جس بستی میں بھی ان کے قدم گئے ہیں۔ وہاں سے عیسائیت مٹا دی گئی ہے۔ تمہاری تعداد بہت کافی ہے۔ ہمت نہ ہارو۔ لڑو۔ تمہارا قلعہ فتح نہیں ہو سکتا۔

بالاتفاق یہ طے ہوا۔ قاصد کو جواب دے دیا گیا۔ اور جس طرح ٹوکری میں اوپر آیا تھا۔ بٹھا

کر نیچے اتار دیا گیا۔ اس نے مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس آ کر سفارت کی ناکامی کا حال بیان کر دیا۔

عبداللہ نے اگلے روز لشکر کو قلعہ کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ اور سختی سے محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے رات دن قلعہ کی اس شدت سے نگہداشت شروع کی کہ پرندہ کو بھی پر نہ مارنے دیا۔

جب ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا تو عیسائیوں میں پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ مسلمان قلعہ فتح کئے بغیر نہ مانیں گے۔ چنانچہ ان میں خوف و ہراس پھیلنے لگا۔
مسلمان دن کو بھی نگرانی کرتے تھے اور رات کو بھی۔ نہ خود سوتے تھے۔ نہ قلعہ والوں کو سونے دیتے تھے۔ عیسائی تنگ آ گئے تھے۔

ایک شب کو جب کہ خود عبداللہ گشت لگا رہے تھے۔ ایک عیسائی ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا "اگر آپ مجھے اور میرے اہل و عیال کو امان دینے کا وعدہ کریں تو میں آج ہی آپ کو قلعہ میں داخل کرا دوں۔"

عبداللہ نے اقرار کر لیا۔ اس نے کہا "مجھے شہر والوں نے قاصد بنا کر آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں وہاں سے مدد لے کر آؤں۔ تم میں سے دو سو مضبوط جفاکش اور بہادر آدمی میرے ساتھ چلو میں پھاٹک پر پہنچ کر آواز دوں گا۔ اور بتاؤں گا کہ مسلمان قلعہ کے چاروں طرف اس طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ کہ میرا ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہے یقین ہے وہ مجھے قلعہ میں داخل کرنے کے لیے چھوٹی کھڑکی کھولیں گے۔ تم سب میرے ساتھ ہی قلعہ کے اندر گھس جانا۔"

عبداللہ راضی ہو گئے۔ انہوں نے دوسواروں کو منتخب کیا۔ انہیں گھوڑے سے اترنے کا حکم دیا۔ اور ایک سوار کو لشکر کی طرف بھیج کر ہدایت کی کہ وہ تمام اس جانب والے سواروں کو اطلاع دے دے کہ وہ مسلح ہو کر تیار رہیں۔ اور جوں ہی نعرہ کی آواز سنیں قلعہ کے پھاٹک کی طرف دوڑیں۔

سوار لشکر کی طرف چلا۔ اور عبداللہ دو سو مجاہدین کو لے کر اس عیسائی کے پیچھے قلعہ کی

طرف روانہ ہوئے۔

رات خوش قسمتی سے اندھیری تھی۔ ہر طرف اس غضب کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔ اس تاریکی میں یہ لوگ نہایت احتیاط سے چل کر پھاٹک پر پہنچے اور ادھر ادھر فصیل کے نیچے کھڑکی کی سامنے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔
اب عیسائی نے کھڑکی پر تین مرتبہ دستک دی کسی نے کھڑکی کے پٹ کھولے اور جھانکا عیسائی قاصد نے کہا "مسلمان قلعہ کے چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں واپس لوٹ آیا ہوں۔ دروازہ کھولو اور مجھے اندر لے لو۔"
جھانکنے والا پہرہ دار تھا۔ اس نے کھڑکی کے پٹ کھول دیئے۔ عیسائی اس کے اندر داخل ہوا اس کے پیچھے ہی عبداللہ اور تین اور بہادر مسلمان گھس گئے۔ اور انہوں نے دروازہ میں داخل ہوتے ہی تلواریں نکال کر نہایت پھرتی اور قوت سے وار کرنا شروع کر دیئے۔
پھاٹک کے محافظ ان مسلمانوں کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ انہوں نے شور کیا۔ مسلمان آ گئے۔

اس آواز کے بلند ہوتے ہی تمام پہرہ والے ہوشیار ہو گئے۔ یہ پھاٹک کے محافظ تقریباً پچاس تھے۔ سب نے تلواریں سونت لیں۔
مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا اور جو بدبخت عیسائی جس مسلمان کے سامنے آ گیا۔ مارا گیا۔

مسلمان عیسائیوں کو مارتے اور انہیں پیچھے دھکیلتے جاتے تھے۔ اور قلعہ کے باہر سے مزید مسلمان کھڑکی کے راستہ اندر داخل ہو کر لڑائی میں مشغول ہوتے جاتے تھے۔
عیسائی لڑ بھی رہے تھے اور شور بھی کر رہے تھے۔ ان کی آوازوں سے رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا تھا اور تمام قلعہ گونجنے لگا تھا۔
جب دس پندرہ مسلمان دروازے میں داخل ہو چکے تو مسلمانوں نے پھاٹک کے تالے توڑ ڈالے۔ سلاخیں کھینچ کر پھینک دیں اور پھاٹک کھول دیا۔
پھاٹک کھلتے ہی باہر کھڑے ہوئے مسلمانوں نے نہایت شور سے اللہ اکبر کا غلغلہ

انداز نعرہ بلند کیا اور دروازہ میں گھس گئے۔

اب چونکہ مسلمانوں کی کافی تعداد اندر داخل ہو گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے پہرہ والے عیسائیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ چند ہی منٹ میں ایک پہرہ دار بھی زندہ وسلامت باقی نہ رہا۔ مسلمان ان کا خاتمہ کر کے قلعہ میں گھس کر پھیل گئے۔ عیسائی سپاہی دوڑ دوڑ کر فصیل سے نیچے اترنے لگے اور آتے ہی تھوڑے سے مسلمانوں کو دیکھ کر ان پر حملے کرنے لگے۔ مسلمانوں نے بھی نہایت جوش وخروش سے وار پہ وار کرنے اور لاشوں پر لاشیں گرانی شروع کر دیں۔ جنگ نہایت زور و شور سے شروع ہو گئی تھی۔ تلواریں اندھیری رات میں اٹھ اٹھ کر لڑنے والوں کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ سر اچھل رہے تھے دھڑ گر رہے تھے۔ خون بہہ رہا تھا عیسائی شور کر رہے تھے۔ غرض عجیب طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ دو سو مسلمان دور تک قلعہ میں پھیل گئے تھے اور بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ عیسائی بھی قلعہ کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے پوری سرگرمی سے جنگ کر رہے تھے۔

جب کہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا۔ موت اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔ اور جنگ کے شعلے بھڑکتے جاتے تھے۔ اللہ اکبر کی پرشور آواز بلند ہوئی۔ اور مسلمان سواروں کا سیلاب قلعہ میں داخل ہوا۔ ان سواروں نے آتے ہی ادھر ادھر پھیل کر عیسائیوں کو اس طرح قتل کرنا شروع کر دیا جیسے وہ موم کے پتلے ہوں اور مسلمان ان کے ساتھ کھیل کر توڑ مروڑ رہے ہوں۔ کچھ دیر تو عیسائی ڈٹے رہے لیکن آخر ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ جانیں بچانے کے لیے بھاگے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ وہ سارے قلعہ میں بکھر گئے اور ہر جگہ انہوں نے ان کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ چپہ چپہ عیسائیوں کو مار مار کر گرا دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور "امان امان" چلانے لگے۔

عبداللہ نے خونریزی بند کرنے اور ہتھیار بند عیسائیوں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس حکم کو سنتے ہی تلواریں میانوں میں ڈالیں۔ اور عیسائی سپاہیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

باب ٢٩

تسلّط

شہر سبیطلہ کے عیسائیوں کو جب یہ خبر ہوئی تھی کہ ان کا شہنشاہ مسلمانوں پر حملہ کر کے ممالک مصر و شام پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں مسرت ہوئی اور انہوں نے دامے درمے اور سخنے غرض ہر طرح حکومت اور شہنشاہ کی مدد کی۔ ان کا خیال تھا کہ افریقہ کی سلطنت بہت زیادہ وسیع اور طاقتور ہو جائے گی۔ لیکن جب جرجیر کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ میں مارا گیا تو سبیطلہ والے بہت پریشان اور متفکر ہوئے۔ لیکن انہیں اپنے قلعہ کی وسعت اور مضبوطی پر بڑا ناز تھا۔ اسی لیے انہوں نے صلح کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ مسلمان دو چار مہینے محاصرہ کر کے تنگ آ کر چلے جائیں گے۔

مگر جب مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ اور انہوں نے ہتھیار بند عیسائیوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا تو عام عیسائیوں میں اضطراب و بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ چونکہ مسلمانوں کی صلح کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ اس لیے وہ جی کھول کر انتقام لیں گے۔ عام قتل و غارت گری اور لوٹ مار شروع کر دیں گے۔ گرجا گرا دیں گے۔ مکانوں کو آگ لگا دیں گے اور خوبصورت اور آباد شہر کو کھنڈر بنا ڈالیں گے۔ عورتوں کی بے آبروئی کریں گے۔ لڑکیوں کو کنیزیں اور لڑکوں کو غلام بنا لیں گے۔

یہ یقین انہیں اس لیے تھا کہ اکثر عیسائی فاتح ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن وہ حیران رہ گئے جب انہوں نے منادی کی آواز سنی جو یہ تھی کہ کسی مکان کو آگ نہ لگائی جائے۔ کوئی گرجا منہدم نہ کیا جائے گا کوئی عورت کوئی بڈھا، کوئی اپاہج، کوئی بیمار، کوئی مذہبی پیشوا (پادری)، اور کوئی عام شہری قتل نہ کیا جائے گا۔ نہ کسی کا مکان لوٹا جائے گا۔ عیسائی امن و امان سے رہیں جو لوگ قلعہ میں رہنا چاہیں۔ ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ اور جو جزیہ دینا پسند نہ کریں۔ وہ مع اہل وعیال اور مال و اسباب کے قلعہ

سے نکل جائیں۔ ان سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی۔

اس منادی کو سن کر عیسائیوں کی جان میں جان آئی۔ وہ مسلمانوں کو وحشی جاہل، غیر مہذب ناخدا ترس، ظالم اور سفاک سمجھتے تھے۔ انہوں نے ان کے متعلق ایسا ہی سنا تھا۔ لیکن جب منادی سنی تو انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ مسلمان نہایت شریف، بڑے مہذب، خدا ترس، رحمدل اور بنی نوع انسان کے ہمدرد ہیں۔ اسی وقت سے وہ مسلمانوں کے گرویدہ ہو گئے۔

جب صبح ہوئی تو تھیوڈوس اپنی جمعیت کو لے کر عبداللہ کے پاس آیا۔ اور کہا میں نے سنا تھا کہ مسلمان نہایت بے رحم ظالم اور وحشی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کے طرز عمل نے بتا دیا کہ یہ غلط باتیں متعصب عیسائیوں نے مشہور کر دی ہیں۔ ہر فاتح قوم مفتوح کو کچل ڈالتی ہے۔ دولت لوٹ لیتی ہے۔ عورتوں کی آبروریزی کرتی ہے۔ اور دشمن کو اس قدر مسل ڈالتی ہے کہ اس میں ذرا بھی قوت باقی نہیں چھوڑتی۔ لیکن آپ نے جس شرافت اور خدا ترسی کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے اسلام اور مسلمانوں کی شان وعظمت کو بڑھا دیا ہے۔ آج افریقہ کی عیسائی سلطنت کا بھی اسی طرح خاتمہ ہو گیا جس طرح ملکِ شام سے ہرقل اعظم اور ایران سے آتش پرستوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب افریقہ اسلامی گورنمنٹ کے ماتحت ہو گیا ہے۔ میں شاہی گرجا کا سب سے بڑا پادری ہوں۔ افریقہ کے تمام عیسائی میرا احترام کرتے ہیں۔ اور میرے حکم کی تعمیل کرنا فخر و خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ میں تمام عیسائیوں کا نمائندہ بن کر حاضر ہوا ہوں اپنی اور تمام عیسائیوں کی طرف سے آپ کو اطمینان اور یقین دلاتا ہوں۔ کہ مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے ہم سب وفادار اور خیر طلب رہیں گے۔

عبداللہ نے کہا، میں سلطنت اسلامیہ کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو یہ بات معلوم ہو گی کہ ہم نے کبھی افریقہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بیٹھے بٹھائے جرجیر کے دل میں اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس نے مصر پر لشکر کشی کا ارادہ کر لیا۔ مجبور ہو کر ہمیں اس کی سرکوبی کے لیے یہاں آنا پڑا۔ وہ مارا گیا۔ اور خدا نے اس کی سلطنت ہمارے سپرد کر دی۔"

تھیوڈوس نے خوشامدانہ لہجہ میں کہا، آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ جرجیر اچھا آدمی نہ تھا۔ بڑا مغرور، متکبر اور حریص تھا۔ چاہتا تھا کہ ساری دنیا میں اس کی سلطنت قائم ہو جائے۔ جب وہ

مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا تو میں نے اسے سمجھایا تھا۔ منع کیا تھا کہ مسلمانوں کو نہ چھیڑیے ان شیروں کا مقابلہ کوئی قوم بھی نہیں کر سکتی۔ آخر حرص کا جو انجام ہوتا وہ ہوا۔

یہ وہی تھیوڈوس ہے۔ جو مسلمانوں کا سب سے بڑا بدخواہ تھا اور چاہتا تھا کہ جرجیر مصر و شام فتح کر کے مسلمانوں کو مٹا ڈالے۔ اسلام کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دے۔ مگر آج جب مسلمانوں کا سبیطلہ پر قبضہ ہو گیا تو مسلمانوں کی مدح سرائی کرنے لگا۔ دراصل وہ ابن الوقت اور بڑا چالاک تھا۔ اس نے پھر کہا اب عیسائیوں کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔

عبداللہ: وہی جس کی میں منادی کرا چکا ہوں۔

تھیوڈوس، اس شہر کی مردم شماری کبھی نہیں ہوئی۔ اگر حضور حکم دیں تو لوگوں کی تعداد کا اندازہ کر کے جزیہ کی رقم لا کر پیش کر دی جائے۔

دراصل تھیوڈوس کا منشا تھا کہ مسلمان سیدھے اور بھولے ہیں۔ جو انہیں دے دیا جائے گا۔ وہ قبول و منظور کر لیں گے۔ اس لیے انہیں معمولی رقم دے کر ٹال دیا جائے۔

لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ مسلمان بھولے ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو خود بھی سیدھے ہوں اور جو چالاک ہوتے ہیں وہ ان کی باتوں سے انہیں پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ سمجھ گئے کہ تھیوڈوس پادری ہوتے ہوئے نہایت چالاک ہے۔ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو الو بنائے اور معمولی زر جزیہ دے کر ٹال دے۔ انہوں نے کہا، اگر عیسائی بادشاہ اپنے خاص دار السلطنت کی مردم شماری نہ کرا سکا۔ تو مسلمان کر لیں گے۔ ہمارا آئین یہ ہے کہ جو شخص ہماری قلمرو میں رہتا ہے۔ اس سے چار دینار سالانہ جزیہ لیا جاتا ہے اور یہ جزیہ حفاظت کرنے کا ٹیکس ہے۔ غیر مسلموں پر اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکس نہیں ہوتا۔ ہم خود مردم شماری کر کے ہر شخص سے وصول کر لیں گے۔"

تھیوڈوس مجبور ہو گیا۔ اس نے کہا، جیسی آپ کی مرضی۔ لیکن کیا آپ ایک مہربانی کریں گے۔

عبداللہ: کیا؟

تھیوڈوس، حضور شہزادی سیلن کو بھی جزیہ لے کر رہا کر دیں۔

عبداللہ: یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں۔ کہ شہزادی کے باپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو کوئی مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لے گا۔ اس کے ساتھ اس کی شادی کر دی جائے

گی ۔ میں نے یہ بھی منادی کرادی تھی کہ جو مسلمان جرجیر کو قتل کر ڈالے گا شہزادی اسے بطور کنیز دے دی جائے گی ۔ اور ایک لاکھ دینار دے جائیں گے ۔ نیز میں نے یہ بھی تہیہ کر لیا تھا کہ جرجیر کے ملک کا گورنر بھی اسے بنا دیا جائے ۔ جرجیر میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے اسے قتل کرنے والا شہزادی کا حقدار ہے ۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا دعویدار اب تک کیوں میرے پاس نہیں آیا ۔ میں شہزادی کو امیر المومنین خلیفۃ المسلمین اعلیٰ حضرت سیدنا مولانا عثمانؓ ابن عفان کی خدمت میں بھیجوں گا ۔ اس کے متعلق وہی فیصلہ کر سکیں گے ۔

تھیوڈوس : تب کیا آپ مجھے بھی شہزادی کے ہمراہ دارالخلافہ جانے کی اجازت دیں گے ۔

عبداللہ : بڑی خوشی سے ۔

تھیوڈوس : میں آپ کی اس عنایت کا مشکور رہوں گا ۔ عبداللہ نے ابن عمر کو جزیہ کی وصولیابی پر معمور کیا ۔ انہوں نے محلہ محلہ گھوم کر مردم شماری کر لی اور جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا ۔

اس عرصہ میں مسلمانوں نے شاہی خزانہ اور شاہی قصر اور دوسری شاہی عمارتوں پر تصرف کر لیا انہیں بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا ۔ اس قدر کہ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ انہیں اتنی دولت ملنے کی بالکل امید نہ تھی ۔

مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر عبداللہ نے ایک ایک ہزار سواروں کے چند دستے بنا کر اطراف ملک میں اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے روانہ کیے ۔ ان دستوں نے ہر بستی میں جا کر صلح آشتی سے اپنا قبضہ کر لیا ۔ سبیطلہ سے آگے صرف ایک قلعہ اور باقی تھا ۔ اس کا نام جم تھا ۔ اہل جم نے بھی دس لاکھ دینار جزیہ دے کر صلح کر لی ۔ اور اس طرح تمام افریقہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔ اور افریقہ کی فتح مکمل ہو گئی ۔

باب ۳۰

رازِ دل

پری جمال شہزادی ہیلین مسلمانوں کے پاس نظر بند تھی ۔ وہ اسلامی خواتین میں رہتی تھی ۔ اسے باپ کے مارے جانے کا صدمہ تھا ۔ سلطنت چھن جانے کا قلق تھا اور قید ہو جانے کا رنج تھا وہ ہر وقت ملول و غمگین رہتی تھی ۔

عبداللہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہیلین آزردہ و حزین رہتی ہے ۔ انہوں نے اس کی دلبستگی کے لیے اس کی تمام کنیزوں کو اس کے پاس بھیجدیا تھا اور اس کا جس قدر سامان مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا ۔ وہ سب اسے دے دیا تھا ۔ اس کے زیورات ، ملبوسات ، سونے چاندی کے ظروف تاج ، لوازمہ تزئین فرش خیمے ، خیموں کا آرائشی سامان ، غرض جس چیز کو انہوں نے سمجھا کہ شہزادی کی ہو گی اسے دے دی تھی ۔

کسی قوم نے بھی اپنی لڑکی کے ساتھ ایسا فیاضانہ سلوک نہ کیا ہو گا ۔ کم سے کم میری نگاہ میں کسی تاریخ میں کوئی بھی ایسا موقع نہیں گزرا ہے ۔

یہ تمام سامان مسلمانوں نے مال غنیمت میں حاصل کیا تھا کئی لاکھ دینار کی مالیت کا تھا لیکن سیر چشم مسلمانوں نے مطلق بھی اس کا خیال نہ کیا اور شہزادی کی تسلی اور دلدہی کے لیے اس کی ہر چیز اس کے حوالے کر دی ۔

مسلمانوں کا یہ حسن سلوک دیکھ کر ہیلین مسلمانوں کی بہت زیادہ مشکور تھی ۔ اس کے دل میں مسلمانوں کا احترام اور اسلام کی عظمت گھر کرتی جاتی تھی ۔

وہ سلمٰی سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی ۔ اس قدر کہ اسے اس کی جدائی ایک منٹ کی بھی شاق ہو جاتی تھی ۔ اس نے اسے اپنے پاس رہنے کی اجازت اس کے باپ خبیب سے

حاصل کرلی تھی اور پری رو سلمٰی اس کے پاس ہی رہنے لگی تھی۔

ایک روز جب کہ اسلامی لشکر سبیطلہ فتح کر کے شہر کے باہر ہی خیمہ زن تھا۔ حور وش ہیلن نے سلمٰی سے کہا، "بہن سلمٰی! میری ایک بات مانوگی؟"

سلمٰی نے مسکرا کر کہا، "اگر ماننے کی ہوگی تو ضرور مانوں گی۔"

ہیلن نے عاجزی سے کہا، "آج میرا ایک کہا کر دو۔"

سلمٰی: کہیے۔

ہیلن: پہلے وعدہ کرو۔ تب کہوں گی۔

سلمٰی: بات سننے سے پہلے وعدہ کرنا غلطی ہے لیکن میں یہ اطمینان دلاتی ہوں کہ اگر میرے مذہبی جذبوں کو ٹھیس نہ لگتی ہوگی تو میں ضرور آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔

ہیلن: میں چاہتی ہوں کہ تم میرے کپڑے پہن لو۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ایک عربی حسین دوشیزہ اس لباس میں کیسی معلوم ہوتی ہے۔

سلمٰی نے مسکرا کر کہا، "واہ وا خوب خیال ہوا ہے آپ کو۔"

ہیلن نے بڑی عاجزی سے کہا، "اچھی سلمٰی۔ میری خواہش پوری کر دو۔"

سلمٰی: ایک شرط ہے۔

ہیلن: مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔

سلمٰی: تو تم عربی لڑکیوں کا لباس پہن لو۔ میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم پر یہ لباس کیسا پھبتا ہے۔

ہیلن: میں بڑی خوشی سے تمہارا لباس پہن لوں گی۔

سلمٰی نے ہنس کر کہا، "آؤ تو میں تمہیں اپنا لباس پہناؤں اور تم مجھے اپنا پہناؤ۔"

دونوں پری چہرہ لڑکیاں خیمہ کے اندر چلی گئیں۔ لوسیا اور شہزادی کی دوسری سہیلیاں اور کنیزیں باہر ہی سائبان کے نیچے بیٹھی رہ گئیں۔ صرف تین چار کنیزیں لباس تبدیل کرانے کے لیے خیمہ کے اندر چلی گئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں دونوں مہ وشیں آئیں۔ ہیلن نے مکمل عربی لڑکیوں کی پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کے سیاہ اور دراز گیسو دو لٹوں میں گوندھ کر اس کے سینہ کے دونوں طرف

چھوڑ دیے گئے تھے اور ان میں روپہلی لیس بھی گوندھ دی گئی تھی۔

ہیلن پر یہ عربی لباس پھوٹ نکلا تھا اور وہ نہایت ہی پری جمال عرب دوشیزہ نظر آنے لگی تھی۔ اس کا حسن اس لباس میں اور بھی چمک اٹھا تھا۔

لیکن ماہرو سلمٰی شعلہ جوالہ بن گئی تھی۔ شہزادی کا ریشمی لباس جو جواہرات سے مرصع تھا اور منقش یہ جواہر زیورات نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔ خصوصاً تاج نے جس میں زمرد، یاقوت اور لعل آویزاں تھے۔ اس کے چہرہ کو مہ و خورشید سے زیادہ روشن کر دیا تھا۔

تمام سہیلیاں اور کنیزیں ان دونوں کو جدا جدا میں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ دونوں عالم حسن کی خوبصورت اور ملائک فریب حسن دیویاں معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کے چہروں سے حسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ان کے روئے تاباں کی دیکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

شہزادی نے سہیلیوں سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے دیکھا اس نیر حسن کو"

سلمٰی نے مسکرا کر کہا، "مجھ سے پہلے اس عربی چاند کو تو دیکھو۔ ہیلن تم پر عربی لباس خوب پھبتا ہے یہی پہنا کرو۔"

ہیلن نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا، "پہنا کروں گی اگر کسی نے پہننے کا اصرار کیا۔"

سلمٰی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سامنے سے سرور آتے نظر آئے وہ گھبرا گئی۔ اس نے چاہا کہ وہ جلدی سے خیمہ کے اندر گھس جائے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا منگیتر، باپ یا اور کوئی مسلمان اسے غیر قوم کی لڑکیوں کا سا لباس پہنے دیکھے۔ وہ جانتی تھی کہ مسلمان اس بات کو معیوب اور برا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے خیمہ کے اندر چلے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ہیلن نے اسے روک کر کہا، "ابھی ٹھہرو سلمٰی۔"

مجبوراً اسے رک جانا پڑا۔ اس عرصہ میں سرور سامنے آ گئے انہوں نے جب سلمٰی کو اس لباس میں دیکھا تو حیران و متعجب ہوئے۔ انہوں نے کہا، "سلمٰی! آج میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں!"

سلمٰی نے شرما کر سر جھکا کر کہا، "شہزادی ہیلن نے مجبور ہو کر یہ لباس پہنایا ہے۔ میں ابھی اتار دیتی ہوں۔"

ہیلن کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلمیٰ کے سرور منگیتر ہیں۔ سلمیٰ چلی گئی۔ ہیلن نے افسردگی کے لہجہ میں کہا
"افسوس ہمارے لباس سے بھی نفرت ہے۔"

سرور نے نرمی سے کہا "نفرت نہیں ہے شہزادی۔ بلکہ ہر قوم کو اپنا ہی لباس زیب دیتا ہے
مجھے امیر عسکر نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے۔ کہ میں آپ کو مطلع کر دوں کہ کل یہاں سے مالِ
غنیمت کچھ لشکر کے ہمراہ دارالخلافہ میں بھیجا جائے گا۔ آپ بھی بھیجی جائیں گی۔ آپ تیار ہو جائیں۔"

ہیلن: میں تیار ہوں۔

سرور چلے گئے۔ ہیلن نے اپنی تمام کنیزوں اور سہیلیوں کو تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اور وہ وہاں
سے چلی گئیں۔ اب صرف وہ اور لوسیا رہ گئیں۔ لوسیا نے کہا "شہزادی کیا کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی
کہ ہم مسلمانوں کے دارالخلافہ نہ جائیں۔"

ہیلن: ہم اپنے بس میں نہیں ہیں اور اس لیے ہمارا جانا ناگزیر ہے۔

لوسیا: ممکن ہے مسلمان وہاں آپ کو تشہیر کریں۔

ہیلن: میرے خیال میں ایسا نہ ہو گا مسلمان ان باتوں کو برا سمجھتے ہیں۔ وہ کسی کی
تذلیل کو روا نہیں رکھتے۔

لوسیا: لیکن شہزادی آپ کو اس قدر رنج و غم ہے کہ آپ گھلی جا رہی ہیں۔ اتنا لمبا سفر
کیسے برداشت کریں گی۔

ہیلن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیسے جانا تم نے۔"

لوسیا: معاف کرنا۔ آپ کے چہرہ کی زردی بتا رہی ہے۔

ہیلن نے لمبا ٹھنڈا سانس لے کر کہا "تو نے سچ کہا لوسیا۔ میرے دل میں ایک اور خلش
بھی پیدا ہو گئی ہے۔"

لوسیا نے اس کے رخ انور پر نظر جما کر کہا، "اور وہ خلش محبت کا کانٹا ہے؟"

ہیلن: ہاں۔

لوسیا: کیا سرور کو پیار کرنے لگی ہیں آپ۔

ہیلن: نہیں۔

لوسیا: پھر وہ کون خوش نصیب ہے۔

ہیلن: اگر میں بتا دوں تو لوسیا تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔

لوسیا: یہ کنیز کبھی ایسی جرأت نہیں کر سکتی۔ آپ فرمائیں وہ کون شخص ہے؟

ہیلن: لوسیا! وہ وہی ہے جس نے میرا باغ مسرت تاراج کیا ہے۔ جس کے ہاتھوں
سے قدرت نے مجھے یتیم بنا ڈالا ہے۔

لوسیا کو کمال حیرت ہو گئی۔ اس نے کہا "شہنشاہ کے قاتل سے آپ کو محبت ہو گئی ہے۔"

ہیلن نے شرمسارانہ انداز میں کہا "ہاں لوسیا! میں نے بہت کچھ اپنے دل کو ملامت کی ہے۔ لیکن محبت
اختیاری نہیں ہے۔ میں بدنصیب اپنے باپ کے قاتل سے محبت کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں یہ بات میرے
لیے بڑی شرمناک ہے جو سنے گا کیا کہے گا۔ لیکن ہزار کوشش کرنے پر بھی میں اس کے خیال کو دل سے نہ نکال
سکی.... مجھے ملامت خیز نظروں سے نہ دیکھو۔ میں خود اپنی نگاہوں سے حقیر ہو رہی ہوں۔"

لوسیا: آج معلوم ہوا کہ محبت حقیقت میں اندھی ہوتی ہے۔

ہیلن: یہ سچ ہے میں نے صرف اسے ایک ہی نظر دیکھا ہے۔ جب اس نے شہنشاہ کو قتل کیا تو
میں اسے قتل کرنے کے لیے جھپٹی۔ لیکن اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے اس پر رحم آ گیا اور میری تلوار جھک گئی۔

لوسیا: لیکن تعجب یہ ہے کہ وہ اپنا انعام لینے کے لیے کیوں اپنے سردار کے پاس نہیں آئے۔

ہیلن: مجھے بھی یہی حیرت ہے۔

لوسیا: کہیں وہ جنگ میں مارے تو نہیں گئے۔

ہیلن: میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ مارے نہیں گئے۔

لوسیا: تو کہیں چلے گئے۔

ہیلن: یہ ہو سکتا ہے لوسیا۔ میں انہیں تلاش کروں گی اور جب تک وہ نہ ملیں گے
انہیں ڈھونڈتی رہوں گی۔

باب ۳۱

گرویدۂ اخلاق

چونکہ افریقہ کی مہم ختم ہوگئی تھی۔ جرجیر مارا گیا تھا اور دارالسلطنت سبیطلہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ عیسائیوں نے اطاعت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے اب اس سرزمین میں کوئی کام باقی نہ رہا تھا۔

چنانچہ عبداللہ بن سعد نے سبیطلہ میں ایک ہزار جنگجو مجاہدین کو چھوڑا اور خود وہاں سے روانہ ہو کر طرابلس میں ٹھہرے۔

افریقہ کے اس خطہ کو قرطاجنہ کا ملک بھی کہتے تھے۔ جرجیر وہاں کا باعظمت وشان بادشاہ تھا نہایت بے فکری سے حکومت کر رہا تھا اور بڑے ہی عیش و عشرت میں زندگی گزار رہا تھا۔

لیکن جب اس کے برے دن آئے تو اس نے مسلمانوں پر یورش کرنے کا عزم کیا۔ حرص و آز نے یا مسلمانوں کی دشمنی اور اسلام کی عداوت نے اسے اس کام پر آمادہ کیا۔

مگر انجام یہ ہوا کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے اس کے بے شمار لشکر کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ عیسائیوں کو مار ڈالا اور آخر وہ بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور وہ ملک جو صدیوں سے عیسائیوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا مسلمانوں کے تحت میں آگیا۔

جب عبداللہ طرابلس میں پہنچے تو ارسانوس ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا، یا امیر! شہزادی ہیلین کو آپ نے اپنے پاس گرفتار کر رکھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اس سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ اگر آپ اسے مجھے دے دیں تو بڑا احسان ہو۔ میں اس کے فدیہ میں دس لاکھ دینار دینے کو تیار ہوں۔"

عبداللہ نے کہا، "مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ میں آپ کی خواہش

پوری نہیں کر سکتا۔ شہزادی اسی کی ہے۔ جس نے اس کے باپ کو قتل کیا ہے۔"

ارسانوس؛ لیکن قاتل نے باوجود آپ کے اعلان کے حاضر ہو کر اپنا دعویٰ پیش نہیں کیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے۔

عبداللہ؛ یہ ممکن ہے لیکن اس صورت میں مجھے شہزادی کے متعلق فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہمارے خلیفہ جو حکم دیں گے۔ اس کی تعمیل کی جائے گی۔

ارسانوس؛ لیکن آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا آپ شہزادی کو میرے حوالے کر دیں گے۔

عبداللہ کو اس کی یہ بات ناگوار گذری انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "ارسانوس: غالباً تمہیں وہ الفاظ یاد ہوں گے جو میں نے کہے تھے۔

ارسانوس؛ جی ہاں یاد ہیں۔

عبداللہ؛ سناؤ۔

ارسانوس؛ آپ نے کہا تھا کہ اگر شہزادی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تو آپ اسے مجھے دے دیں گے۔

عبداللہ؛ تم نے بالکل سچ کہا میرے الفاظ یہی تھے۔

ارسانوس؛ تو آپ کو شہزادی سے میرے سلسلہ میں دریافت کرنا چاہیے۔ میں اس کے عوض جس قدر زرِ فدیہ آپ طلب کریں گے ادا کر دوں گا۔

عبداللہ؛ بے شک مجھے اس سے بلا کر دریافت کرنا چاہیے۔

چنانچہ شہزادی کو طلب کر لیا گیا۔ ارسانوس کا خیال تھا کہ ہیلین عیسائی لڑکی ہے۔ وہ مسلمانوں کے پاس رہنے پر رضامند نہ ہوگی۔ اور چونکہ وہ اس کا ہم مذہب ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو جائے گی۔

تھوڑی دیر میں شہزادی آگئی۔ عبداللہ نے اس سے کہا، "شہزادی! میں نے ارسانوس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر شہزادی گرفتار ہوگی۔ تو میں اس کے حوالہ کر دوں گا......"

ہیلین نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا، "لیکن کیا میری بغیر میری مرضی کے بھی آپ نے ایسا کام کرنے اقرار کیا تھا؟"

عبداللہ: نہیں میرا وعدہ اس بات سے مشروط تھا کہ اگر شہزادی کی مرضی ہو گی تب ایسا کیا جائے گا۔

ہیلن: اچھا تو میری مرضی یہ نہیں ہے۔

ارسانوس نے حیرت سے ہیلن کی طرف دیکھا اور کہا، "کیا آپ عیسائیوں سے مسلمانوں کو اچھا سمجھتی ہیں۔"

ہیلن: بزدل، پست ہمت اور عشرت پسند عیسائیوں سے مسلمان کہیں بہترین ہیں اور تم ارسانوس! غدار قوم ہو۔ کوئی خود دار عیسائی لڑکی تمہاری صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

ارسانوس کو غصہ آگیا۔ اس نے درشت لہجہ میں کہا، "زبان دراز لڑکی اسی لیے خدا اور حضرت مسیح نے ناخوش ہو کر تجھے ذلیل کیا۔ شہزادی سے کنیز بنا دیا۔"

یہ سنکر ہیلن کو بڑا غصہ آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا آنکھوں میں لال لال ڈورے کھنچ گئے وہ غضب ناک نگاہوں سے ارسانوس کو دیکھنے لگی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہے۔ عبداللہ نے ارسانوس سے مخاطب ہو کر کہا، "ارسانوس! تہذیب سیکھو۔ تم ایک جلیلۃ القدر عیسائی دوشیزہ کی نہ صرف توہین کر رہے ہو۔ بلکہ آزاری بھی کر رہے ہو۔ تمہیں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہیلن شہزادی ہے اور مسلمان اس کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح عیسائی کرتے تھے۔"

اب ہیلن نے ذرا نرم لہجہ میں کہا، "ارسانوس! تم نے سنا فاتح سپہ سالار کے الفاظ کو۔ یہ اس قوم کے امیر ہیں جنہیں ہم وحشی، غیر مہذب، سفاک اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اور تم شریف بڑے مہذب بڑے رحمدل کہلاتے ہو۔ اب موازنہ کرو مسلمانوں سے اپنا۔ میں جب سے مسلمانوں میں آئی ہوں میرے احترام میں کوئی کسر نہیں رکھی گئی۔ میری عزت شہزادیوں کی طرح کی جاتی ہے مسلم خواتین میری بڑی وقعت کرتی ہیں۔ میرے دل ہی دل میں لگی رہتی ہیں۔ ایک تم ہو جو میری تحقیر پر اتر آئے ہو۔ اگر آج میری قوت باقی ہوتی تو تم کبھی اس طرح بد زبانی نہ کرتے۔"

یہ کہتے ہی کہتے وہ آزردہ خاطر ہو گئی۔ عبداللہ نے کہا، "شہزادی تم ہماری مہمان ہو۔ اگر کوئی تمہاری تحقیر کرتا ہے تو وہ پہلے ہماری کرتا ہے۔"

ارسانوس نے پہلے صرف تمہاری ہی توہین نہیں کی ہے۔ بلکہ ہماری بھی کی ہے۔ اس لیے وہ اس کے جواب دہ ہیں۔

وہ ارسانوس سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے کہا، "کیسے آپ کیا کہتے ہیں آپ نے کیوں شہزادی کی توہین کی۔ کیوں ان کے دل کو دکھایا؟"

ارسانوس ڈر گیا۔ اس نے کہا، "غلطی ہوئی مجھ سے۔"

عبداللہ: اس غلطی کی معافی شہزادی سے چاہو۔"

ارسانوس نے شہزادی سے مخاطب ہو کر کہا، "محترم شہزادی میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں جوش غصہ نے میری عقل زائل کر دی تھی۔"

ہیلن: ارسانوس! میری قوم کو مسلمانوں سے تہذیب و شائستگی کا سبق سیکھنا چاہیے عورت کو جو درجہ اسلام نے دیا ہے وہ کسی قوم نے نہیں دیا۔ صنف نازک، اسلام کی جس قدر مشکور ہو کم ہے۔ میں تمہیں اسلام کے صدقہ میں اور مسلمانوں کی خاطر سے معاف کرتی ہوں۔

ارسانوس: میں آپ کا مشکور ہوں۔

عبداللہ نے شہزادی سے دریافت کیا، "تو آپ ارسانوس کے ہمراہ جانے پر رضامند ہیں؟"

ہیلن: ہرگز نہیں۔ مجھے اب عیسائیوں سے کوئی انسیت باقی نہیں رہی۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری ذات مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے اور میں اس پر راضی برضا ہوں۔

ارسانوس: لیکن غیر کف میں تم کیسے رہ سکو گی۔

ہیلن: تو تم واقف نہیں ہو ارسانوس۔ اگر دیکھتے مسلمان عورتیں اور لڑکیاں میرے ساتھ کس مہربانی سے پیش آتی ہیں کس قدر دلجوئی کرتی ہیں۔ تو تم سمجھ سکتے کہ میرے لیے ان کی ہمنشینی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے سچ یہ ہے کہ مسلم خواتین کے حسن اخلاق نے میرا دل موہ لیا ہے۔

ارسانوس: یہ عیسائیوں کی بد قسمتی ہے۔

ہیلن: عیسائیوں کی قسمت اسی وقت بدل گئی تھی۔ جب ان کے شہنشاہ نے امن و عافیت کی دنیا کو درہم برہم کر کے مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

عبداللہ: ارسانوس میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ شہزادی کو تمہارے ساتھ جانے سے

انکار ہے۔

ارسانوس: بے شک مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہیں تھا کہ ایک عیسائی شہزادی مسلمانوں کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ لیکن اب میں آپ سے ایک اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عبداللہ: کہیے۔

ارسانوس: آپ شہزادی کے فدیہ میں بڑی سے بڑی رقم طلب کیجیے۔ میں ادا کر دوں گا۔ دس لاکھ دینار میں نے خود کہے ہیں مگر میں اسے بڑھا کر پچاس لاکھ دینے کو تیار ہوں۔

عبداللہ: اگر تم ایک کروڑ دینار بھی دو تو میں ایسا نہیں کر سکتا۔

ارسانوس: میں اس بات پر تیار ہوں کہ آپ شہزادی کو ہم وزن سونے چاندی سے تول کر رہا کر دیں۔

عبداللہ: تم ہمیں لالچ دینا چاہتے ہو لیکن نہیں جانتے کہ مسلمان دنیا کی دولت کی پرواہ نہیں کرتا۔ خدا سے چھڑانے اور معاصیت کے راستے پر چلانے کی اگر کوئی چیز ہے تو وہ دولت ہی ہے۔ دولت مند اکثر و بیشتر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے محترم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے کبھی دولت کی طرف توجہ نہیں کی ہم مسلمان بھی اسے اچھا نہیں سمجھتے تم فضول ہمیں لالچ دے رہے ہو۔

اب ارسانوس نا امید ہو گیا۔ وہ اٹھ کر اسی وقت زویلہ کی طرف چل دیا۔ اپنے لشکر کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عبداللہ نے شہزادی سے دریافت کیا: "آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے؟"

شہزادی نے جواب دیا، "نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں مسلمانوں کی مشکور ہوں۔"

عبداللہ: کل آپ اس لشکر کے ہمراہ جو مدینہ طیبہ جا رہا ہے روانہ ہو جائیں گی اگر آپ کو کوئی بات کہنی ہو تو بے تکلف کہہ دیجیے۔

ہیلن: مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ میں آپ کی بے شمار مہربانیوں کا شکریہ بھی ادا نہیں

کر سکتی۔

عبداللہ: اچھا اب جا کر آرام کرو۔

شہزادی اٹھ کر چلی گئی۔ اس نے اپنی سہیلی لوسیا سے وہ تمام گفتگو حرف بحرف سنا دی جو ارسانوس اور اس کے درمیان ہوئی تھی۔

لوسیا نے کہا، "میں جانتی ہوں ارسانوس اچھا آدمی نہیں ہے۔ مگر شہزادی کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آپ اپنے ہم قوم کے پاس رہ جائیں؟"

ہیلن: وہ دغاباز اور غدار ہے۔ اس کے پاس رہنے سے مسلمانوں کے ساتھ رہنا کہیں اچھا ہے۔

لوسیا چپ ہو گئی۔ دوسرے روز صبح ہی وہ تمام لشکر جو مدینہ منورہ سے عبداللہ کی مدد کرنے کے لیے آیا تھا۔ شہزادی اور مال غنیمت کا خمس لے کر دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

باب ۳۲

تسخیر اسلام

یہ فاتح لشکر مصر ہوتا ہوا حجاز پہنچا۔ اور بہت جلد مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں سلاطین عالم کا یہ دستور تھا کہ جب فتح کر کے آتے تھے تو اپنے دارالسلطنت میں داخل ہونے کے وقت اپنی قوت و عظمت کے اظہار کے لیے ان چیزوں کی نمائش کرتے تھے جو وہ لوٹ کر لاتے تھے۔ خصوصاً قیدیوں کو پابہ زنجیر کر کے نکالا کرتے تھے۔ اور اگر بدقسمتی سے کوئی بادشاہ، شہزادہ، ملکہ یا شہزادی گرفتار ہو جاتی تو اسے طوق و سلاسل پہنا کر اس کی تحقیر کے لیے اسے غلاموں کی طرح کھینچا کرتے تھے۔

شہزادی ہیلن اور لوسیا کو بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ مسلمان اسے بھی ذلیل و رسوا کرنے کے لیے عام شاہراہوں سے کنیزوں کی طرح نہ لے جائیں۔ اس نے اپنے اس اندیشہ کو سلمیٰ سے بھی بیان کر دیا تھا۔ لیکن سلمیٰ اسے اطمینان دلا دیا تھا کہ مسلمان ایسی باتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان کے رسولؐ کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم کے معزز لوگ گرفتار ہو کر آئیں تو ان کا احترام کرو اس سے اس کے دل کو ڈھارس ہو گئی تھی۔

آخر وہ دن اور وقت بھی آ گیا جب یہ فاتح لشکر دیار رسولؐ میں داخل ہوا۔ جوں ہی اہل مدینہ نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی۔ اس کے استقبال کے لیے امنڈ آئے۔ اور انہوں نے خوش ہو ہو کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیے۔

شہزادی ہیلن اپنی مرضی سے گھوڑے پر سوار تھی۔ اس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا۔ کہ مدینہ کے مسلمان اس لشکر کے مسلمانوں سے اس طرح بغل گیر ہو ہو کر مل رہے تھے۔ کہ خود اس کی قوم کے حقیقی بھائی نہ ملتے تھے۔

اس وقت تمام مجاہدین گھوڑوں سے نیچے اتر آئے تھے اور وہ مدینہ کے مسلمانوں کو سلام کر رہے تھے۔ کسی سے مصافحہ کرتے تھے مسرت و شادمانی کا سمندر موجیں لے رہا تھا۔ جیسے وہ سب حقیقی بھائی ہوں۔

بچے بھی شغدفوں اور محملوں سے کود پڑے تھے۔ اور مدینہ کے بچوں سے خواتین غرفوں، حجروں اور مکانوں کی چھتوں سے اس فاتح لشکر کو دیکھ رہی تھی۔

شہزادی اس پرکیف منظر کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس نے اتحاد و اتفاق اور مسرت اور شادمانی کا ایسا سمندر بے پایاں کبھی نہ دیکھا تھا۔

جب یہ لشکر مسجد نبوی کے سامنے والے میدان میں پہنچا۔ تو دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور اس میدان میں سینکڑوں آدمی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ان میں امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے۔

سب لوگوں کے سامنے قلیے، بکری کے گوشت کا قورمہ، اونٹ کے گوشت کے تکے پر سندے اور کباب تھے۔ لیکن خلیفۃ المسلمین کے سامنے جَو کی روٹی اور سرکہ تھا۔

حضرت عثمان غنی کا وطیرہ تھا کہ ہر مہینہ مدینہ منورہ کے تمام غریبوں اور محتاجوں کی دعوت کیا کرتے تھے انہیں اچھے اچھے کھانا کھلاتے تھے اور خود جَو کی روٹی اور سرکہ کھاتے تھے۔

اگرچہ وہ بڑے متمول تھے۔ اگر چاہتے تو شامی رئیسوں یا ہندوستانی امیروں کی طرح ریشمی لباس پہنتے۔ اچھے سے اچھا کھاتے۔ اور بڑی شان سے رہتے۔

لیکن وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔ جس طرح آنحضور صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول اور حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم سادہ طریقہ پر رہتے تھے۔ اسی طرح وہ بھی رہتے تھے۔ نہایت سادہ عام مسلمانوں کے سے سفید کپڑے پہنتے تھے اور جَو کی روٹی اور سرکہ کھاتے تھے۔

ان کا قول تھا کہ اچھی غذا انسان کے نفس کو موٹا کر دیتی ہے اور وہ گناہ کی طرف رغبت کرنے لگتا ہے۔

یہ لشکر خلیفہ کو دیکھتے ہی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کا استقبال کرنے والے بھی چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ شہزادی ہیلن کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے وہ با عظمت و جلال خلیفہ جن کے

دبدبہ سے سلاطین عالم سے تھراتے ہیں. معمولی آدمیوں کی طرح مدینہ منورہ کے غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ تو اسے بڑا تعجب ہوا۔

مسلمانوں کے اسلاف کی بے نفسی کا تو یہ عالم تھا۔ لیکن ہم اس زمانہ کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی تقریب میں بے چارے مسلمان آجاتے ہیں تو ان سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنا انہیں اپنے پاس بٹھانا بڑی سبکی اور توہین سمجھتے ہیں۔

نہیں جانتے کہ آنحضورؐ کو غریبوں سے زیادہ محبت تھی۔ آپ ان پر شفقت فرماتے رہتے تھے ان کی بڑی عزت کرتے رہتے تھے۔ خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

خوب سمجھ لیجیے جو غریبوں سے نفرت کرے گا آنحضورؐ اس سے نفرت کریں گے۔ اور خدا بھی اس سے ناخوش ہوگا۔

مسلمانو! تم غریبوں سے اس لیے نفرت کرتے ہو کہ وہ غریب ہیں۔ لیکن انہیں غریب کس نے بنایا خدا نے۔ تو خدا سے نفرت کیوں نہیں کرتے (نعوذ باللہ) اگر سچ پوچھو تو تمہاری یہ نفرت غریبوں سے نہیں خود خدا سے ہی ہے۔

یاد رکھو غریب بھی خدا کی مخلوق ہے۔ مسلمان ہیں۔ تمہارے بھائی ہیں۔ ان سے نفرت کر کے آنحضورؐ اور خدا کو ناخوش نہ کرو۔

اگر دنیا میں غریب نہ ہوتے تو صدقہ اور خیرات کون لیتا ثواب کس طرح ملتا کون تمہاری خدمت کرتا۔ دنیا کا نظام کس طرح رہتا۔

یہ خدا کی حکمت ہے توبہ کر لو۔ کہ آج سے غریبوں سے نفرت نہ کرو گے۔ انہیں اپنا بھائی سمجھو گے۔ ہر قوم کی تعمیر غریبوں سے ہوئی ہے۔ امیروں سے نہیں۔ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام غریبوں میں رہے گا۔ اگر آنکھیں ہیں تو نظر آتا ہوگا کہ مسجدیں ہر نماز کے وقت غریبوں سے لبریز ہوتی ہیں۔ امیر تو مسجد میں جانا گناہ سمجھتے ہیں۔

اسلام کی حرمت کے لیے غریب ہی سر کٹاتے ہیں۔ غریب ہی جنگ و پیکار کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑتے ہیں۔ غریبوں ہی میں سرفروشانہ جذبہ ہوتا ہے۔ غریبوں ہی سے اسلام کی عزت و شان باقی ہے۔

غرض تھوڑی دیر میں کھانے والے کھانے سے فارغ ہوئے۔ جس فرش پر لوگ بیٹھے کھا رہے تھے اسے صاف کرا دیا تھا۔ اور اسی پر خلیفہ نے اجلاس کرنا شروع کر دیا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عمرؓ ابن العاص کو بھی بلا لیا۔

حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، سرور، خبیب، ابن عمر، ابن عباس، ابن جعفر، ابن زبیر اور بہت سے دوسرے مجاہدین بھی آپ کے پاس آ بیٹھے تھے۔

ابن عمر نے کہا "خلیفہ سومؓ کو افریقیہ کی فتح مبارک ہو۔ افریقیہ کے ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہم نوید فتح اور مال غنیمت لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ اس فرحت افزا خبر کو سن کر تمام مسلمان نہایت درجہ خوش ہوئے۔ لیکن سب سے زیادہ خوشی حضرت عثمانؓ کو ہوئی۔ آپ قبلہ رو ہو کر سجدہ میں گر گئے اور خدائے و قادر کے حضور میں سجدہ شکر ادا کیا۔

سجدہ سے سر اٹھا کر کہا "خدا کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے ایک بڑے براعظم پر مسلمانوں کو فتح عطا فرما کر اسے ہمارے قبضہ میں دے دیا۔ کیا عبداللہ بن سعد نے بھی کوئی خط دیا ہے؟"

ابن عمر نے خط پیش کرتے ہوئے کہا "جی ہاں یہ ہے؟"

حضرت عثمانؓ نے خط لیا۔ یہ باریک چمڑہ پر تھا۔ اسے کھولا اور بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط ہے عبداللہ بن سعد والی (گورنر) مصر کی جانب سے امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ ابن عفان کے نام بعد حمد و صلوٰۃ کے عرض گزار ہوں۔ کہ خدا نے مدد فرما کر مسلمانوں کو عظیم الشان فتح عطا فرمائی۔ افریقیہ کا شہنشاہ جرجیر میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس کی بیٹی ہیلن جو نہایت خوبصورت ہے گرفتار کر لی گئی۔

اس حسین شہزادی کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس کے باپ یعنی جرجیر نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو کوئی عیسائی مسلمانوں کے سردار کا سر کاٹ لائے گا اس کے ساتھ وہ اس کی شادی کر دے گا۔ ابن زبیر کے کہنے سے میں نے بھی یہ منادی کرائی تھی کہ جو کوئی جرجیر کو مار ڈالے گا۔ شہزادی ہیلن اسے دے دی جائے گی۔ اور ایک لاکھ دینار بھی دیے جائیں گے۔

جرجیر کو کسی مسلمان نے مار ڈالا۔ لیکن باوجود میرے بار بار اعلان کرنے کے اس کا قاتل اپنا انعام لینے نہیں آیا۔ میں شہزادی اور اس کی سہیلیوں کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اس کے متعلق جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ ایک لاکھ دینار بھی مالِ غنیمت کے ہمراہ ارسال ہیں۔"

اس خط کو پڑھ کر تمام مسلمان نہایت درجہ حیران ہوئے۔ انہوں نے اس قسم کا واقعہ آج تک بھی نہیں سنا تھا۔ حضرت عثمان نے کہا، شہزادی کہاں ہے۔"

ابن عمر نے جواب دیا "مسلم خواتین کے ساتھ موجود ہے۔"

حضرت عثمان : اسے بلواؤ۔

فوراً ایک سوار دوڑایا گیا۔ اور حور جمال شہزادی ہیلن کو بلا لایا۔ شہزادی کو آتے ہوئے دیکھ کر حضرت عثمان یہ کہتے ہوئے اٹھے آنحضور صلعم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی امیر قوم گرفتار ہو کر آئے اس کی تعظیم کرو۔

تمام مسلمان بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہیلن کے تجلئے جمال سے عربوں کی مجلس کو منور کرتی ہوئی آئی اور حضرت عثمانؓ کے سامنے لا کر کھڑی کر دی گئی۔

حضرت عثمانؓ نے شفقت آمیز لہجہ میں کہا "بیٹی! بیٹھ جاؤ۔"

ہیلن نے سمجھ لیا کہ اس سے مخاطب ہونے والے اعرابی ہی مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔ اس نے انہیں نہایت ادب اور سلیقہ سے سلام کیا۔ امیر المومنین نے سلام کا جواب دیا۔ اور بیٹھ گئے شہزادی بھی بیٹھ گئی۔ اور تمام مسلمان بھی بیٹھ گئے۔ حضرت عثمان نے اس سے دریافت کیا تمہیں راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

ہیلن نے شیریں لہجہ میں کہا "جی نہیں۔ میں مسلمانوں کی مشکور ہوں کہ انہوں نے میرا خیال خاص طور پر کیا۔"

حضرت عثمان : بیٹی! یہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارے دل پر ہجوم غم و آلام ہو گا۔ لیکن اس میں ہمارا قصور نہیں ہے ہم خود تمہارے ملک پر چڑھ کر نہیں گئے۔ بلکہ تمہارے باپ نے بدامنی کا آغاز کیا۔

ہیلن : مجھے اس کا اعتراف ہے۔

حضرت عثمانؓ : شہزادی! میں تمہیں فوراً ہی رہا کر دیتا۔ لیکن دشواری یہ آپڑی ہے کہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص افریقہ کے شہنشاہ کو قتل کر ڈالے گا۔ اسے افریقہ کی شہزادی بطور دلہن دے دی جائے گی۔ اس لیے تم اس کی ہو جس نے یہ بہادری کا کام کیا ہے۔

ہیلن: لیکن سپہ سالار کے بار بار اعلان کرنے پر بھی میرے باپ کے قاتل نے اپنا دعوئے پیش نہیں کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے معلوم ہے میں مسلمانوں کی فطرت اور طبیعت سے واقف ہوں میرا خیال ہے کہ تمہارے باپ کو قتل کرنے والا اس لیے نہیں آیا کہ کوئی کی بہادری کی تعریف حد سے زیادہ نہ کرنے لگے۔ کیا تم ہماری تھوڑی سی مدد کرو گی۔

ہیلن : فرمائیے کیا۔

حضرت **عثمان** : تم نے شہنشاہ افریقہ کے قاتل کو تو دیکھا ہو گا۔

ہیلن : جی ہاں اچھی طرح دیکھا ہے۔

حضرت عثمان : کیا اسے پہچانتی ہو۔

ہیلن : خوب پہچانتی ہوں۔

حضرت **عثمان** : تب تم پہلے تو ان لوگوں کو دیکھو۔ جو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں۔

جب سے ہیلن اس مجمع میں آئی تھی۔ حضرت عثمانؓ ہی کی طرف مخاطب رہی تھی کسی اور طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب جب کہ حضرت عثمانؓ نے اسے دیکھنے کے لیے کہا۔ تو وہ ہزاروں ناز و انداز سے کھڑی ہوئی اور حاضرین کی طرف دیکھنے لگی۔

ابن زبیر قریب ہی بیٹھے تھے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں حور جمال شہزادی انہیں شناخت نہ کر لے اس لیے وہ سر بزانو ہو گئے۔

شہزادی نے سب کو دیکھنا شروع کیا۔ اتفاق سے حضرت عثمانؓ کی نگاہ ابن زبیر پہ جا پڑی۔ انہوں نے کہا "اے خلیفہ اول کے نواسے اس طرح کیوں بیٹھے ہو۔ کیا خدانخواستہ کچھ طبیعت خراب ہے۔"

ابن زبیر کا نام عبداللہ تھا۔ ان کی والدہ حضرت اسماء ذات النطاقین تھیں۔ جو حضرت

ابوبکر صدیقؓ کی شہزادی تھیں۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی بیٹی اسماء خوش جمال تھیں۔ اس لیے ابنِ زبیر بھی حسین و جمیل تھے۔

انہوں نے نگاہ اٹھا کر حضرت عثمانؓ کو دیکھتے ہوئے کہا، "یا امیر المومنین! خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔"

جس وقت ابنِ زبیر نے جواب دیا ٹھیک اسی وقت شہزادی کی نظر ان پر پڑی۔ شہزادی نے کہا "میرے باپ کے قاتل وہ ہیں۔"

سب کی نگاہیں ابن زبیر پر پڑیں۔ شہزادی بیٹھ گئی اور کچھ شوق بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے دریافت کیا، "اے زبیر کے بیٹے! کیا تم نے ہی شہنشاہ جرجیر کو قتل کیا تھا۔"

ابنِ زبیر نے کہا "جی ہاں۔"

حضرت عثمان: لیکن جب سپہ سالار نے تمہیں طلب کیا تو کیوں نہیں تم ان کے پاس گئے۔

ابن زبیر: میرے ظاہر نہ ہونے کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے جرجیر کو کسی انعام کے لالچ میں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اس کی اسلام دشمنی اس کے قتل کی محرک ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری تلوار اسلام اور خدا کے دشمن کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی۔ اگر میں ظاہر ہو جاتا تو لوگ ضرور یہی خیال کرتے کہ میں نے حسین و جمیل شہزادی کو حاصل کرنے کے لیے اس کو قتل کیا ہے۔ حالانکہ میں رضائے الٰہی کا طالب تھا نہ ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے جس کے باپ کو قتل کیا ہے۔ وہ میرے پاس خوش کیسے رہ سکتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے دل کو دکھ ہوگا۔

ان کی یہ باتیں سن کر تمام مسلمان حیران رہ گئے۔ خود شہزادی بڑی متاثر ہوئی۔ اس نے کہا، میں نے جو کچھ سنا وہ لائق صد ہزار حیرت ہے ہی مگر اس سے بڑھ کر یہ بات اور تعجب خیز ہے۔ کہ کسی مسلمان نے بھی جھوٹا دعوٰے کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سچ یہ ہے کہ مسلمان بڑے ہی دیندار اور پاک باز لوگ ہیں۔ اسلام خدا کا پسندیدہ مذہب ہے۔ میرے دل میں کبھی یہ

خیال بھی نہیں ہوا تھا کہ میں اسلام کی طرف جھکوں گی۔ لیکن آج خدائے قادر نے میرا دل اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ مجھے مسلمان کر لیجیے۔"

شہزادی کی یہ مختصر تقریر سن کر تمام مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ سب نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اسی وقت حضرت عثمانؓ نے کلمہ طیب پڑھا کر اسے مسلمان کر لیا اور اس سے کہا "بیٹی اب ایک بات بتاؤ اگر تمہارا عقد اس نوجوان ابن زبیر کے ساتھ کر دیا جائے تو تمہیں ناگوار تو نہیں گزرے گا؟" ہیلن نے ابن زبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "جو حکم آپ دیں گے اس کی تعمیل کروں گی۔"

حضرت عثمان: لیکن مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ لڑکی سے اس کا استمزاج ضرور معلوم کر لو۔ اگر وہ پسند کرے اور اجازت خوشی سے دے دے تب عقد کرو۔ اس لیے میں تم سے صاف صاف پوچھنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی سن لو کہ اگر تمہیں انکار ہوگا تو ہرگز تمہارا عقد ان کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ جس کے ساتھ تم پسند کرو گی اس کے ساتھ ہوگا۔

ہیلن: "مجھے ان کے ساتھ عقد کرنا منظور ہے۔" یہ کہتے ہی وہ شرما گئی۔

آج ہندوستان میں بے زبان لڑکیوں سے خدا کا کوئی بندہ بھی یہ دریافت نہیں کرتا کہ جس کے ساتھ اس کی زندگی کے رشتہ کو باندھا جا رہا ہے وہ اسے پسند بھی کرتی ہے یا نہیں۔ اسے بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے حالانکہ اسلام کا یہ حکم ہے کہ لڑکی سے ضرور دریافت کریں اور گواہ اور وکیل اسی لیے بنائے جاتے ہیں کہ وہ لڑکی کی رضامندی لے کر آئیں لیکن گواہ اور وکیل اس کے والدین سے اجازت لے کر آ جاتے ہیں اور نکاح پڑھا دیا جاتا ہے۔ قاضی صاحب بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ لڑکی سے نہیں پوچھا گیا نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ ایسے گواہ وکیل اور قاضی صاحب سب گناہ گار ہوتے ہیں۔ جب تک لڑکی سے نہ پوچھا جائے اس کی رضامندی نہ حاصل کر لی جائے تب تک نکاح نہیں ہونا چاہیے۔

غرض شہزادی کے منظوری دیتے ہی اسی وقت ابنِ زبیر سے ہیلن کا عقد ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے وہ سب سامان جو شہزادی کے پاس تھا اور جس کی قیمت لاکھوں روپیہ تھی شہزادی کو دیدیا اور ایک لاکھ دینار عبداللہ ابن زبیر کو دیے۔ باقی مالِ غنیمت مدینہ کے باشندوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کارروائی کے بعد یہ مجلس برخاست ہو گئی۔ تمام مجاہدین اور اہل مدینہ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ ابن زبیر چاندنی دلہن لے کر جب اپنے مکان پر پہنچے اور حضرت نے اسے دیکھا تو نہال ہو گئیں۔

شہزادی ہیلن ابن زبیر کے پاس بڑے آرام و آسائش سے رہنے لگی۔

اس افریقہ کی دلہن کو دیکھنے کے لیے مدینہ کی تمام عورتیں اور لڑکیاں آئیں اور اس کے بڑھے ہوئے حسن کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

لوسیا اور ہیلن کی دوسری سہیلیاں اور کنیزیں بھی مسلمان ہوگئیں اور ان کی شادیاں مسلمانوں سے کرادی گئیں۔

کچھ عرصہ کے بعد حوروش سلمٰی کی شادی سرور کے ساتھ ہوگئی۔ لیکن ہیلن اور سلمٰی میں جو محبت ہوگئی تھی۔ وہ دن دونی بڑھتی رہی اور یہ دونوں اکثر ایک دوسرے کے گھر جاجاکر کئی کئی روز رہتیں۔
یہ تھی حوروش شہزادی ہیلن کی وہ داستان جو آج تک تاریخوں میں محفوظ ہے۔ اور یہ ہے مسلمانوں کی عدیم النظیر جرأت و شجاعت کا وہ تاریخی افسانہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کس طرح براعظم افریقہ کو فتح کرکے دنیا جہان میں اپنی شہرت و عظمت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔

ختم شد